جلد ۳ | ۲۱ اپریل سنہ ۱۹۲۷ء | نمبر ۱

شذرات

تقریباً ۳ ہفتہ تک مجھے اپنے والد ماجد کی علالت کے سلسلہ میں اور پھر آپ کے انتقال کرجانے کے بعد خانگی معاملات کے سلجھانے میں مکان پر رہنا پڑا۔ اس عرصہ میں میرے تمام بزرگوں اور دوستوں نے میرے ساتھ جس محبت، خلوص اور ہمدردی و غمگساری کا اظہار کیا اُس کا شکریہ میں کس زبان سے ادا کروں؟ ایسے میں اُن کی ذرہ نوازی اور بندہ پروری کے سوا اور کسی چیز پر محمول نہیں کرسکتا، ورنہ میں کہاں اور کہاں ان کی یہ ہمدردی و محبت!

ان کے علاوہ میں اُن احباب اور رفقا کا بھی منت پذیر ہوں جنہوں نے میری عدم موجودگی میں میرے کاموں کو سنبھالے رکھا اور کسی قسم کا کوئی ہرج واقع نہ ہونے دیا، بالخصوص پرچہ کے کام کے سلسلہ میں میں اپنے دوست معین الدین حارث صاحب کا خاص طور سے ممنون احسان ہوں جنہوں نے باوجود آخری امتحان سر پر ہونے اور ناسازی مزاج کے گذشتہ نمبر وقت سے پہلے نکالا۔ میں ایک بار پھر اُن تمام بزرگوں اور دوستوں کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور خدائے تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ ہر مسلمان کو دوسرے کے ساتھ ایسی ہی سچی محبت و ہمدردی کے اظہار کی توفیق عطا فرمائے۔

---*---

الحمدللہ کہ "پیام تعلیم" نے اب اپنی زندگی کے دوسرے سال میں قدم رکھا ہے اور اس کی اس نئی جلد کا پہلا نمبر ناظرین کے ہاتھوں میں ہے۔ خیال تو یہ تھا کہ اس کے سال بھر کے مقالات و مضامین کا ایک مجمل خاکہ پیش کیا جاتا تاکہ اس سے اس کی گزشتہ و موجودہ حالت کا ایک اندازہ ہوسکتا لیکن سردست یہ خیال نظر انداز کردیا گیا اور اب ناظرین کے رحم و کرم پر چھوڑا جاتا ہے کہ وہ اس کی گزشتہ و موجودہ حالت کا اندازہ کرکے اس کے مستقبل کی امداد و اعانت کے متعلق خود کوئی فیصلہ کریں۔ پرچہ کا چندہ سالانہ اس قدر کم ہے کہ اسے سال دو سال کیا زندگی بھر جاری رکھنا گراں نہ گزریگا۔ نہ صرف یہی بلکہ ہر ایک شخص اپنے دوستوں اور ملنے جلنے والوں میں اس کی خریداری کی کوشش کرکے ممنون کرسکتا ہے۔ غرض اس نئے سال کے شروع ہونے سے جہاں ایک طرف کارکنان رسالہ کو اپنے فرائض کا احساس ہے وہاں دوسری جانب ناظرین و قارئین پر بھی کچھ نہ کچھ ذمہ داری عاید ہوتی ہے خدا کرے کہ یہ نیا سال دونوں فریق کے لئے خیر و برکت کا سال ثابت ہو۔ آمین۔

مکتوب فرانس

اس خط میں ہمارے دوست نے فرانسیسیوں کی قومی بے تعصبی کا ذکر کیا ہے [illegible] کے ساتھ اُن کا علمی شغف بھی دکھایا ہے۔ نیز بعض اور دلچسپ [illegible] بیان کئے ہیں۔ (ایڈیٹر)

[illegible] صاحب ! السلام علیکم

آپ کا خط ملا بہت سی باتوں کا مجھے جواب دینا ہے۔ اچھا شروع ہی سے [illegible]

[illegible] اپنے پچھلے خط میں فرانسیسیوں کی ذرا تعریف کر دی تھی۔ ممکن ہے [illegible] معلوم ہوتا ہو [illegible] کے [illegible] باب میں طرح طرح کی [illegible] اور مجھے اُن کی صفائی پیش کرنے کا موقع ہے۔

[illegible] کی میں [illegible] تعریف کی [illegible] بھی کرتا ہوں۔ اس لئے نہیں کہ ان [illegible] قائم کرتا ہے۔ بلکہ اس لئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ فرانسیسیوں [illegible] سب سے زیادہ مشرق کو سمجھنے کی صلاحیت ہے۔ اس [illegible] میں سب سے بڑی وجہ تو یہ ہے کہ ان کی مزاجی حالت ہم [illegible] ملتی جلتی ہے اور دوسرے یہ کہ یورپ والوں میں سب سے زیادہ [illegible] رہا ہے۔ ہی جنگوں کے بعد سے فرانسیسی برابر اسلامی دنیا [illegible] رہے ہیں۔ یورپ کے دوسرے ملکوں میں سنا ہے کالے رنگ والے [illegible] نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں یا تعجب کی نظر سے۔ [illegible] ان دونوں باتوں [illegible] کوئی نہیں۔ واقعی میرا یہ خیال ہے کہ شمالی ہندوستان کے بعض گورے [illegible] ہندوستان کے دوسرے حصوں کے کالے لوگوں سے [illegible] ہیں [illegible] فرانسیسیوں میں حبشیوں کے خلاف تعصب نہ ہوگا۔ فرانسیسیوں [illegible] میں اچھائیاں ہیں اور برائیاں بھی۔ ان لوگوں کی خوبیاں اور کمزوریاں ایک [illegible] ہیں جو یو۔ پی والوں میں پائی جاتی ہیں۔ سہروردی صاحب اکثر [illegible] جرمن ہندوستان کے پنجابی ہیں اور فرانسیسی یو۔پی والے۔ بس [illegible] کیجئے۔ اچھا اب یہ قصہ ختم، کام کی باتیں شروع [illegible]

[illegible] مضمون کی تیاری میں اسلامی ہند کی تاریخ کا باقاعدہ مطالعہ اور مواد جمع کرنا بھی شروع کر دیا ہے۔ آپ نے شاید مجھ سے دریافت کیا تھا کہ آیا فرانس میں اس عہد کے متعلق کچھ کام ہوا ہے یا نہیں۔ میں اس کے متعلق برابر چھان بین کر رہا ہوں۔ جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے فرانسیسی زبان میں آپ کو اس عہد کے متعلق بہت کچھ مواد ملے گا جبکہ مسلمانوں کا ہندوؤں سے پہلی پہلی مرتبہ سابقہ پڑا ہے۔ میری مراد اس اسلامی حکومت سے ہے جو کچھ عرصہ کے لئے سندھ میں آٹھویں صدی عیسوی میں قائم ہوئی تھی۔ فرانس کے ایک مشہور اسکالر رینو نے اس عہد پر کافی کام کیا ہے۔ اس کی تین کتابیں میری نظر سے گذر چکی ہیں۔

1. Fragments relatifs a l'Inde (مضامین متعلقہ ہند)
2. Memoire sur l'Inde (تذکرۂ ہند)
3. Introduction d'Aboulfeda. (مقدمہ ابوالفدا)

آپ ان کتابوں [illegible] ایلیٹ کی تاریخ ہند کی پہلی اور دوسری جلد میں بہت پائیں گے۔ ایلیٹ نے اکثر رینو کی کتابوں سے انگریزی میں ترجمے کئے ہیں۔ رینو نے [illegible] جن لوگوں نے اس عہد کی تاریخ پر کام کیا ہے یہ ہیں۔

1. Quatremere (کاترمیر)
2. Silvestre de Sacy. (سلوستر دساسی)
3. Anquetil Duperron (یہ وہ شخص ہے جس نے اپنشد کا لاطینی میں سب سے پہلے ترجمہ کیا ہے (دوپیران)
4. M. Mohl. (ایم۔ موہل)

ان میں سب نے زیادہ تر مسلمانوں کی سلطنت سندھ پر کام کیا ہے۔ یہ مضمون بہت دلچسپ ہے اور کام کرنے والے کے لئے بہت گنجائش ہے۔ میں چھان بین کر رہا ہوں اور پورا مواد اپنے پاس فراہم کروں گا۔ ابھی تو میں اس پر کچھ کام نہیں [illegible] لیکن بعد میں ہندوستان کی واپسی پر ممکن ہے یہ چیزیں اُن لوگوں کے لئے جو اس پر کام کرنا چاہیں گے مفید ہوں گی۔ آپ ایلیٹ کی شروع کی دونوں جلدوں میں ان سب لوگوں کی کتابوں کے حوالے پائیں گے۔

ابھی حال میں پندرہویں صدی عیسوی کا ایک قلمی نسخہ دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ یہ زمانہ مسلمانوں کی باقاعدہ عملداری کے شروع کا زمانہ ہے۔ اس قلمی نسخہ کا نام "حوض الحیات" ہے۔ یہ ایک جوگی اور قاضی رکن الدین کی گفتگو ہے۔ اصل نسخہ ہندی میں "امرت کنڈ" کے نام سے تھا۔ اس کے بعد اس کا فارسی میں ترجمہ ہوا

محاسنِ اسلام

(۴)

اسلام

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

بیشک حقیقی دین اللہ کے نزدیک اسلام ہے۔

اسلام کے معنی سر جھکانے کے ہیں۔ جو شخص اس پیارے دین کو قبول کرتا ہے، اُس کا سب سے پہلا فرض یہی ہوتا ہے کہ وہ دنیا کی تمام ظاہری اور عارضی قوتوں سے منہ موڑ کر صرف ایک اپنے حقیقی پروردگار کا مطیع و فرمانبردار ہو جائے۔ جس بات کا وہ حکم دے اُس کو دل و جان سے کرے، اور جس بات سے روکے اُس کا خیال بھی دل میں بھول کر نہ لائے۔ جو جس قدر اطاعت میں مضبوط و سچا ہوگا، اُسی قدر وہ اپنے اللہ کا مقبول بندہ ہوگا، اور اُسی قدر اُس کی عزت دین و دنیا میں بڑھیگی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

لَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ	تم سست نہ پڑو اور نہ ڈرو، اگر تم مومن ہو تو تمہیں سب سے بلند رہا ہو۔

تم نے یہ پڑھ لیا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کی ہدایت کے لئے پیغمبروں کو نازل کرتا ہے، اب تمہیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ دنیا میں جتنے بھی پیغمبر آئے، اُن سب کا سب سے پہلا پیغام یہی تھا کہ صرف ایک خدا کی بندگی کرو، اس کے بعد وہ اور باتیں نیکی بدی کی خدا کے حکم سے بتاتے تھے، راستی و ہدایت کا یہ سلسلہ اُسی وقت سے جاری ہے جس وقت سے اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کیا، چنانچہ حضرت آدم علیہ السلام سے لیکر ہمارے نبی کریم محمد صلی اللہ علیہ وسلم تک بڑے چھوٹے بیشمار پیغمبر ہر قوم و ملک کی ہدایت کے لئے آئے جن میں سے مشہور پیغمبر یہ ہیں، حضرت نوح، ہود، صالح، شعیب، داؤد، سلیمان، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ علیہم السّلام۔

اللہ تعالیٰ کے تمام کام تقریباً نہایت ہی تدریج سے رفتہ رفتہ انجام پاتے ہیں انسان اور دوسری مخلوقات کو دیکھو کس قدر آہستہ آہستہ نشو و نما پاکر بڑائی کو پہنچتے ہیں جس طرح جسم کی ترقی کا یہ قانون مقرر ہے اُسی طرح انسانی روح کی ترقی و ہدایت کے لئے بھی قدرت نے ایک راستہ بنایا ہے لہٰذا انسان کے کسی فرد یا قوم کے لئے عام طور پر یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ یک بیک تہذیب و ہدایت کے اعلیٰ زینہ پر چڑھ جائے۔ اس تدریج میں اللہ تعالیٰ کی جو عظیم الشان مصلحت ہے وہ انشاء اللہ کسی اور موقع پر بیان ہوگی۔

یہی تدریج کا قانون ہے جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے مختلف رسولوں کو مختلف زمانہ میں حالات و واقعات کے اعتبار سے نازل فرمایا۔ لہٰذا ہر آسمانی شریعت خواہ وہ حضرت نوح علیہ السلام کی ہو یا ابراہیم علیہ السّلام کی، موسیٰ علیہ السّلام کی ہو یا عیسیٰ علیہ السّلام کی، یا اور پیغمبروں کی ہو، ہر ایک درحقیقت اپنے اپنے وقت میں سچی اور حق تھی۔ لیکن جوں جوں انسان کی استعداد روحانی تعلیم و تربیت کے لئے بڑھتی گئی اُسی طرح پہلی شریعتوں کی ضرورت کم ہوتی گئی یہاں تک کہ جب انسان کی روحانی استعداد عالم شباب کو پہنچ گئی تو اللہ تعالیٰ نے دنیا کو ایک آخری دستور العمل عطا فرمایا، جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے انسان کا رہبر بن سکے، چنانچہ یہی آخری جامع و مانع شریعت اسلام ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر قرآن کریم کی جو آخری آیت نازل ہوئی وہ یہ تھی:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا۔	آج میں نے تمہارا دین مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تم پر پوری کر دی، اور اسلام کو بطور دین کے تمہارے لئے پسند کر دیا۔

اسلام کو دوسرے مذاہب پر ممتاز و نمایاں کرنے والی خوبی یہ ہے کہ وہ دین فطرت ہے یعنی وہ ایک ایسا مذہب ہے جس میں انسان کے جسم و روح دونوں کے حقوق کو نہایت دانشمندی کے ساتھ قائم رکھتے ہوئے ایک ایسا سیدھا راستہ بتایا گیا ہے جس پر انسان چلکر دین و دنیا دونوں کی کامل فلاح و سعادت حاصل کر سکتا ہے، وہ افراط و تفریط سے بالکل پاک ہے، اُس کی تعلیم و تربیت کے اصول اس درجہ سادہ، سہل اور انسانی طبیعت کے موافق ہیں کہ ہر انسان کے لئے ہر حال میں قابل عمل ہیں۔ بخلاف اور مذاہب کے کہ اُن کے دینی احکام یا تو اس قدر سخت ہیں کہ جب تک انسان اپنے اہل و عیال کھیتی باڑی اور دنیا کے تمام تعلقات سے کنارہ کش نہ ہو اُس وقت تک نہ انسان کی روح گناہوں سے پاک ہو سکتی ہے اور نہ وہ انسانی فلاح و سعادت کا کوئی رتبہ حاصل کر سکتی ہے، یا اس قدر آزادی اور ڈھیل ہے کہ بجز مادی لذتوں کے انسان کے روحانی فضائل و محاسن کی طرف مطلق توجہ نہیں ہے، اس بے اعتدالی کا نتیجہ یہ ہے کہ پہلی قسم کے مذاہب کو تو اُن کی سختی کی وجہ سے دنیا کے عام افراد نے کبھی قبول ہی نہیں کیا، اور اس طرح وہ اپنے آپ تقریباً معدوم اور مٹنے کے قریب ہو گئے، البتہ دوسری قسم کے مذاہب جنمیں نفس پرستی کا عنصر غالب تھا، دنیا کے ناسمجھ انسانوں نے اکثر ان کا استقبال

مکتوب فرانس

اس خط میں ہمارے دوست نے فرانسیسیوں کی قومی بے تعصبی کا ذکر کیا ہے اور اسی کے ساتھ اُن کا علمی شغف بھی دکھایا ہے۔ نیز بعض اور دلچسپ حالات و کوائف بیان کئے ہیں۔ (ایڈیٹر)

سعید صاحب۔ السلام علیکم

آپ کا خط ملا، بہت سی باتوں کا مجھے جواب دینا ہے، اچھا شروع ہی سے شروع کروں۔

میں نے اپنے پچھلے خط میں فرانسیسیوں کی ذرا تعریف کر دی تھی، ممکن ہے اس میں تھوڑا سا مبالغہ ہو، میں چاہتا ہی تھا کہ اسباب میں طرح طرح کی غلط فہمیاں پیدا ہوں اور مجھے اُن کی صفائی پیش کرنے کا موقع ملے۔

فرانسیسیوں کی میں نے تعریف کی، اب بھی کرتا ہوں، اس لئے نہیں کہ ان میں خدانخواستہ مجھے رشتہ ناتا قائم کرنا ہے، بلکہ اس لئے کہ میں سمجھتا ہوں کہ فرانسیسیوں میں، یورپ والوں میں سب سے زیادہ مشرق کو سمجھنے کی صلاحیت ہے۔ اس کی بہت سی وجوہات ہیں، سب سے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ ان کی مزاجی حالت ہم لوگوں سے بہت لگا کھاتی ہے، دوسرے یہ کہ یورپ والوں میں سب سے زیادہ ان کا مشرقیوں سے تعلق رہا ہے۔ صلیبی جنگوں کے بعد سے فرانسیسی برابر اسلامی دنیا میں گھس پیٹھ رکھتے ہیں، یورپ کے دوسرے ملکوں میں سنا ہے، کالے رنگ والے یا تو نفرت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں یا تعجب کی نظر سے۔ یہاں ان دونوں باتوں میں سے کوئی نہیں۔ واقعی میرا یہ خیال ہے کہ شمالی ہندوستان کے بعض گورے گھرانوں میں، ہندوستان کے دوسرے حصوں کے کالے لوگوں سے جتنا تعصب ہے اس کا عشر عشیر بھی فرانسیسیوں میں حبشیوں کے خلاف تعصب نہ ہوگا۔ فرانسیسیوں میں اچھائیاں بھی ہیں اور برائیاں بھی۔ ان لوگوں کی خوبیاں اور کمزوریاں ایک بڑی حد تک وہی ہیں جو یو۔ پی والوں میں پائی جاتی ہیں۔ سہروردی صاحب اکثر کہا کرتے ہیں کہ جرمن ہندوستان کے پنجابی ہیں اور فرانسیسی یو۔پی والے۔ بس سب باتوں کا اسی پر قیاس کر لیجئے۔ اچھا اب یہ قصہ ختم، کام کی باتیں شروع کرتا ہوں۔

میں نے اپنے مضمون کی تیاری میں اسلامی ہند کی تاریخ کا باقاعدہ مطالعہ اور مواد جمع کرنا بھی شروع کر دیا ہے۔ آپ نے شاید مجھ سے دریافت کیا تھا کہ آیا فرانس میں اس عہد کے متعلق کچھ کام ہوا ہے یا نہیں، میں اس کے متعلق برابر چھان بین کر رہا ہوں۔ جہاں تک مجھے معلوم ہوا ہے فرانسیسی زبان میں آپ کو اس عہد کے متعلق بہت کچھ مواد ملے گا جبکہ مسلمانوں کا ہندوؤں سے پہلی پہلی مرتبہ سابقہ پڑا ہے۔ میری مراد اس اسلامی حکومت سے ہے جو کچھ عرصہ کے لئے سندھ میں آٹھویں صدی عیسوی میں قائم ہوئی تھی۔ فرانس کے ایک مشہور اسکالر رینو نے اس عہد پر کافی کام کیا ہے اس کی تین کتابیں میری نظر سے گذر چکی ہیں۔

1. *Fragments relatifs a l'Inde* (مضامین متعلقہ ہند)

2. *Memoris sur l'Inde* (تذکرۃ الہند)

3. *Introduction d'Abulfides.* (مقدمہ ابو الفدا)

آپ ان کتابوں کے حوالے ایلیٹ کی تاریخ ہند کی پہلی اور دوسری جلد میں بہت پائیں گے، ایلیٹ نے اکثر رینو کی کتابوں سے انگریزی میں ترجمے کئے ہیں۔ رینو کے علاوہ جن لوگوں نے اس عہد کی تاریخ پر کام کیا ہے یہ ہیں۔

1. *Quatremere* (کاترمیر)

2. *Silvestre de sacy.* (سلوستر دوساسی)

3. *Anquetil Duperron* یہ وہی شخص ہے جس نے اپنشد کا لاطینی میں سب سے پہلے ترجمہ کیا ہے (دوپران)

4. *M. Mohl.* (ایم۔ مول)

ان میں سب نے زیادہ تر مسلمانوں کی سلطنت سندھ پر کام کیا ہے، یہ مضمون بہت دلچسپ ہے، اور کام کرنے والے کے لئے بہت گنجائش ہے۔ میں چھان بین کر رہا ہوں اور پورا مواد اپنے پاس فراہم کروں گا۔ ابھی تو میں اس پر کچھ کام نہیں کر سکتا لیکن بعد میں ہندوستان کی واپسی پر ممکن ہے یہ چیزیں اُن لوگوں کے لئے جو اس پر کام کرنا چاہیں گے مفید ہوں گی۔ آپ ایلیٹ کی شروع کی دونوں جلدوں میں ان سب لوگوں کی کتابوں کے حوالے پائیں گے۔

ابھی حال میں پندرہویں صدی عیسوی کا ایک قلمی نسخہ دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے، یہ زمانہ مسلمانوں کی باقاعدہ عملداری کے شروع کا زمانہ ہے۔ اس قلمی نسخہ کا نام "حوض الحیات" ہے۔ یہ ایک جوگی اور قاضی رکن الدین کی گفتگو ہے۔ اصل نسخہ ہندی میں "امرت کنڈ" کے نام سے تھا، اس کے بعد اس کا فارسی میں ترجمہ ہوا

جس کا عربی ترجمہ اسوقت نیشنل ببلیو تھک (پیرس کا قومی کتبخانہ) میں موجود ہے - یہ ترجمہ ابن عربی کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جو میرے خیال میں غلط ہے۔ اگر مجھے موقع ملا تو شاید میں اپنے مقالہ کے ساتھ اسے بھی ایڈٹ کروں لیکن ابھی یقین نہیں کہ آیا میں یہ کر سکوں گا یا نہیں۔ اس کی عربی بہت آسان اور عام فہم ہے - میں نے یہ نسخہ شروع سے آخر تک پڑھ ڈالا ہے، مکالمہ بہت دلچسپ ہے - اس کا ایک نسخہ لندن انڈیا آفس لائبریری میں بھی ہے۔ اگر مجھے اپنے مقالہ کے ساتھ اسے ایڈٹ کرنے کی اجازت مل گئی تو میں اب کی تعطیل میں مختلف نسخوں کا مقابلہ کر کے فرانسیسی میں ترجمہ کردوں گا اور بعد میں مع اصل کے شائع کردوں گا۔ بہرحال ابھی اس کا ٹھیک ٹھیک نہیں بعد میں اس کی بابت آپ کو مفصل لکھوں گا۔

اچھا اب کچھ دلچسپ حالات سنئے -

آج کل ایچ - جی - ویلس پیرس میں ٹھہرے ہوئے ہیں پچھلے منگل کو انہوں نے سار بون میں ایک بہت ہی دلچسپ لکچر بھی دیا - موضوع یہ تھا کہ "جمہوریتوں کی نظر ثانی" ہونی چاہیئے۔ موصوف نے جمہوریت کے مختلف رجحانوں سے بحث کی اور بتلایا کہ جمہوریت کا ابتدائی رجحان نوابی کے خلاف تھا اور دوسرا رجحان جس سے موجودہ تہذیب کو دوچار ہونا پڑا ہے صنعت (Industrialism) کے خلاف ہے موصوف کے خیال کے مطابق یہ رجحانات اسقدر لازمی ہیں جیسے فطرت طبعی کے قانون - جمہوریت نے نوابی اور کلیسا کو تباہ کیا اس لئے کہ زندگی یہی چاہتی تھی اور موجودہ اشتراکیت کی تحریک جو صنعتیت (Industrialism) کو تباہ کرنا چاہتی ہے تو موجودہ تہذیب زندگی کا یہی تقاضا ہے۔ اشتراکیت، جمہوریت سے الگ کوئی چیز نہیں۔ جس طرح عوام نے نوابی میں اپنا دخل کر لیا اسی طرح عوام صنعت میں اپنا عمل دخل چاہتے ہیں۔ یورپ کی موجودہ کشمکش اس کے سوا اور کچھ نہیں۔ موصوف نے نہایت وضاحت سے اپنے خاص انداز میں ان مسائل کی تشریح کی اور چین کی موجودہ کشمکش کے متعلق بھی کچھ اشارے کئے اور فرانسیسیوں کو ایک غیر جانبدار رویہ اختیار کرنے کی نصیحت کی۔

اس ہفتہ سار بون میں ایک بہت دلچسپ مقالہ، ایک بہت دلچسپ آدمی نے، ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لئے پیش کیا، پرگستاندی اور الفونس دسے کی شاعری اس مقالہ کا موضوع تھا۔ اس موضوع سے آپ لوگوں کو دلچسپی نہ ہوگی لیکن جن بزرگ نے یہ مقالہ پیش کیا اُن کی شخصیت سب کے لئے دلچسپی کا باعث ہے، ان کا نام لوئی آندریو ہے، ان کی عمر ۸۶ سال یعنی ۴ کم نوّے ہے، یہ مختلف اوقات میں پولس کے اعلیٰ افسر، سفیر اور (ایوان مبعوثین Chambre de Deputés) کے صدر رہ چکے ہیں اور آج کل ایوان مبعوثین کے ممبر ہیں۔ فرانسیسی طالب علم انہیں "پیر معان" کے لقب سے یاد کرتے ہیں۔ مقالہ پیش کرنے سے قبل انہوں نے ایک چھوٹی سی تقریر کی جس میں انہوں نے اپنے تمام پرانے طالب علمی کے زمانہ کے ساتھیوں کا ذکر کیا جن میں سے اب بہت کم زندہ ہیں۔ موسیو کلیمنسو بھی حاضرین جلسہ میں تھے۔ ممبران جوری نے مقالہ پر تھوڑی سی تنقید کے بعد بالاتفاق ڈاکٹریٹ کا اعزاز موسیو لوئی اندریو کے لئے دینا منظور کیا اور اسے یونیورسٹی کی عزت افزائی سمجھا کہ ایسے ایسے لوگ اور اس عمر میں یونیورسٹی کی ڈاکٹریٹ کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ آپ اس قوم کی ذہنی ترقی اور علمی شوق کا اندازہ اس ایک معمولی واقعہ سے کر سکتے ہیں۔ ہم لوگوں کے لئے واقعی ان باتوں میں بڑی عبرت ہے نیز موصوف کی تصویر بھی بھیجتا ہوں۔

(موسیو لوئی اندریو)

والسّلام

آپ کا

یوسف

پیرس

۱۶ر مارچ ۲۶ء

رسالہ جامعہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا علمی و ادبی ماہوار رسالہ نہایت آب و تاب سے شائع ہوتا ہے - چندہ سالانہ ۵ر ششماہی ۳/۱۲

طلسمی انگوٹھی

(خاص جرمن زبان سے ترجمہ کیا گیا)

ایک دن ایک نوجوان کسان جس کے گھر بار کی حالت کچھ اچھی نہ تھی، اپنے ہل پر بیٹھا ذرا آرام لے رہا تھا اور چہرے کا پسینہ پونچھتا جا رہا تھا کہ اسی اثنا میں ایک بوڑھی جادوگرنی اُدھر سے آنکلی اور کسان کو یوں بیٹھا ہوا دیکھکر کہا "کیوں تو ایسی محنت کرتا ہے جس سے کچھ حاصل نہیں۔ جا یہاں سے دو دن کی راہ پر تجھے ایک بڑا املیط کا درخت ملے گا۔ جو اکیلا جنگل میں کھڑا ہوگا اور سب درختوں سے اونچا ہوگا اگر تو اس درخت کو گرا لے تو پھر تیرے دن پھر گئے"۔

کسان نے پھر دوبارہ کہنے کا انتظار نہ کیا، اپنی کلہاڑی اٹھائی اور روانہ ہوگیا دو دن چلنے کے بعد اُسے وہ درخت ملا۔ دیکھتے ہی وہ اُسے کاٹنے کے لئے جلدی سے بڑھا، وہ درخت جب کٹ گیا اور بڑے زوروں کے ساتھ زمین پر گرا تو دیکھتے ہی دیکھتے درخت کی چوٹی سے ایک گھونسلا گرا جس میں دو انڈے تھے۔ یہ انڈے گھونسلے سے باہر ڈھلک آئے اور ٹوٹ گئے، اور جونہی وہ ٹوٹے انہیں سے ایک انڈے سے ایک ننھا سا عقاب کا بچہ نکل آیا اور دوسرے میں سے ایک چھوٹی طلسمی سونے کی انگوٹھی نکلی۔ عقاب کا بچہ بڑھنے لگا یہاں تک کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ اچھا خاصہ انسان کے نصف قد کے برابر ہوگیا، اُس نے اپنے بازو پھڑپھڑائے گویا انہیں آزمانا چاہتا تھا، زمین سے کچھ اوپر اٹھا اور اُس آدمی سے بولا:۔

"تو نے مجھے بچایا ہے! اس کے صلہ میں میں تجھے یہ انگوٹھی دیتا ہوں جو دوسرے انڈے میں ہے! یہ ایک طلسمی انگوٹھی ہے، جب تو اسے پہنکر انگلی میں گھمائے گا اور اس کے ساتھ اپنی مراد مانگے گا تو وہ فوراً پوری ہوجائے گی۔ لیکن اب اس انگوٹھی میں صرف ایک ہی مراد باقی رہگئی ہے۔ اس لئے خوب سوچ سمجھکر اپنی مراد مانگنا تاکہ پھر تجھے بعد میں پچھتانا نہ پڑے"۔

اس کے بعد وہ عقاب ہوا میں اڑگیا اور اُس کسان کے اوپر دو چار بڑے بڑے چکر کاٹے اور تیر کی طرح سورج کی طرف اڑکر چلا گیا۔

کسان نے انگوٹھی لے کر انگلی میں پہنی اور گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔ شام ہو رہی تھی اس لئے رات کو شب گزاری کے لئے وہ ایک شہر میں ٹھہر گیا، وہاں اُسے ایک دُکان پر اُسے ایک سونار ملا جس کے پاس بہت سی قیمتی انگوٹھیاں تھیں کسان نے اپنی انگوٹھی اُسے دکھائی اور پوچھا "اس کی قیمت کیا ہوگی؟" "پیسہ دو پیسہ" سونار نے جواب دیا۔ اس پر وہ کسان ہنسا اور کہا کہ یہ ایک طلسمی انگوٹھی ہے اور تمہاری سب انگوٹھیاں مل کر بھی اس قیمت کو نہ پہنچیں گی۔ سونار بڑا چلتا پرزہ اور چالاک آدمی تھا۔ اُس نے کسان کو اپنے یہاں رات گزارنے کی دعوت دی اور کہا "آپ جیسے شخص کا اتنی بڑی دولت کے ساتھ کسی کے ہاں ٹھہرنا اُس کی عین خوش نصیبی ہوگی۔ آپ میرے ہاں قیام کیجئے"۔ اُس نے اُس کی شراب وکباب اور چکنی چپڑی باتوں سے خوب خاطر تواضع کی اور جب رات میں سوگیا تو اُس نے چپکے سے وہ انگوٹھی اُس کے ہاتھ سے نکال لی اور اُس کی بجائے اُسی قسم کی ایک معمولی سی انگوٹھی اُس کی انگلی میں ڈالدی۔

دوسرے روز سونار کیلئے کسان کے جگنے اور روانہ ہونے تک انتظار کرنا دوبھر ہوگیا چنانچہ ابھی اندھیرا ہی تھا کہ اُس نے کسان کو جگایا اور اُس سے یوں کہا: "منزلیں بہت دور جانا ہے اس لئے مناسب ہے کہ سویرے سے روانہ ہوجاؤ"۔

جوں ہی کسان روانہ ہوا سونار جھپٹ کر اپنے کمرے میں ہو لیا۔ دروازے کو بند کرکے کنڈی لگادی تاکہ کوئی دیکھ نہ سکے اور بیچ کمرے میں بیٹھکر اُس نے انگوٹھی کو گھمایا اور زور سے یہ کہا "مجھے فوراً ایک لاکھ ڈالر چاہیئے"۔

ابھی مشکل سے یہ الفاظ اُس کے منہ سے نکلے تھے کہ ڈالر برسنے لگے۔ اصلی سونے کے ڈالروں کی بارش موسلا دھار ہو رہی تھی اور ڈالر آآکر اُس کے سر، کاندھے اور بازو پر پڑتے تھے۔ سونار چوٹ کھاکر بُری طرح چلانے لگا اور دروازے کی طرف دوڑا لیکن قبل اس کے کہ وہ وہاں تک پہنچے اور باہر نکل جائے، بے جان ہوکر فرش پر گر پڑا، اور اُس کے بدن سے خون کے فوارے جاری ہوگئے۔ ڈالروں کی بارش اب بھی رکنے کا نام نہ لیتی تھی اور آخرکار بوجھ اتنا بڑھا کہ لکڑی کا فرش یک بیک ٹوٹ گیا اور سونار مع تمام سونے کے گر کے تہ خانے میں جا گرا۔ اس کے بعد بھی بارش برابر جاری رہی یہاں تک کہ ایک لاکھ کی تعداد پوری ہوگئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ سونار تہ خانے میں دب کر مرگیا۔ درآنحالیکہ تمام سونا اُس کے اوپر لدا ہوا تھا شور وغل کی آواز سن کر آس پاس کے لوگ جلدی جلدی وہاں پہنچے اور جب انہوں نے سونار کو اس طرح سونے کے نیچے دبا ہوا پایا تو یوں کہنے لگے: "ہائے کسی کی قسمت! اس طرح بھی نہ پھرے کہ اُس کے لئے موت ہی بن جائے"۔ پھر فوراً ہی سونار کے وارث جمع ہوگئے اور اپنا اپنا حصہ لیکر چلے گئے۔ (باقی آئندہ)

(مترجمہ سعید انصاری و عبدالعلیم احراری متعلمین جرمن کلاس)

دنیا کے چاروں طرف

(مترجمہ محمود علی خاں صاحب متعلم بی۔ اے جامعہ ملیہ)

۲ نواحِ شمالی امریکہ

ریڈ انڈین

پیارے بچو!

تم مجھ سے کہتے ہو گا کہ میں امریکہ کے ریڈ انڈینس[1] کا ذکر کروں۔ میرے گھر میں ریڈ انڈینس کی اتنی بڑی قدر تھی کہ وہ اکثر مجھ سے اُن کے حالات دریافت کیا کرتا تھا۔

یورپینوں کے امریکہ آنے سے قبل ریڈ انڈینس ہی اس سرزمین کے مالک تھے۔ یہ قدآور اور مضبوط ہوتے تھے اور ان کا رنگ تانبے کی طرح گہرا سرخ ہوتا تھا۔ ان کی آنکھیں کوئلے کی طرح کالی اور ان کے بال لمبے اور سیدھے ہوتے تھے۔ باوجودیکہ شمالی امریکہ میں سخت جاڑا پڑتا ہے۔ لیکن یہ لوگ بہت ہی کم کپڑے پہنتے تھے۔ ان کو بچپن ہی سے حرف شکایت زبان پر لائے بغیر گرمی اور سردی، بھوک اور پیاس، مصیبت اور تکلیف برداشت کرنے کی تعلیم دی جاتی تھی۔

جب یورپین امریکہ پہنچے تو تمام ملک ریڈ انڈینوں سے آباد تھا۔ یہ لوگ گاؤں میں رہا کرتے تھے۔ ہر گاؤں میں ایک ایک خاندان رہتا تھا۔ ان کے مکان لکڑی کی جھونپڑیوں یا چمڑے کے خیموں کے بنے ہوتے تھے۔ اکثر کام عورتیں ہی کرتی تھیں، وہی زراعت کرتی تھیں، وہی کھانا پکاتی تھیں اور وہی کپڑے بھی سیتی تھیں۔ کام کرتے وقت یہ اپنے بچوں کو درختوں کی چھال کے جھولے میں لٹا کر شاخوں میں لٹکا دیتی تھیں۔ ہوا سے یہ جھولے ہلتے رہتے تھے اور ننھے بچے ان میں پڑے کھیلتے رہتے تھے۔

ریڈ انڈینس ہمیشہ لڑتے رہتے تھے کبھی آپس میں اور کبھی یورپینوں کے خلاف۔ لڑنے میں یہ لوگ نہایت ہی بے باک ہوتے تھے۔ اگر ان کا کوئی دشمن ان کے ہاتھ آجاتا تو اس سے بہت سختی سے پیش آتے تھے۔ جنگ شروع ہونے سے قبل یہ لوگ اپنے چہرے دشمن کو ڈرانے کے لئے مختلف رنگوں سے رنگ لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد تیر کمان اور نیزے لیکر اپنے سردار کے پیچھے خاموشی سے روانہ ہو جایا کرتے تھے۔ یہ لوگ کھلے میدان میں لڑنے کی کوشش نہیں کرتے تھے بلکہ اپنے دشمن پر جب وہ بے خبر ہو اچانک حملہ کرتے تھے۔ اس زمانہ میں ملک ہرنوں اور جنگلی جانوروں سے بھرا پڑا تھا۔ کینیڈا کے میدانوں میں جہاں آج کل گیہوں کی کاشت ہوتی ہے اس زمانہ میں جنگلی بھینسوں کے گلے چرا کرتے تھے۔ ریڈ انڈین اپنے چھوٹے چھوٹے تیز ٹٹوؤں پر سوار ہو کر ان کا شکار کھیلا کرتے تھے۔ جانوروں کے قریب پہنچ کر یہ تیر چلاتے تھے۔ اگر تیر خطا کر جاتے تو یہ اپنے چھروں سے انہیں مار لیتے تھے۔ جب یورپین یہاں پہنچے تو انہوں نے بندوقوں سے تمام جنگلی بھینسوں کو مار لیا۔ اب بہت تھوڑے باقی بچے ہیں جو عجائب خانوں اور باغوں میں رکھے جاتے ہیں۔ شمالی امریکہ میں اب ریڈ انڈینوں کی وہ پہلی سی کثرت نہیں ہے۔ اکثر تو تباہ ہو گئے ہیں جو کچھ باقی بچے ہیں انہوں نے اپنا پرانا طرز زندگی ترک کر دیا ہے۔

اسکیمو

ایک تصویر میں تمہیں اور بھیجتا ہوں اسے غور سے دیکھو۔ یہ کینیڈا کے سب سے زیادہ شمال میں رہنے والوں کی تصویر ہے۔ جنہیں اسکیمو کہتے ہیں۔ تصویر کے بالائی حصہ میں ایک شخص بلا پہیوں کی گاڑی پر چلا جا رہا ہے جسے کتے کھینچ رہے ہیں۔ وہ بالوں والی کھال کا لباس پہنے ہوئے ہے اور اس نے دستانے بھی پہنے ہیں۔ اس نے اپنے کانوں اور سر کو اسی کی ٹوپی سے چھپا رکھا ہے۔ شمالی کینیڈا میں اس قدر سخت سردی پڑتی ہے کہ اگر اس طرح ہاتھ کانوں کی حفاظت نہ کی جائے تو برف سے گل جائیں۔ موسم سرما میں تمام ملک اور سمندر پر کئی کئی فٹ برف جم جاتی ہے۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے لئے اسکیمو کو برف ہی پر چلنا پڑتا ہے۔ یہ لوگ بلا پہیوں کی گاڑی پر جاتے ہیں۔ اکثر یہ گاڑیاں اُلٹ جاتی ہیں اور آدمی اور کتے برف کے گہرے گہرے خندقوں میں جا گرتے ہیں۔ اکثر زبردست طوفان آجاتے ہیں اور دونوں تباہ و برباد ہو جاتے ہیں اور اکثر کھانے پینے کا سامان ختم ہو جاتا ہے اور وہ بھوکوں مر جاتے ہیں۔

تصویر کے وسط میں ایک خیمہ ہے۔ گرمیوں کے بہت تھوڑے زمانہ میں اسکیمو انہیں خیموں میں رہتے ہیں لیکن سردی کے طویل زمانہ میں وہ جھونپڑیوں میں رہتے ہیں

---

[1] ابتداء دنیا کو امریکہ کا علم نہ تھا۔ کولمبس نامی ایک سیاح نے پندرہویں صدی کے آخر میں ہندوستان کا بحری راستہ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ لیکن بجائے ہندوستان کے وہ امریکہ پہنچا۔ چونکہ اُس نے اس ملک کو ہندوستان سمجھا اور وہاں کے لوگوں کا رنگ سرخ پایا اس لئے اُن کا نام ریڈ انڈینس رکھا۔ چونکہ یہ نام اب تک رائج ہے ہم نے بھی ترجمہ میں اسے بدلنا مناسب نہ سمجھا۔

(مترجم)

ان کی دیواریں پتھر کی اور چھت اُس لکڑی کی بنی ہوتی ہے جو اکثر سمندر کے کناروں پر اُگتی ہے۔ ظاہر ہے کہ اس قدر سرد ملک میں درخت کیسے اُگ سکتے ہیں۔ بعض اسکیمو اپنے مکان برف کی چٹانوں کے بناتے ہیں۔ شاید اس کے خیال ہی سے تم کپکپانے لگو۔ لیکن نہیں واقعہ یہ ہے کہ برف کا مکان بڑا آرام دہ ہوتا ہے۔ برف اسی طرح مکان کی گرمی کو قائم رکھتی ہے جس طرح ایک کمبل بدن کی گرمی کو قائم رکھتا ہے۔ یہی برف کی چادر موسم سرما میں پودوں کی جڑوں کو گلنے سے بچا لیتی ہے۔

جب گرمیاں آتی ہیں تو برف پگھل کر سمندر میں چلی جاتی ہے۔ اُس وقت اسکیمو اپنے سرمائی مکانوں سے نکل کر سمندر کے کنارے آ جاتے ہیں۔ ان سرد ملکوں میں سمندر کے کنارے سفید ریچھ، لومڑیاں، سیل مچھلیاں وغیرہ بکثرت پائی جاتی ہیں۔ گرمیوں میں مرغابیاں، قازیں اور قسم قسم کے پرندے بھی آ جاتے ہیں۔

ان کے یہاں جب لڑکا دس برس کا ہو جاتا ہے تو باپ اسے تیر کمان اور ایک چھوٹی سی کشتی دیتا ہے۔ اس وقت سے وہ لڑکا اپنے آپ کو پورا آدمی سمجھنے لگتا ہے۔ تصویر کے نیچے کے حصہ میں ایک شخص چھوٹی سی کشتی میں بیٹھا سیل اور چھوٹی وہیل مچھلیوں کا شکار کھیلنے جا رہا ہے۔

اچھا بچو میں یہ خط ختم کرتا ہوں۔ بس اب گھر روانہ ہونے سے پہلے ایک خط اور لکھوں گا۔ تمہارے دیکھنے کے لئے اب میں بہت زیادہ بے چین ہوں۔

—— [illegible] (ابا) [illegible] ——

آخری خط

پیارے بچو!

اب یہ میرا آخری خط تمہارے نام ہے۔ اگلے ہفتہ تو میں وطن کو روانہ ہو جاؤں گا۔ بمبئی پہنچنے کے ٹھیک وقت سے تمہیں بذریعہ تار مطلع کروں گا۔ مجھے امید ہے کہ تم سب اسٹیشن پر مجھے لینے آؤ گے۔

اچھا اب دنیا کے کرہ میں شمالی امریکہ تلاش کرو۔ اس کے اوپر کے نصف حصہ کو کنیڈا کہتے ہیں اور نیچے کے حصہ کو ریاستہائے متحدہ۔ آج کل میں یہاں کے سب سے بڑے شہر نیو یارک میں ہوں۔ یہاں کے لوگ انگریزی بولتے ہیں۔ زیادہ تر ان کے بزرگ ہمارے ملک سے آئے تھے لیکن انکا جھنڈا اب یونین جیک نہیں ہے بلکہ ستاروں اور دھاریوں کا بنا ہے۔

آج صبح ناشتہ کے وقت ایک سیاہ فام شخص میرا کام کاج کرنے آیا۔ اس کا رنگ بالکل کالا تھا۔ اُس کے ہونٹ موٹے موٹے تھے اور اُس کے بال چھوٹے چھوٹے اور گھونگروالے تھے۔ تمہیں شاید تعجب ہوگا کہ امریکہ میں بھی کالے آدمی ہوتے ہیں۔ سنو نیو یارک میں ہزاروں کالے آدمی ہیں اور ریاستہائے متحدہ کے نصف جنوبی حصہ میں تو کالے آدمی گوروں سے زیادہ ہیں۔ زیادہ تر یہ کالے آدمی ان ملکوں میں رہتے ہیں جہاں روئی اور شکر پیدا ہوتی ہے۔ سورج کی تپش کی وجہ سے گورے آدمی روئی اور گنے کے کھیتوں میں کام نہیں کر سکتے ہیں۔ کالے آدمی جو یہاں رہتے ہیں امریکہ ہی میں پیدا ہوئے ہیں اور انہیں کسی دوسرے ملک کا علم تک نہیں ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ امریکہ ان کا وطن نہیں ہے۔ وہ افریقہ کے ہیں۔ جب گورے آدمیوں نے امریکہ میں روئی اور شکر کی کاشت شروع کی تو کھیتوں میں کام کرنے کے لئے انہیں کالے آدمیوں کی ضرورت پڑی چنانچہ کچھ لوگ جہاز میں بیٹھ کر افریقہ پہنچے اور وہاں کے گانوؤں میں جا کر لوگوں کو پکڑ لائے۔ اکثر جہازی سفر میں ان کو سخت تکلیف ہوتی تھی۔ بعض جو کمزور ہوتے تھے وہ راستے ہی میں مر جاتے تھے۔ انہیں یہ لوگ سمندر میں پھینک دیتے تھے۔ امریکہ پہنچکر انہیں روئی اور شکر کے کاشتکاروں کے ہاتھ فروخت کر دیا جاتا تھا۔ بعض مالک تو انہیں اچھی طرح رکھتے تھے لیکن بعض ہنٹروں سے مارتے تھے۔ بہرحال خواہ ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کیا جاتا یا ظالمانہ لیکن وہ ہماری طرح سے آزاد انسان نہ تھے بلکہ غلام تھے۔

یہ سلسلہ مدتوں تک جاری رہا۔ بالآخر شمالی ریاستوں کے کچھ رحمدل لوگوں نے کہا کہ "غلام بنانا نہایت برا کام ہے۔ لہذا امریکہ کے تمام غلاموں کو آزاد کر دینا چاہئے" جنوبی ریاستوں کے باشندوں نے جب سنا تو وہ سخت ناراض ہوئے۔ کہنے لگے "ہم تو غلاموں کو آزاد نہ کریں گے" بس پھر کیا تھا آپس میں ایک زبردست جنگ شروع ہو گئی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ شمالیوں نے جنوبیوں کو شکست دی اور جنگ ختم ہوتے ہی تمام غلام آزاد کر دئے گئے۔

یہ کالے آدمی اب بھی روئی، شکر اور تمباکو کے کھیتوں میں کام کرتے ہیں لیکن اب مزدوری پر کرتے ہیں اور کام کرنے یا نہ کرنے میں وہ بالکل آزاد ہیں۔ ان حبشیوں کے بچے بڑے دلچسپ اور خوش مزاج ہوتے ہیں۔ جب ان کا کام ختم ہو جاتا ہے تو یہ خوب گاتے ہیں اور "بنجو" بجا بجا کر ناچتے ہیں۔ ان کے بعض گیت تو بڑے اچھے ہوتے ہیں۔ جب میں گھر آؤں گا تو ان کے کچھ گیت تمہیں گا کر سناؤں گا۔ اچھا رخصت۔ اب عنقریب میں تمہارے پاس ہی پہنچتا ہوں۔

واپسی

ناشتہ کے بعد والد کا تار آیا "اوہو! وہ آج ہی آ رہے ہیں۔" ہم سب خوشی سے

ما... ہوئے ناچ رہے تھے اور حبشیوں کے بچوں کی طرح ناچتے تھے، گاتے تھے اور تالیاں بجاتے تھے۔ اماں کام میں لگی ہوئی تھیں۔ ہم سے کہنے لگیں "بچو! آؤ میری مدد کرو اُن کے آنے سے پہلے گھر کو خوب سجانا چاہئے"۔ ہم لوگ ان کے ساتھ کام کرتے رہے لیکن دن پہاڑ سا ہو گیا تھا اور کسی طرح کاٹے نہیں کٹتا تھا۔ والد کی گاڑی شام کو چھ بجے آنے والی تھی۔ ہم سب ساڑھے پانچ ہی بجے اسٹیشن پر پہونچ گئے۔

"وہ دیکھو۔ گاڑی سنسناتی ہوئی چلی آرہی ہے" شام نے کہا اور اتنے میں گاڑی پلیٹ فارم پر آ گئی۔ والد فوراً گاڑی سے کود پڑے۔ ہمیں دوڑ میں اٹھا کر کلیجے سے لگالیا اور خوب پیار کیا۔ ہم لوگ ان کے ساتھ ہی گھوڑا گاڑی میں بیٹھ کر آئے۔ انہوں نے بتلایا کہ "میرا جہاز آج ہی لورپول پہنچا اور چونکہ میں تمہیں دیکھنے کے لئے سخت بے چین تھا اس لئے سب سے پہلی ٹرین پر سوار ہو گیا"۔

چائے وغیرہ پینے کے بعد انہوں نے اپنا صندوق کھولا اور کہا "میں تم سب کے لئے ایک ایک تحفہ لایا ہوں۔ اچھا بیٹھ جاؤ۔ دیکھو میں تمہیں کیسی اچھی اچھی چیزیں دکھاؤں گا"۔ اماں کو انہوں نے ایک ہندوستانی پوشاک دی۔ اس پر سنہرا کام کیا ہوا تھا اور نگینوں کے بڑے بنے ہوئے تھے۔ یہ ایسے چمکیلے تھے جیسے جواہرات جڑے ہوں۔ میرے واسطے نیلے پتھروں کا ایک گلوبند لائے تھے اور بے بی کے لئے ایک گڑیا لائے تھے جو ہندوستانی عورتوں کے سے کپڑے پہنے تھی۔ شام کے لئے ایک جاپانی پتنگ تھا جس کی شکل بالکل اژدہے کی طرح تھی۔ ہم سب اپنی اپنی چیزیں لیکر خوشی کے مارے اچھلنے لگے۔

والد نے اپنے سفر کے اور بہت سے قصے ہمیں سنائے۔ انہوں نے کہا کہ "میں دنیا کے چاروں طرف ہو آیا۔ میں مشرق کی طرف روانہ ہوا اور چلتا چلا گیا حتی کہ جہاں سے چلا تھا وہیں پھر پہنچ گیا"۔ شام بولا "میں دنیا کے کرہ پر آپ کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا"۔ بے بی والد کے پاؤں کے پاس بیٹھی تھی۔ بھولے پن سے کہنے لگی "پاپا! میرا خیال ہے کہ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے دنیا کے چاروں طرف اس طرح چکر لگایا"۔ شام بولا "اور کیا!" پاپا ہنسنے لگے اور آہستہ سے کہا "نہیں میرے پیارے بچو! میری پیدائش سے بھی پہلے ہزاروں آدمی دنیا کے چاروں طرف چکر لگا چکے ہیں"۔ بے بی بولی "تو کیا! میں تو اپنے اسکول میں لڑکیوں سے یہ کہنا چاہتی تھی کہ میرے پاپا ہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے دنیا کے چاروں طرف چکر لگایا"۔ پاپا نے اُسے گود میں لے لیا اور پیار کرنے لگے۔

(بقیہ صفحہ ۲)

بڑی رغبت و خوشی سے کیا ہے۔ لیکن جب اس کے تلخ نتائج ظلم و ستم، فریب، خیانت، بدعہدی اور دوسرے اخلاقی جرائم کی صورتوں میں نمودار ہوئے تو تمام دنیا چیخ اُٹھی اور اپنے کرتوت پر پشیمان ہو کر امن و امان کی فکر کرنے لگی۔ اس کیفیت کو اگر دیکھنا چاہو تو آج مغربی اقوام کی عیش پرستی تمہاری عبرت کے لئے کافی ہے۔

لیکن اسلام واقعی طور پر اس قسم کی افراط و تفریط سے پاک ہے۔ اس کے ہر اصول میں اعتدال کی خوبی کامل طور پر نمایاں ہے۔ اس نے دین و دنیا دونوں کے رشتے نہایت ہی دانائی اور حکمت سے ملا دئے ہیں۔ ایک مسلمان اپنے خدا سے ہر نماز کے بعد جو دعا مانگتا ہے اس کے الفاظ یہ ہیں:۔

ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الآخرۃ حسنۃ و قنا عذاب النار	اے پروردگار ہم کو دین و دنیا دونوں کی بھلائی عطا کر اور دوزخ کے عذاب سے محفوظ رکھ۔

اسلام کی وہ مفصل خوبیاں جو اس کو تمام دوسرے مذاہب سے نمایاں طور پر ممتاز کرتی ہیں انشاء اللہ اگلے سبقوں میں بیان ہونگی۔ خدا ہم کو اُن سب پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

ارکان دار المصنفین کی تعداد دو سو تک پہونچ رہی ہے

ارکان دار المصنفین کی تعداد بحمد اللہ ایک مہینہ میں بہت کچھ بڑھی۔ حیدرآباد سے ہماری توقع بہت کچھ پوری ہوئی، اور اس اثنا میں وہاں ۵۴ نئے ممبروں کا اضافہ ہوا، کچھ بنگال سے بھی آئے۔ کچھ بہار سے بھی بڑھے، کچھ یو۔پی کو بھی شرم آئی مگر پنجاب ہنوز اپنی زندہ دلی کے ثبوت میں پس و پیش کر رہا ہے۔ حیدرآباد میں تحریک کی کامیابی نواب صدر یار جنگ شروانی اور پروفیسر عبد الباری ندوی کی کوششوں کی رہین ہے۔ اب مارچ کی ۱۳ تاریخ تک صوبہ وار فہرست حسب ذیل ہے جس میں حیدرآباد نے اپنی جگہ حاصل کرلی ہے مگر صوبہ بہار نے اپنی اولیت اب بھی قائم رکھی ہے۔ بھوپال کا نام سب سے آخر میں ہونا کون پسند کر سکتا ہے۔ احباب بھوپال کیا اس کی طرف توجہ فرمائیں گے۔

بہار ۶۰، حیدرآباد ۵۴، یو۔پی ۲۲، پنجاب ۱۱، بمبئی ۹، بنگال ۸، مدراس ۵، دہلی ۵، صوبہ متوسط ۵، برما ۴، سنگاپور ۳، بھوپال ۲

ناظم دار المصنفین
اعظم گڈھ

کوائفِ جامعہ

اس دفعہ جامعہ والوں کی عید بہت دلچسپی کیساتھ گذری۔ طلبہ میں سے معدودے چند عید کی چھٹیوں میں باہر گئے تھے۔ اس موقع پر اساتذہ نے طلبہ کی خوب ضیافتیں کیں اور انھیں کسی طرح یہ محسوس نہ ہونے دیا کہ وہ گھر سے الگ ہیں۔

شام کے وقت ڈاکٹر مختار احمد صاحب انصاری معتمد جامعہ نے طلبہ، اساتذہ اور شہر کے بعض معززین کو جنھیں جامعہ سے دلچسپی ہے، نہایت ہی پُر تکلف دعوت دی شرکا میں مولانا محمد علی، ڈاکٹر ناصر عباس صاحب پرنسپل طبیہ کالج، اور طبیہ کالج کے ممبران اسٹاف خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ شیخ الجامعہ صاحب بھی باوجود باؤں کی تکلیف کے تشریف لائے۔ دعوت کے اختتام پر طلبہ کی طرف سے عبدالحمید صاحب زبیری نائب صدر انجمن اتحاد نے ڈاکٹر صاحب کا مناسب الفاظ میں شکریہ ادا کیا۔ ڈاکٹر صاحب نے بھی میزبان کی حیثیت سے سب لوگوں کا شکریہ ادا کیا اور آئندہ عید الضحیٰ کے موقع پر ڈنر دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا تقریروں کے بعد جامعہ کے استاد مولانا سید شرف الدین صاحب مؤمن نے اپنے کلام سے حاضرین کو محظوظ کیا اور تقریباً دس بجے یہ دلچسپ صحبت ختم ہوئی۔

عید کے دوسرے روز دلی کی رسم کے بموجب جامعہ والے بھی "ٹر" منانے کی خاطر اوکھلے گئے جو دریائے جمنا کے کنارے پر ایک نہایت ہی پُر فضا مقام ہے اس میں طلبہ کی کثیر تعداد اور بعض اساتذہ بھی شریک تھے۔ یہ دن نہایت دلچسپی سے گذرا، کھیل کود، نہانا دھونا، کھانا پینا، شعر و شاعری غرض کوئی معقول اور ممکن تفریح نہ تھی جس سے بجا طور پر پورا فائدہ نہ اُٹھایا گیا ہو۔

---

۳ ماہ حال کو جامعہ میں تعطیل رہی کیونکہ یہ قومی ہفتہ کا آخری دن تھا۔ یہ دن جامعہ میں اپنی مخصوص نوعیت کے اعتبار سے پہلا دن تھا۔ جامعہ والوں نے اس دن کو اس دفعہ بالکل نئے طریقہ پر منایا یعنی ہر چھوٹے سے چھوٹا کام خود اپنے ہاتھ سے کیا، اور تمام نوکروں کو چھٹی دے دی گئی۔ کیا بھلا معلوم ہوتا تھا جب طلبہ اور اساتذہ پانی بھرتے، کھانا پکاتے، لکڑیاں ڈھوتے، جھاڑو دیتے غرض ہر کام نہایت مستعدی سے کرتے نظر آتے تھے۔ دوپہر کا کھانا سب ملازمین، اساتذہ اور طلبہ نے مل کر کھایا۔ تیسرے پہر کو ایک گھنٹے تک چرخہ کاتا گیا اور اس کے بعد پروفیسر محمد مجیب صاحب کی صدارت میں جلسہ ہوا جس میں اُس دن کی اہمیت، چرخہ کی ترویج اور ہندو مسلم اتحاد پر جناب صدر، شیخ الجامعہ، پروفیسر ای۔ جی کیلاٹ مولانا اسعد انصاری، اور شریمت رام چندر دلی جی نے تقریریں کیں۔ ان تقریروں کے اثر کو اس دن کی زندگی نے دوبالا کر دیا تھا۔

جامعہ کے امتحانات عنقریب شروع ہونیوالے ہیں۔ اسکول اور کالج کے طلبا اپنے اپنے کورس کے پورا کرنے میں نہایت محنت اور جانفشانی سے کام لے رہے ہیں۔ جامعہ سینیر اور جامعہ جونیر کے امتحانات یکم مئی سے شروع ہوں گے اور دس مئی تک جاری رہیں گے۔ اسکول کی باقی جماعتوں کے امتحانات ۸ مئی سے شروع ہوں گے۔ بی۔ اے کے امتحانات بھی یکم مئی سے شروع ہونے والے تھے لیکن اب بعض وجوہ سے ملتوی ہو کر غالباً ۲۰ مئی سے شروع ہوں گے۔

جامعہ کی تعطیل کلاں ۱۵ مئی سے شروع ہوگی اور آخر جولائی تک رہے گی۔ گویا اب کی بار جامعہ بجائے ملیریا کے موسم کے گرمیوں کے زمانہ میں بند رہے گی جو اُس سے زیادہ ناقابل برداشت ہوتا ہے۔

بہار میں یہ خبر نہایت مسرت و خوشی سے پڑھی جائے گی کہ امیر جامعہ جناب حکیم اجمل خاں صاحب عنقریب اپنے بہار کے دورے کے لئے تشریف لیجانیوالے ہیں۔ امید ہے کہ مسلمانان بہار اپنی روایتی شہرت کی بنا پر حکیم صاحب موصوف کا نہایت گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کریں گے اور اُن کے دامنِ امید کو خوب بھر دیں گے۔

یہ خبر نہایت رنج و افسوس کے ساتھ سنی جائے گی کہ جناب مسیح الملک کے صاحبزادے حکیم جمیل احمد خانصاحب کی بیوی کا انتقال ہوگیا۔ اکثر طلبہ اور اساتذہ جامعہ نے تعزیت میں شرکت کی۔

بچوں کا صفحہ

پھولوں میں خوشبو کہاں سے آتی ہے؟

پھولوں کی خوشبو اُن خاص قسم کی خوشبودار روغنوں سے تعلق رکھتی ہے جو پودے خود اپنے لئے پیدا کرتے ہیں۔ ان خوشبودار تیلوں میں سے بعض ایک دوسرے سے بہت مشابہ ہوتے ہیں۔ تقریباً تمام پودے جن میں اس قسم کا تیل پیدا ہوتا ہے عام طور پر ایک ہی اصول کے ماتحت نشو و نما پاتے ہیں اور اُن میں جس قسم کا تیل پیدا ہوتا ہے اس کو عام طور پر ٹارپین کا تیل کہتے ہیں جو ایک خاص قسم کے پودے سے حاصل کیا جاتا ہے۔ یہ تیل صرف دو اجزا کاربن اور ہائیڈروجن سے مرکب ہوتا ہے۔ اس قسم کے مرکب تیلوں کو اکثر کافور الصفات (اڑجانیوالا) تیل کہتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فوراً ہوا میں مل جاتے ہیں اور اُسی میں اڑتے پھرتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھولوں کے سونگھنے سے کبھی ہمیں خوشبو نہ آئے۔ ان کافور الصفات تیلوں میں ایک کارآمد چیز ہوتی ہے جس سے نباتاتی دنیا میں مستفید ہونے کا موقع دیتی ہے۔ ان تمام تیلوں میں کاربن اور ہائیڈروجن پائی جاتی ہے اور اگر آکسیجن بھی کافی ہو تو یہ تیل جلائے بھی جاسکتے ہیں لیکن ان کو اس کام میں لانے کے لئے بہت زیادہ خرچ کی ضرورت ہے۔ وہ پودے جنھیں تیز اور میٹھی خوشبو ہوتی ہے انہیں تیل کی مقدار بہت کم ہوتی ہے۔ ان تیلوں کا صحیح مصرف اولاً تو یہ ہے کہ اُن سے خوشبو پیدا کی جائے دوسرے اس کے استعمال سے اُن تمام زہریلے کیڑوں کو اپنے سے دور رکھا جائے یا مار ڈالا جائے جو ہماری بیماری کا باعث ہوتے ہیں

پھولوں میں خوشبو کیوں ہوتی ہے؟

ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ پودے یہ کافور الصفات تیل حقیقتاً ہمارے لئے نہیں بناتے بلکہ اُس کو اپنی نشو و نما کے لئے تیار کرتے ہیں اور یہ معلوم کرنا کہ پودے کیوں تیل پیدا کرتے ہیں زیادہ دلچسپ ہے بہ نسبت اس کے کہ ہم یہ معلوم کریں کہ انکا تیل کیوں نکالتے ہیں۔

ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خوشبو پودے کی جڑوں تنوں اور پتوں میں نہیں ہوتی بلکہ صرف پھول میں ہوتی ہے اسکی وجہ آسانی سے سمجھ میں آسکتی ہے اگر ہم یاد رکھیں کہ پھول کی پیدائش کا کیا سبب ہے۔ پودے پھول اس لئے پیدا کرتے ہیں کہ انہیں بیج پیدا ہوں اور جب بیج پک کر زمین پر گر جائیں تو اُن سے اور نئے پودے پیدا ہوں۔

عام طور پر کیڑے بیج کو زمین میں پودے کی شکل میں ظاہر ہونے کے لئے بہت مدد دیتے ہیں کیونکہ وہ ایک سے ایک قسم کے پھولوں کے پاس آتے ہیں اس طرح پر ایک ہی قسم کے دو پھولوں کے تاثرات میں امتزاج ہوجاتا ہے اور وہی بیج کو زمین میں قائم کرنے کا باعث ہوتا ہے۔ اب یہ ضروری ہے کہ کیڑے کس طرح سے پھولوں کی طرف مائل ہوں اس لئے اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے پودے میں اولاً تو خوبصورت اور نمایاں پھول پیدا ہوتے ہیں تاکہ کیڑے اُن کی طرف جلد مائل ہوجائیں۔ دوسرے اُن میں ایک خاص قسم کی خوشبو ہوتی ہے جسے کیڑے جنکی قوت شامہ بہت تیز ہوتی ہے فوراً اُس پھول پر آجاتے ہیں۔ یہاں تک تو پھول اور پھول کی خوشبو کا فائدہ بیان کیا گیا اب اُس تیل کے وجود کا سبب بھی معلوم کرنا چاہئے۔ وہ تیل پھولوں میں اس لئے پیدا کیا گیا ہے کہ وہ زہریلے کیڑے جو پھول کی زندگی کو فنا کر دیتے ہیں اگر کسی وقت پھول پر آکر بیٹھیں تو یہ تیل پھول کو اُن کے زہریلے اثر سے محفوظ رکھنے کے لئے ان کو فوراً ہلاک کردے۔

سب پھولوں کی مہک خوشگوار کیوں نہیں ہوتی؟

بہت سے پودے ایسے ہیں کہ اُن کے بیج ایک پھول سے دوسرے پھول تک بجائے کیڑوں کے ہوا کے ذریعہ منتقل ہوتے ہیں۔ ایسے پودوں کے پھولوں میں نہ تو زیادہ دلکش رنگ ہوتا ہے اور نہ زیادہ خوشگوار بو۔ کیونکہ انہیں کیڑوں کو اپنی طرف راغب کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہوتی۔ بعض قسم کے پھول بہت چھوٹے اور غیر نمایاں جگہ پر اُگنے والے ہوتے ہیں جیسے گل بنفشہ لیکن خدا نے انہیں ایک خاص قسم کی اس قدر دلکش خوشبو رکھی ہے کہ کیڑے اُس کو [illegible] ہو جاتے ہیں اس طرح قدرت کا ہاتھ ہر جگہ جس طرح چاہتا ہے [illegible] اور غور و فکر کرنیوالوں کو خدا کی حقانیت کا درس دیتا ہے

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

پیام تعلیم ہندوستان کے ہر حلقہ اور گوشہ میں جاتا ہے [illegible] اشتہار دینا یقیناً نفع کا باعث ہوگا۔ شرح [illegible] بھی بہت کم رکھی گئی ہے۔

۱۸۱۲۸

اعلان

جامعہ ملیہ اسلامیہ نے جہاں مسلمانان ہند کے احیا و بقا کے لئے بہت سے کام اپنے ذمہ لئے ہیں وہاں ایک اہم کام اس نے اردو لٹریچر میں اعلیٰ مواد بہم پہونچانے کا بھی لیا ہے۔ چنانچہ ابتدا ہی سے اس نے اپنے ہاں تصنیف و تالیف کا ایک شعبہ قائم کیا تھا جو اب اردو اکادمی کے نام سے موسوم ہے۔ ذیل میں ہم اُن تصنیفات و تالیفات کی ایک فہرست درج کر رہے ہیں جو اردو اکادمی کی طرف سے ماہ بماہ شائع ہوتی رہیں گی۔ قدردانان علم سے ہمیں قوی امید ہے کہ وہ ان مطبوعات کی قدرافزائی فرمائیں گے اور ان کی خریداری کے لئے اپنے اسماء گرامی درج کرا دیں گے۔ اردو زبان کا کوئی کتب خانہ ان کتابوں کے بغیر مکمل نہیں کہا جاسکتا۔

نیازمند

منظور احمد بی اے (جامعہ) مہتمم مکتبہ

۱۔ بُرہان تفسیر سورۂ نور مصنفہ خواجہ عبدالحی صاحب استاد تفسیر و تعلیم دینیات جامعہ ملیہ۔

اپریل ۲۵ء میں شائع ہو جائے گی قیمت عہ

۲۔ مسئلہ چین انگلستان کے مشہور فلسفی اور سیاست داں برٹرنیڈ رسل کی معرکۃ الآرا تصنیف The Problem of China کا ترجمہ از اسرائیل احمد خاں صاحب سابق جامعہ ملیہ اسلامیہ قیمت عـ؎

یہ کتاب مئی ۲۵ء میں شائع ہو جائے گی۔

۳۔ آزادی جان اسٹوورٹ مل کی شہرۂ آفاق تصنیف On Liberty کا ترجمہ از سعید انصاری صاحب بی اے (جامعہ) رفیق اردو اکادمی مدیر پیام تعلیم۔

جون ۲۵ء میں شائع ہو جائے گی۔ قیمت عـ؎

۴۔ عربوں کا تمدن فاضل جرمن مستشرق جوزف ہل کی کتاب Die Kultur der Araber کا ترجمہ از سید نذیر نیازی صاحب بی اے (جامعہ) قیمت عـ؎

جولائی ۲۵ء میں شائع ہو جائے گی۔

۵۔ عقد اجتماعی فرانس کے مشہور فلسفی ژاں ژاک روسو کی معروف ترین تصنیف Social Contract کا اردو ترجمہ از مولوی محمد مسلم صاحب ایم اے سابق رکن شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ مع مقدمہ پروفیسر محمد مجیب صاحب بی اے (آکسن) استاد تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔

کتاب انشاء اللہ اگست ۲۵ء تک چھپکر تیار ہو جائے گی۔

۶۔ معاشیات قومی فریڈرک لسٹ کی کتاب Das Nationale System der politischen Ökonomie کا براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ از ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب ایم اے پی ایچ ڈی (برلن) استاد معاشیات و شیخ الجامعہ، جامعہ دہلی۔ قیمت صہ۔ ستمبر ۲۵ء میں تیار ہو جائے گی۔

۷۔ بانی اسلام جرمن مستشرق ولہاؤزن کے مضمون کا ترجمہ جو Mohammedanism کے عنوان سے انسائکلوپیڈیا برٹانیکا کی نویں جلد میں ہے اور جو مع حواشی و مقدمہ کے کتابی صورت میں اکتوبر ۲۵ء تک شائع ہو جائے گا۔ از مولوی عبدالعلیم صاحب احراری بی اے (جامعہ) رفیق اردو اکادمی۔ قیمت عـہ

۸۔ آزادی کی راہیں برٹرنیڈ رسل کی دوسری تصنیف Roads to Freedom کا اردو ترجمہ از جناب عبدالحی صاحب بی اے (جامعہ) نومبر ۲۵ء تک چھپکر شائع ہو جائے گی۔ قیمت عہ۔

۹۔ نفسیات شباب جرمنی کے مشہور عالم نفسیات و فلسفہ تعلیم و تمدن کے ماہر پروفیسر ایڈورڈ اشپرانگر کی تازہ تصنیف Psychologie des Jugendalters کا براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ از ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب

مفصل فہرست مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی سے طلب فرمائیے

ملنے کا پتہ :۔ مہتمم مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ۔ دہلی

تاریخ فلسفۂ اسلام

ہالینڈ کے مشہور فلسفی اور مستشرق ٹ۔ ج۔ دوبوئر کی تصنیف Geschichte der Philosophie im Islam کا براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ۔ اس کتاب کی نسبت اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ تاریخ فلسفہ اسلام پر یہ سب سے پہلی جامع تصنیف ہے جو ایک مشہور و معروف مغربی فلسفی اور مستشرق کی قابل ستائش تحقیق و تفتیش کا نتیجہ ہے۔

کتاب کا ترجمہ جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم۔ اے، پی۔ ایچ۔ ڈی (برلن) استاذ فلسفہ و تعلیمات و ناظم اردو اکادمی جامعہ ملیہ نے کیا ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی علمی کتاب کو صرف وہی شخص عمدگی و خوبی کے ساتھ ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کر سکتا ہے جو اس علم سے واقف ہو اور اس کا صحیح مذاق رکھتا ہو۔ اس لئے اس ترجمہ کی صحت و خوبی کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ مترجم خود نہایت دقیق النظر اور نکتہ رس فلسفی ہونے کے علاوہ فلاسفۂ ہند میں ایک نمایاں شخصیت رکھتا ہے۔

غرضیکہ یہ کتاب ہر اعتبار سے اس قابل ہے کہ اہل علم اور خصوصاً وہ اصحاب جو فلسفہ سے ذوق رکھتے ہیں اس کا مطالعہ کریں اور قابل مصنف اور لائق مترجم کی محنت و جانفشانی کی داد دیں۔

کتاب کی کتابت، طباعت اور کاغذ نہایت عمدہ اور پاکیزہ ہے۔

قیمت صرف دو روپیہ

مہتمم مکتبہ جامعہ قرولباغ۔ دہلی

بحکم جناب شیخ الجامعہ صاحب زیر اہتمام سید عابد حسین صاحب پرنٹر و پبلشر مطبع جامعہ ملیہ میں چھپکر دفتر "پیام تعلیم" سے شائع ہوا۔

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا

پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

پیامِ تعلیم

قیمت سالانہ عہ
ششماہی ۱۴ر
فی پرچہ ار

خریداران رسالہ جامعہ سے
صرف ایک روپیہ
نمونہ مفت

ایڈیٹر: سعید انصاری بی۔ اے (جامعہ)

جلد ۳ | مئی سنہ ۱۹۲۷ء | نمبر ۲

شذرات

معاصر "پائنیر" نے اپنے کسی دہلوی نامہ نگار کے حوالہ سے یہ خبر نہایت جلی حروف میں شائع کی ہے کہ جامعہ ملیہ نے دہلی میونسپلٹی کے ذریعہ جو سرکاری امداد مانگی تھی اُسے گورنمنٹ نے نامنظور کر دیا۔ اخبار مذکور نے وہ خط بھی شائع کیا ہے جو چیف کمشنر نے دہلی میونسپلٹی کو بھیجا تھا اور جس میں انہوں نے لکھا ہے کہ چونکہ نیشنل یونیورسٹی کو گورنمنٹ کی پالیسی سے اختلاف ہے اور وہ گورنمنٹ کے اثر سے علیحدہ رہنا چاہتی ہے اس لئے اسے کوئی امداد نہیں دی جا سکتی۔ [illegible] ہمیں اندیشہ ہے کہ جامعہ ملیہ کے متعلق کہیں لوگوں میں غلط فہمی نہ پیدا ہو۔ جامعہ کی پالیسی اس معاملہ میں بہت صاف ہے۔ وہ ایک تعلیمی درسگاہ ہے، اسے نہ تو حکومت کی مخالفت سے غرض ہے نہ موافقت سے مطلب۔ اسے سیاست سے جہاں تک عملی تعلق کا سوال ہے، کوئی واسطہ نہیں۔ لیکن جہاں تک حب وطن اور حب قوم کا سوال ہے وہ اس سے عاری نہیں۔ دہلی میونسپلٹی سے امداد طلب کرنے کا سوال آج کوئی نیا نہیں ہے۔ گزشتہ قومی تحریک کے زمانہ میں میونسپلٹی اور لوکل گورنمنٹ میں ہمیشہ فرق ملحوظ رکھا گیا تھا۔ میونسپلٹیوں کا کبھی بائیکاٹ نہیں کیا گیا، ان سے اکثر قومی تعلیمگاہوں نے مالی امداد لی اور اپنے کو اس میں بالکل حق بجانب سمجھا۔

اسی اصول کی بنا پر جامعہ نے بھی اگر دہلی میونسپلٹی سے امداد طلب کی تو اس نے اپنے اصول سے کوئی انحراف نہیں کیا۔ وہ مدارس تحتانیہ اور پرائمری اسکولوں کے ذریعہ شہر کی عام تعلیم میں میونسپلٹی کو ایک حد تک مدد دے رہی ہے کیونکہ اس کے کتب خانہ سے نہ صرف اس کے اپنے طلبہ و اساتذہ فائدہ اٹھاتے ہیں بلکہ شہر کے لوگ بھی باقاعدہ ممبر ہو کر اس سے مستفیض ہوتے ہیں۔ ایسی صورت میں جامعہ نے اگر میونسپلٹی سے ان مختلف شعبوں کیلئے امداد طلب کی تو اس میں وہ بالکل حق بجانب تھی اور میونسپلٹی نے بھی اگر اس کے کالج کے شعبہ کے لئے دو سو روپیہ ماہوار منظور کیا تو اس نے بھی بالکل صحیح اور درست کیا۔ اب یہ ایک الگ سوال ہے کہ لوکل گورنمنٹ نے اسے اس بنا پر نامنظور کر دیا کہ جامعہ اپنی ایک جداگانہ پالیسی رکھتی ہے اور وہ گورنمنٹ کے اثر میں آنا نہیں چاہتی، یہ بحث طلب امر ہے کہ میونسپلٹی اپنے اختیارات میں کہاں تک لوکل گورنمنٹ کی پابند ہے اور کہاں تک اس سے آزاد رہ کر اپنا وجود قائم رکھ سکتی ہے جو وہ آپس میں طے کرینگی۔ لیکن جہاں تک گورنمنٹ کے اس طرز عمل کا تعلق ہے ہم سمجھتے ہیں کہ یہ اس کی ایک نہایت غیر دوراندیشانہ اور غلط پالیسی ہے، وہ کسی کو اپنے حلقۂ اثر و اقتدار سے باہر دیکھنا نہیں چاہتی اور جو لوگ خاموشی کے ساتھ کوئی کام ملک و قوم کیلئے کر رہے ہیں انکی راہ میں روڑے ڈالنا چاہتی ہے۔ جامعہ اپنے کاموں میں اب بھی حکومت کی امداد و اعانت سے بے نیاز ہے اور وہ انشاءاللہ آئندہ بھی رہے گی۔ اس کے کاموں میں اگر کوئی خلوص و صداقت ہے تو اس کی امداد و اعانت ہزاروں طریقوں سے ہوگی۔

ہمارے طلبار کی ذہنیت

مشہور ہندوستانی بزرگ ہیرالڈ میں کسی ۔۔ اہل علم نے ہندوستانی طلبہ کے متعلق یہ مضمون لکھا ہے جسے ہم آج کل کے حالات کے بالکل مطابق پاتے ہیں۔ ہم ممنون ہیں جناب محمود حسین خاں صاحب کے کہ انہوں نے اس کا ترجمہ پیام تعلیم کے لئے عنایت فرمایا جسے ہم ناظرین کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ ایڈیٹر

آج کل کے حالات کے متعلق تبدیلی اور ترقی کے الفاظ کثرت سے استعمال کئے جاتے ہیں لیکن نہ تو ان کو کوئی سمجھتا ہے اور نہ بالکل استعمال کرتا ہے ۔ ہمارا خیال ہے کہ ماضی، حال کا پیدا کرنیوالا ہے اور حال بعض باتوں میں ماضی سے بہتر ہے اور یہ کہ ہر نسل اپنے آبا واجداد کے اصولوں کو بالائے طاق رکھکر زندہ رہتی ہے۔ اس طرح پر ہم تبدیلی کے لابدی ہونے کو تسلیم کرتے ہیں اور اپنے کو ماضی سے یہ لکھکر ممتاز کر لیتے ہیں کہ ہم ترقی کی راہ پر گامزن ہیں ۔ تبدیلی کو ترقی کا مترادف قرار دینا ہماری تنگی اور افسوسناک ذہنیت کا مظہر ہے ۔ اور جب ہم کسی چیز کے لئے تبدیلی کے لفظ کی جگہ ترقی کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو ہم اپنے حدود سے متجاوز ہو کر ایک اور غلطی کرتے ہیں ۔ تبدیلی ایک قدرتی امر ہے اور ترقی انسانی کوشش کا نتیجہ ۔ یہ انسانی مطمح نظر ہے ۔ مارون کے الفاظ میں ترقی کے معنی ہیں "گذشتہ کا خیال کر کے آگے قدم بڑھانا" ۔ وہ نیکی و بدی کی طرح صریح طور پر دو مختلف تخیلات ہیں ۔

تخیلات اور متخیلین

یہ صحیح ہے کہ غدر کے بعد سے ریاست اور سوسائٹی میں بعض تبدیلیاں ہوئی ہیں ۔ سیاسی خرابیوں نے واقعات کی صورت اختیار کر لی ہے اور ہماری سوسائٹی کو شور و شغب سے نجات مل چکی ہے ۔ لیکن جو تبدیلی ہمیں طالب علموں کی دنیا میں دکھائی دیتی ہے وہ اور کہیں نظر نہیں آتی ۔ پیشتر اس کے کہ میں یہ بتلاؤں کہ ہم میں کیا کیا تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں میں اس کی طرف اشارہ کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ میں مشرق و مغرب کے باہمی اختلاط کا کچھ ایسا قائل نہیں ۔ عرصہ دراز سے یہ دونوں تہذیبیں ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچنے کی کوشش کر رہی ہیں ۔ اگرچہ دونوں ایک دوسرے کو بہت کچھ دے سکتی ہیں لیکن مغربی مادیت مشرقی روحانیت کو اپنا تابع بنانے کی فکر کر رہی ہے ۔ مشرق میں ولولۂ عالی حوصلگی اور جدت طرازی مغرب سے زیادہ ہے اور مغرب عملی، خود غرض اور تباہ کن واقع ہوا ہے ۔ مشرق اپنی ترکیبی فطرت کی وجہ سے خدا کی پرستش کرتا ہے ۔ مغرب چونکہ تجزیہ کا قائل ہے اس لئے انسان اور مشین کا پرستار ہے ۔ ایک دل کی خاطر سر قربان کرتا ہے اور دوسرا نفع و نقصان پر دل و دماغ دونوں بھینٹ چڑھاتا ہے مشرق کی خاموش وادیوں میں انسان کو وہ حقیقی خوشی حاصل ہوتی ہے جو زندگی سے زندگی کو ملا کرتی ہے لیکن مغربی افادیت نے تمام سرسبز و شاداب حصوں پر قبضہ جما رکھا ہے ۔ اس کی وجہ سے صرف غم و غصہ ہی پیدا نہیں ہوتا بلکہ علیحدگی بھی جو اختیاری تنہائی سے بھی بدتر ہے ۔

حبّ وطن

دونوں تہذیبوں میں ہندی طالب علم کا کمزور دماغ جب کسی کو ترجیح دیتا ہے تو بدیسی تہذیب ہی کو دیتا ہے ۔ مغربی تہذیب کی ظاہری شان و شوکت نے ہمارے طلبہ کی آنکھوں کو چکا چوند کر رکھا ہے ۔ ہم ہندوستانی چیزوں سے نابرداشی برتتے ہیں ۔ ہمیں ہندوستانی خیالات سے نفرت ہوتی ہے ہم ہندوستانی طریقوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں ۔ ہمارے دماغ کو کبھی آرام نصیب نہیں ہوتا ۔ ہمارے خیال میں جو کچھ ہندی ہے روکھا پھیکا ہے، پرانا ہے ۔ اور جس چیز کا تعلق یورپ سے ہے وہ جدید ہے ۔ اس خیال کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ہم یورپ سے تو کچھ حاصل کر نہیں سکتے البتہ جو کچھ اپنا تھا اُسے ضرور کھو رہے ہیں طالب علم کی حیثیت سے ہمارا سب سے بڑا جرم ہماری وطنی محبت کا فقدان ہے حب وطن جب صحیح طور پر استعمال ہو تو اس کا مقابلہ کوئی دوسری قوت نہیں کر سکتی ۔

تعلیم کا غلط تخیّل

طلبہ میں دوسری خرابی یہ ہے کہ وہ تعلیم کے متعلق نہایت ہی غلط توہمات رکھتے ہیں تعلیم کے معنی ہیں اچھے ذرائع کو عملی مقاصد کے حصول کے لئے استعمال کرنا یا فلسفیانہ الفاظ میں تعلیم باری تعالیٰ کے وجود کل کا مظہر ہے جو خود انسان میں موجود ہے، پُرانے زمانہ میں جب یہاں تعلیم ارزاں اور اس لئے معزز تھی تو صرف چند ایسے اشخاص اسے حاصل کرتے تھے جن میں فطرت نے خاص طور پر اس کا ذوق ودیعت کیا تھا ۔ تعلیم کو روپیہ پیدا کرنے کا ذریعہ سمجھنا بہت ہی معیوب

خیال کیا جاتا تھا اور یہ بات بالکل عام تھی کہ تعلیم کو طلبہ خاص تعلیم ہی کی غرض سے حاصل کرتے تھے لیکن اب ہمارا تعلیمی مطمحِ نظر بدل گیا ہے اور یہ تبدیلی بدقسمتی سے بربادی کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ اب ہم یونیورسٹی میں نوکری حاصل کرنے کی غرض سے جاتے ہیں اور تعلیم کے افادہ کو سونے چاندی کے اوزان میں تولتے ہیں۔ تعلیم چونکہ عموماً بہت گراں ہوتی ہے اس لئے اس کے حاصل کرنے کے بعد سرمایہ کی واپسی کی فکر دامن گیر ہوتی ہے اور بجائے اس کے کہ تعلیم کو عام لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے استعمال کیا جائے، ہم بخل سے کام لے کر اسے اپنے ہی تک محدود رکھتے ہیں۔ ہمیں یہ نہیں معلوم کہ تعلیم کا اصلی مقصد کیا ہے؟ ہمارا دماغ تو ہر وقت مادی اغراض کے حصول میں الجھا رہتا ہے اور اس لئے یہ تعلیم نہ تو ہمیں سوائے ظاہری کامیابی کے اصلی معنوں میں کامیاب بناتی ہے اور نہ ہمارے دماغ کو ابھارتی ہے۔ ہم چند درسی کتب کے حامل ہوتے ہیں اور اس سے زیادہ کچھ نہیں۔

امتحان کا بھوت

خاص طور پر یہ کیفیت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب امتحان کا بھوت سر پر سوار ہوتا ہے۔ سال ختم ہوتا ہے تو ہماری پڑھائی شروع ہوتی ہے۔ جب تک امتحان میں صرف دو ایک مہینے باقی نہ رہ جائیں ہمیں کوئی فکر نہیں ہوتی عین وقت پر ہم بعض بہت ہی اوچھی باتیں یاد کر لیتے ہیں جو دماغ میں اور بے ترتیبی پیدا کر دیتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب ہم فارغ التحصیل ہو کر نکلتے ہیں تو علم و عمل دونوں میں کورے نظر آتے ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ ہمارا طریقۂ تعلیم ناقص ہے لیکن جب تک ہم اس ذہنیت کو تبدیل نہ کریں جس کی وجہ سے ہم وقت پر کوئی کام نہیں کر سکتے" اس وقت تک مشرق کے نوجوان اس دماغی تنزل کے گڑھے سے نہیں نکل سکتے۔ ہم میں کتنے ہیں جنہیں آزادیِ فکر اور آزادی کا رجحان نصیب ہے؟ ہم میں سے کتنے ناامیدی کو امید اور پست ہمتی کو حوصلہ سے تبدیل کر سکتے ہیں؟ اس دماغی پستی کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ ہندوستان میں کوئی قومی تحریک کامیاب نہیں ہوتی۔

صحت و سیاست

صحت کا جہاں تک تعلق ہے، ہمارے طلبہ کی حالت نہایت افسوسناک

ہے ہمارا کام یہی ہے کہ رات کو دیر تک جاگتے رہیں، پھر تاش و شطرنج میں تھوڑا سا وقت صرف کریں اور ادھر اُدھر مارے مارے پھریں۔ جب ہمارا ملک آفت میں مبتلا ہو تو ہم بیٹھے دیکھا کریں جس طرح روم میں آگ لگی ہوا اور نیرو مزے سے بانسری بجا رہا ہے۔ جس وقت ہمارے نوجوان کو خوب ہٹا کٹا اور مضبوط ہونا چاہئے اُس وقت ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ ابھی قبر سے نکل کر آ رہے ہیں!

ہمارے بزرگ ہمیشہ سیاست سے علیحدگی کی تاکید کرتے رہتے ہیں اور اُن کی فرمانبرداری کے سلسلہ میں ہم اس سے بالکل کنارہ کشی اختیار کر لیتے ہیں۔ یہ بات غور کرنے کے قابل ہے کہ وہ اسے صرف اس وجہ سے منع کرتے ہیں کہ اُن کے نزدیک سیاست میں حصہ لینا اور بادشاہ کے خلاف علمِ بغاوت بلند کرنا دونوں کے ایک ہی معنیٰ ہیں۔ اور یہ واقعہ بھی ہے کہ بعض اوقات قومی زندگی میں معمولی سیاست بھی انقلاب کی طرف کھینچ لے جاتی ہے لیکن کم از کم ہمیں یہ چاہئے کہ سیاست اور ریاست کے مسائل کو اپنے ذہن میں جگہ دیں۔ یہ ناممکن ہے کہ موجودہ حالت میں ہمارے طلبہ سیاست کو اپنی زندگی سے بالکل علیحدہ کر دیں، سوراج کے حصول کے لئے نت نئے تجربے کئے جا رہے ہیں اور ہندوستانی سیاست میں روز کوئی نہ کوئی تبدیلی واقع ہوتی رہتی ہے۔ ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں جنگ کے اعلان ہوتے ہیں، صلحیں ہوتی ہیں اور اندرونِ ملک میں آپس کے اختلافات اور اجتماعی خرابیاں ہیں۔ کونسلوں میں گرما گرم بحث ہو رہی ہے، چین کو فوجیں بھیجے جانے کا مسئلہ، ۱۸ شلنگ کا معاملہ اور انسدادِ قحط کا سوال زیرِ غور ہے۔ ہندوستانی طالب علم کے لئے برابر ہے کہ شرح مبادلہ ۱۸ شلنگ ہو اور بنگال کے قیدی نہ چھوڑے جائیں۔ اُس کے نزدیک ایک ہندوستانی سرمایہ داروں کا مسئلہ ہے اور دوسرا قیدیوں کے اعزا و اقربا کا۔ زیادہ سے زیادہ یہ کہ وہ قومی جلسہ میں شریک ہو جاتا ہے، بے سمجھے بوجھے تقریر سنتا ہے اور کوئی خاص اثر قبول کئے بغیر گھر واپس چلا آتا ہے۔ اُس کی انتہائی آزاد خیالی یہ ہے کہ وہ گاندھی کو چند صلواتیں سنائے کیونکہ وہ غریب کھدر پہننے کی تلقین کرتا ہے۔ بس اتنا ہے ہمارا تعلق سیاست سے!

موجودہ حالت سے اطمینان

اِن تمام خرابیوں کی وجہ سیاست، مذہب اور سوسائٹی کی پُرانی خوبیوں کو بے وقعتی کی نظر سے دیکھنا ہے اور یہ حالت مختلف اسباب مثلاً دماغی

(بقیہ صفحہ ۲۸ پر)

محاسن اسلام

(۵)

(از مولوی سعد الدین انصاری صاحب ندوی استاد جامعہ)

علم

یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجَاتٍ

(اللہ تم میں سے ایمان لانے والوں کو اور اُن لوگوں کو جنھیں علم ملا ہے درجے عطا کرتا ہے)

علم میں کیا ایسی خوبی ہے جس کے لئے ہر شخص ادنیٰ ہو یا اعلیٰ، امیر ہو یا غریب اپنی استطاعت کے موافق اس پر فدا ہے، وطن چھوڑتا ہے، عزیزوں اقارب سے جدا ہوتا ہے، دور دراز مسافتوں کو طے کرتا ہے، فقر و فاقہ کی تکلیف اُٹھاتا ہے، برسوں عیش و آرام کی زندگی چھوڑ کر محنت و مشقت کی زندگی بسر کرتا ہے، غرض اس علم کی دشوار گذار گھاٹیوں کو بچانے کیا کیا درد و دکھ انسان اُٹھاتا ہے مگر یہ کبھی نہیں ہوتا کہ اس پیاری شے کو کبھی آسانی سے چھوڑ دے۔ آخر علم کے لئے یہ کشش کیوں ہے؟ کیوں تم نے بچپن ہی سے اپنے ماں باپ کی محبت بھری گود چھوڑ کر جامعہ کی بظاہر کانٹوں بھری گود میں آنا پسند کیا ہے؟

عزیزو! سوچو تمہارا دل علم کی قدر و منزلت سے ضرور کچھ نہ کچھ واقف ہے، چاہے تمہاری زبان ابھی اس کو اچھی طرح ظاہر نہ کرسکے۔ اچھا اب میرے ایک سوال کا جواب دو۔ تم اس دنیا میں کیا چاہتے ہو؟ کیا تم سچ مچ یہ نہیں چاہتے کہ دنیا میں سب سے زیادہ بلند ہو کر رہو؟ کیا تمہارے دل میں یہ تڑپ نہیں ہے کہ دنیا کی ساری ہردلعزیزی اور مقبولیت صرف تمہارے حصہ میں آئے؟ اگر تم یہی چاہتے ہو اور سچے دل سے چاہتے ہو تو بس اب اسی تلاش میں کمربستہ ہو جاؤ کہ یہ بڑائی اور ہردلعزیزی تمہیں کیونکر حاصل ہو سکتی ہے، وہ کونسا گُر ہے جس کو معلوم کرکے انسان اپنے سر پر عزت کا زریں تاج رکھ سکتا ہے؟ میرے عزیزو! یہ قیمتی گُر صرف صحیح اور سچا علم ہے۔

علم کیا ہے؟ علم نام ہے اُن تمام عمدہ باتوں کے جاننے اور سیکھنے کا جو تمہیں دنیا میں ایک بہتر و کامل انسان بنا سکیں، علم کی مثال ایک شمع کی ہے جس کی روشنی میں دنیا کا تمام کھرا کھوٹا، مفید و مضر تمہارے سامنے آجاتا ہے، اب تمہیں اختیار ہے کہ تم اس روشنی سے فائدہ اُٹھا کر اپنے لئے ایک سیدھی اور بہتر راہ عمل اختیار کرو، یا جان بوجھ کر اندھوں کی طرح ٹھوکریں کھاؤ۔ جو لوگ صرف بہت سی کتابیں پڑھ لیتے ہیں اور اپنے علم سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے اُن کی مثال ایسی ہے جیسے کسی چوپائے پر کتابوں کا ایک بہت بڑا پشتارا لدا ہو۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کی سچی معرفت اور انسان کا حقیقی کمال علم ہی پر موقوف ہے اس لئے اسلام نے علم کا بہت بڑا رتبہ قرار دیا ہے۔ قرآن کریم میں ہے۔

قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لایعلمون	اے محمد لوگوں سے کہدو کہ اہل علم اور بے علم کیسا دونوں برابر ہیں؟
انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء	اللہ سے ڈرنے والے اُس کے بندوں میں سے علماء ہی ہیں۔

حدیث شریف میں ہے:۔

العلماء ورثة الانبیاء	علماء انبیا کے وارث ہیں۔
فضل العالم علی العابد کفضلی علی ادنی رجل من اصحابی	عالم کا رتبہ عابد کے مقابلہ میں ایسا ہی ہے جس طرح میرا رتبہ کسی ادنیٰ صحابی کے مقابل میں۔

اللہ اللہ، نبوت سے بڑھکر کون رتبہ اور کون شرف ہو سکتا ہے، پھر بتاؤ جو اس رتبہ کے وارث ہوں گے اُن سے بڑھکر کون قابل رشک ہو سکتا ہے۔ دوسری حدیث میں علم کے درجہ کو کس طرح نبوت سے ملا دیا ہے، اور وہ عمل جو علم سے خالی ہو کس قدر اُس کا درجہ گھٹا دیا ہے۔

علم سیکھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

فلولا نفر من کل فرقة منهم طائفةٌ لیتفقهوا فی الدین۔	لوگوں میں سے ایک جماعت کیوں نہیں تیار ہوتی جو دین میں کمال حاصل کرے۔
فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لاتعلمون۔	ارباب ذکر (وہ لوگ جو علم دین کا شغل رکھتے ہیں) سے پوچھو اگر تمہیں کوئی بات معلوم نہیں۔

آنحضرت رسول مقبول صلعم فرماتے ہیں:۔

من سلك طریقا یطلب فیه علما سلك الله به طریقا الی الجنة	جو شخص علم کی تلاش میں کسی راستہ پر چلا، اللہ اُس کے ساتھ جنت کے راستہ پر چلے گا۔
طلب العلم فریضة علی کل مسلم	علم کی تلاش ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ایک بڑے امام نے لوگوں سے خطاب کرکے کہا "کیا وہ مریض جو کھانا، پینا، دوا سب چھوڑ دے مر نہ جائے گا" لوگوں نے کہا "بیشک"۔ فرمایا "یہی حال دل کا ہے

بچوں کا صفحہ

نظر کا دھوکہ

تم ہمیشہ اپنی نظر پر اعتماد نہیں کر سکتے کسی نے بہت خوب کہا ہے کہ چیزیں ہمیشہ اپنی اصلی حالت میں نظر نہیں آتیں۔ اس کی آزمائش کرنی ہو تو نیچے لکھی ہوئی باتوں کو غور سے دیکھو۔

(۱) بتاؤ ان دونوں لکیروں میں سے کونسی بڑی ہے ؟
بظاہر دیکھنے میں تو داہنے ہاتھ کی سیاہ لکیر بڑی نظر آتی ہوگی اور بائیں ہاتھ کی چھوٹی لیکن دراصل دونوں لکیریں برابر ہیں۔
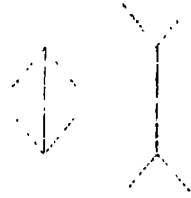
(۲) ان دونوں میں بتاؤ کیا فرق ہے۔
داہنے ہاتھ کی لکیروں کی تصویر بہ نسبت دوسری کے چوڑی معلوم ہوتی ہوگی اور بائیں ہاتھ کی تصویر بہ نسبت پہلی کے اونچی نظر آتی ہوگی لیکن حقیقت میں دونوں تصویریں مربع شکل کی ہیں۔ یعنی ان میں سے ہر ایک کی لمبائی اور چوڑائی برابر برابر ہے
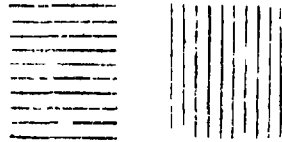
(۳) ان دونوں مربعوں میں کونسا بڑا ہے ــ سفید یا سیاہ ؟
یہ دیکھکر اکثر لڑکے بول اٹھینگے کہ "سفید"۔ لیکن اگر تم اپنی پٹری سے ناپو تو سفید مربع تمہیں چھوٹا معلوم ہوگا اور سیاہ مربع بڑا۔

(۴) اگر تم ان سیاہ لکیروں کے درمیانی فاصلے کو غور سے دیکھو تو اوپر والا فاصلہ تمہیں دونوں سروں کی طرف چوڑا ہوتا نظر آئے گا اور بیچ میں تنگ لیکن نیچے کا فاصلہ دونوں سروں پر تنگ ہوتا ہوا معلوم ہوگا اور بیچ میں چوڑا لیکن دونوں فاصلے بالکل برابر ہیں۔ جی چاہے تو اپنی پٹری سے ناپ کر دیکھ لو۔

(۵) تمہاری آنکھ کا ایک حصہ بیکار ہے جس سے تم دیکھ نہیں سکتے اگر اس کا ثبوت چاہتے ہو تو نیچے کی تصویر میں اپنی بائیں آنکھ بند کرکے داہنی آنکھ سے ✕ کو غور سے دیکھو لیکن کاغذ کو ایک فٹ کے فاصلہ پر رکھو اور آہستہ آہستہ اپنی آنکھ سے قریب کرتے جاؤ۔ شروع میں تم کو ✕ اور • دونوں نشانات نظر آئیں گے لیکن ایک وقت ایسا آئے گا جبکہ گول نقطہ تمہاری نظر سے غائب ہو جائیگا لیکن جب کاغذ اور قریب کروگے تو وہ گول نقطہ پھر نظر آنے لگے گا۔

(۶) نیچے کی تصویر میں دیکھو۔ ان تینوں میں سے کون سب سے بڑا ہے ؟ تم فوراً بول اٹھوگے کہ "اگلا شخص"۔ حالانکہ وہی سب سے چھوٹا ہے اور لڑکی کا قد سب سے بڑا ہے گو تمہیں اس کے برعکس نظر آتا ہوگا۔ (ملاحظہ ہو تصویر صفحہ ۱۰)

"پیام تعلیم" بچوں کے لئے بہترین پرچہ ہے۔ صرف عہ بھیجکر ہر لڑکا اس کا خریدار ہو سکتا ہے۔

کوائف جامعہ

(ہمارے کوائف نگار خصوصی کے قلم سے)

۲۰ اپریل کو انجمن اتحاد کے ایک جلسے میں سری جی. رامچندرن جی نے "مہاتما گاندھی" پر ایک طویل لیکن دلچسپ اور پُر از معلومات مضمون پڑھا. آپ نے فرمایا "ٹیگور جیسا قول نہیں اور گاندھی "مجسمہ عمل" ٹیگور صحیح معنی میں شاعر ہے اور شاعر کی تعریف جو یہ ہے کہ یقولون ما لا یفعلون. تاہم شری نکیتن اور شانتی نکیتن جیسے دو بڑے اداروں کے قیام کا جو اہم کام ٹیگور نے انجام دیا ہے وہ کسی طرح نظرانداز نہیں کیا جاسکتا. گاندھی جی کی حیرت انگیز قوت عمل کا نظارہ اُن کے سابرمتی آشرم تک محدود نہیں بلکہ اب تو چرخے کی تحریک سے ہندوستان کا ہر قصبہ و قریہ اُن کی اس قوت کا مظہر بنا ہوا ہے. دنیا کی یہ دو بڑی ہستیاں جنکی پیدائش کا فخر ہندوستان کو حاصل ہے اپنے خاص انداز میں دنیا کو امن و شانتی کا پیغام سنا رہی ہیں اور دنیا کی نجات اسی میں مضمر ہے کہ وہ اُن کے پیام کو گوش دل سے سنے اور اُس پر عمل پیرا ہو".

---

۲۹ اپریل کو بعد نماز جمعہ مولانا محمد علی صاحب جامعہ میں تشریف لائے اور فلسفۂ اسلام پر تقاریر کا جو سلسلہ آپ نے شروع کیا ہے اس سلسلہ کی دوسری تقریر فرمائی. اس تقریر میں آپ نے سلسلہ قائم رکھنے کے خیال سے گذشتہ تقریر کو مختصر دُہرانے کے بعد "توحید" کے متعلق اپنے خیالات نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کئے. مولانا نے فرمایا کہ توحید کے معنی صرف یہی نہیں ہیں کہ خدا کو ایک مانا جائے بلکہ اپنے نفس کی غلامی سے نیز اربابا من دون الله کی تقلید سے آزادی حاصل کرنا ہی اصل توحید ہے". آپ نے فرمایا کہ اسلام کا دنیا پر سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے انسان کو ایک مالک کا عبد بنایا لیکن اسے دنیوی ملوک اور مذہبی پیشواؤں کے طبقے سے نجات دلائی.

جامعہ کے ہر دلعزیز استاد اور "چرخہ سنگھ" کے ناظم شریمت رامچندرن جی ۳۰ اپریل کو زمانہ تعطیلات اپنے گھر پر گذارنے کے خیال سے جامعہ سے رخصت ہوگئے. آپ کے اعزاز میں "چرخہ سنگھ" نے ۲۹ اپریل کو "سنگھ" کے اراکین کو ایک دعوت دی. اکل و شرب کے بعد پروفیسر محمد مجیب صاحب اور شیخ الجامعہ صاحب کی تقریریں ہوئیں جنہیں رامچندرن جی کا شکریہ ادا کیا گیا. رامچندرن جی نے اپنی جوابی تقریر میں کہا کہ میں نے جتنا عرصہ جامعہ میں گذارا وہ میری زندگی کا بہت ہی پُر لطف حصہ کہا جاسکتا ہے. میں اس عرصے میں ہندو مسلم تعلقات کے اہم مسئلے پر برابر غور کرتا رہا اور آپ صاحبان نے میرے ساتھ جو برادرانہ سلوک کیا اُس نے مجھے یقین دلایا کہ ہمارے اختلافات کی بنا محض جہالت و ناواقفیت ہے. ضرورت ہے کہ ہم باہم ایک دوسرے سے ملتے جلتے رہیں تاکہ اختلافات رفع ہوں. میرا خیال ہے کہ دونوں قوموں کے نوجوان طلبہ ہی اس کام کے لئے سب سے زیادہ موزوں ثابت ہونگے. بعد میں مولانا محمد علی صاحب کی بھی ایک تقریر ہوئی. مولانا نے بھی جامعہ میں چرخے کی تحریک کو کامیاب بنانے پر رامچندرن صاحب کو مبارکباد دی اور فرمایا کہ طلبائے جامعہ کو چاہئے کہ جس طرح رامچندرن صاحب باوجود ہندو ہونے کے اُن کی خدمت کرتے ہیں اُسی طرح وہ بھی اپنے ہندو بھائیوں کی خدمت کا بیڑا اُٹھائیں. کیونکہ بنی نوع انسان کی خدمت ہی اسلام کی تعلیم ہے اور اسی پر طلبائے جامعہ کو عمل کرنا چاہئے.

جامعہ سینیر اور ثانوی پنجم (جو غلطی سے پہلی بار "جامعہ جونیر" چھپ گیا تھا) کے امتحانات یکم مئی سے شروع ہوگئے. بی. اے کے امتحانات ۲۰ مئی سے شروع ہونگے.

نہایت افسوس ہے کہ امیر جامعہ مسیح الملک حکیم اجمل خانصاحب نے ناسازی مزاج کے باعث صوبہ بہار کا دورہ فی الحال ملتوی کر دیا ہے. خدائے تعالیٰ حکیم صاحب مدظلہ کو صحت و تندرستی اور طاقت و توانائی عطا کرے تاکہ جامعہ ملیہ انکی کوششوں سے سرسبز و بارآور ہوتی رہے.

(بسلسلہ صفحہ ۹)

اعلان

جامعہ ملیہ اسلامیہ نے جہاں مسلمانان ہند کے احیا و بقا کے لئے بہت سے کام اپنے ذمہ لئے ہیں وہاں ایک اہم کام اس نے اردو لٹریچر میں علمی مواد بہم پہنچانے کا بھی لیا ہے چنانچہ ابتدا ہی سے اس نے اپنے ہاں تصنیف و تالیف کا ایک شعبہ قائم کیا تھا جو اب اردو اکادمی کے نام سے موسوم ہے۔ ذیل میں ہم ان تصنیفات و تالیفات کی ایک فہرست درج کر رہے ہیں جو اردو اکادمی کی طرف سے ماہ بماہ شائع ہوتی رہیں گی۔ قدردانان علم سے ہمیں قوی امید ہے کہ وہ ان مطبوعات کی قدر افزائی فرمائیں گے اور ان کی خریداری کیلئے اپنے اسمار گرامی درج کرا دیں گے۔ اردو زبان کا کوئی کتب خانہ ان کتابوں کے بغیر مکمل نہیں کہا جا سکتا۔

نیازمند

منظور احمد بی۔ اے (جامعہ) مہتمم مکتبہ

۱۔ برہان | تفسیر سورۂ نور مصنفہ خواجہ عبدالحی صاحب استاذ تفسیر و ناظم دینیات جامعہ ملیہ۔

اپریل ۳۲ء میں شائع ہو گئی ہے۔ قیمت عہ

۲۔ مسئلہ چین | انگلستان کے مشہور فلسفی و سیاست داں برٹرینڈ رسل کی معرکۃ الآرا تصنیف The Problem of China

کا ترجمہ از اسرائیل احمد خانصاحب سامع جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ قیمت عا

یہ کتاب مئی ۳۲ء میں شائع ہو جائے گی

۳۔ آزادی | جان اسٹورٹ مل کی شہرۂ آفاق تصنیف Liberty کا ترجمہ از سعید انصاری صاحب بی۔ اے (جامعہ) رفیق اردو اکادمی و مدیر پیام تعلیم۔

جون ۳۲ء میں شائع ہو جائے گی قیمت عا

۴۔ عربوں کا تمدن | فاضل جرمن مستشرق جوزف ہل کی کتاب Die Kultur der Araber

کا ترجمہ از سید نذیر نیازی صاحب بی۔ اے (جامعہ) قیمت عا

جولائی ۳۲ء میں شائع ہو جائے گی۔

۵۔ عقد اجتماعی | فرانس کے مشہور فلسفی ژاں۔ ژاک روسو کی معروف ترین تصنیف Social Contract کا اردو ترجمہ از مولوی محمد مسلم صاحب ایم۔ اے سابق رکن شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ مع مقدمہ پروفیسر محمد مجیب صاحب بی۔ اے (آکسن) استاذ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔

کتاب انشاء اللہ اگست ۳۲ء تک چھپکر تیار ہو جائے گی۔

۶۔ معاشیات قومی | فریڈرک لسٹ کی کتاب Das Nationale system der politischen Ökonomie

کا براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ از ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب ایم اے پی ایچ ڈی (برلن) استاذ معاشیات و شیخ الجامعہ جامعہ دہلی قیمت صہ ستمبر ۳۲ء میں تیار ہو جائیگی۔

۷۔ بانی اسلام | جرمن مستشرق ولہاؤزن کے مضمون کا ترجمہ جو Mohamed-anism کے عنوان سے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی نویں جلد میں درج ہے مع حواشی اور مقدمہ کے کتابی صورت میں اکتوبر ۳۲ء تک شائع ہو جائے گا۔ از مولوی عبدالعلیم صاحب احراری بی۔ اے جامعہ رفیق اردو اکادمی قیمت عہ

۸۔ آزادی کی راہیں | برٹرینڈ رسل کی دوسری تصنیف Roads to Freedom کا اردو ترجمہ از جناب مدعلی خانصاحب بی۔ اے (جامعہ) نومبر ۳۲ء تک چھپکر شائع ہو جائے گی۔ قیمت عہ

۹۔ نفسیات شباب | جرمنی کے مشہور عالم نفسیات و فلسفۂ تعلیم و تمدن کے ماہر پروفیسر ایڈورڈ اشپرانگر کی تازہ تصنیف Psychologie des Jugendalters کا براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ از ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب۔

مفصل فہرست مکتبہ جامعہ ملیہ قرولباغ دہلی سے طلب فرمایئے

ملنے کا پتہ: مہتمم مکتبہ جامعہ ملیہ قرولباغ دہلی

تاریخ فلسفۂ اسلام

ہالینڈ کے مشہور فلسفی اور مستشرق ٹ ۔ ج ۔ دو بوئر کی تصنیف Geschichte der philosophie in Islam کا براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ ۔ اس کتاب کی نسبت اتنا عرض کر دینا کافی ہے کہ تاریخ فلسفۂ اسلام پر یہ سب سے پہلی جامع تصنیف ہے جو ایک مشہور و معروف مغربی فلسفی اور مستشرق کی قابل ستائش تحقیق و تفتیش کا نتیجہ ہے۔

کتاب کا ترجمہ جناب ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم ۔ اے پی ۔ ایچ ۔ ڈی (برلن) استاذ فلسفہ و تعلیمات و ناظم اردو اکادمی جامعہ ملیہ نے کیا ہے ۔ یہ ظاہر ہے کہ کسی علمی کتاب کو صرف وہی شخص عمدگی و خوبی کیساتھ ایک زبان سے دوسری زبان میں منتقل کر سکتا ہے جو اُس علم سے واقف ہو اور اُس کا صحیح مذاق رکھتا ہو ۔ اس لئے اس ترجمہ کی صحت و خوبی کا اس سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ مترجم خود نہایت دقیق النظر اور نکتہ رس فلسفی ہونے کے علاوہ فلاسفۂ ہند میں ایک نمایاں شخصیت رکھتا ہے ۔

غرضیکہ یہ کتاب ہر اعتبار سے اس قابل ہے کہ اہل علم اور خصوصاً وہ اصحاب جو فلسفہ سے ذوق رکھتے ہیں اس کا مطالعہ کریں اور قابل مصنف اور لائق مترجم کی محنت و جانفشانی کی داد دیں ۔

کتاب کی کتابت، طباعت اور کاغذ نہایت عمدہ اور پاکیزہ ہے ۔

قیمت صرف دو روپے

مہتم مکتبہ جامعہ ۔ قرولباغ دہلی

بحکم جناب شیخ الجامعہ صاحب زیر اہتمام سید عابد حسین صاحب پرنٹر و پبلشر مطبع جامعہ ملیہ میں چھپکر دفتر "پیام تعلیم" سے شائع ہوا

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

پیامِ تعلیم

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا

پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

قیمت سالانہ عہ

ششماہی ۱۴؍

فی پرچہ ۱؍

خریداران رسالہ جامعہ سے

صرف ایک روپیہ

نمونہ مفت

ایڈیٹر:- سعید انصاری بی۔ اے (جامعہ)

جلد ۳ | ۲۱؍ مئی سنہ ۱۹۲۷ء | نمبر ۳

شذرات

جامعہ کا تعلیمی سال ختم ہوگیا۔ ۲۰؍ مئی سے ڈھائی مہینہ کی تعطیل ہو رہی ہے۔ طلبہ امتحانات سے فارغ ہو ہو کر اپنے گھروں کو جا رہے ہیں۔ اکثر امتحانات کے نتائج شائع ہو چکے بعض امتحانات اور نتائج ابھی باقی ہیں۔ تعلیمگاہوں کا یہ دستور رہا ہے کہ اپنے تعلیمی کاموں کا اندازہ کرنے کے لئے سال کے آخر میں امتحانات لیتی ہیں۔ کامیابی اور ناکامی کا دارمدار اگر اسی پر ہے تو جامعہ بھی اپنی تمام جماعتوں کے نتائج بہ ترتیب ایک ساتھ پیش کر رہی ہے۔ یہ تعداد گو سیکڑوں اور ہزاروں تک نہیں پہنچتی ہے لیکن پھر بھی جامعہ کی موجودہ اور گذشتہ حالت کو دیکھتے ہوئے کچھ کم نہیں ہے اور سارا دار و مدار تعداد ہی پر نہیں ہے۔ جامعہ امتحان سے زیادہ تعلیم پر زور دیتی ہے اور تعلیم سے زیادہ تربیت پر۔ تعلیم و تربیت ایسی چیزیں نہیں جو اعداد و شمار کی صورت میں دکھائی جا سکیں۔

تعلیمی سال ختم ہونے پر قواعد اور دستور کے مطابق جہاں طلبہ کو اپنے سال بھر کے تعلیمی کاموں کا جائزہ دینا پڑتا ہے وہاں انہیں چاہئے کہ تھوڑی دیر کے لئے اپنے نفس سے محاسبہ کریں۔ امتحان میں کامیاب اور ناکام ہونا محض ایک معمولی بات ہے اور بسا اوقات تو یہ اتفاق پر مبنی ہوتا ہے۔ اصل کامیابی اور ناکامی اپنے نفس کے جائزہ لینے میں ہے۔ آپ جامعہ میں آئے تھے۔ کس غرض سے؟ کیا مقصد لیکر؟ کون کون سی امیدیں قائم کرکے؟ اس ایک سال کے عرصہ میں آپ نے ان اغراض و مقاصد کو پورا کرنے کے لئے کیا کیا؟ ان پر عمل پیرا ہونے کیلئے کون کونسے طریقے اختیار کئے؟ ان امیدوں اور توقعات کے بر لانے میں کس کس طرح سے کوششیں کیں؟ جامعہ سے فائدہ اٹھانے اور جامعہ کو فائدہ پہونچانے کیلئے آپ کیا کیا تدبیریں عمل میں لائے؟ ان سوالوں کے 'ہاں' یا 'نہیں' پر آپ کی اصل کامیابی اور ناکامی کا انحصار ہے۔ کاش! اگر اب نہیں تو آئندہ کیلئے آپ سے اپنا معیار قرار دیں۔

اس پرچہ کو زیادہ سے زیادہ دلچسپ اور مفید بنانے کی حتی الامکان پوری کوشش کی جا رہی ہے۔ چنانچہ آئندہ سے ارادہ ہے کہ اس میں عمدہ تصویریں شائع کرنے کا انتظام بھی کیا جائے۔ فوٹو وغیرہ لے کر بلاک بننے کے لئے بھیج دئے گئے ہیں لیکن اسی کے ساتھ کچھ ناظرین پر بھی فرض عائد ہوتا ہے کہ وہ اس کی اشاعت کے لئے اپنی امکانی کوششوں سے کام لیں۔

فلیپائن اور ہندوستان کا مقابلہ

جبری تعلیم کی ضرورت

(از ظفر نورالدین صاحب متعلم جامعہ)

یاستہائے متحدہ امریکہ کے لئے یہ بڑے فخر و مباہات کی بات سمجھی جاتی ہے کہ اُس نے جزیرہ فلیپائن میں تعلیم کا جیسا بہتر اور معقول انتظام کیا ہے' ویسا کسی اور سلطنت نے اپنی نوآبادی میں اب تک نہیں کیا ہے۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ گزشتہ ربع صدی کے اندر اس جزیرہ میں ابتدائی تعلیم کی جیسی ترقی ہوئی ہے اُس کو دیکھتے ہوئے یہ دعوٰی ایک حد تک صحیح بھی تھا۔ سنہ ۱۸۹۸ء میں یہ جزیرہ امریکہ کے قبضہ میں آیا۔ سنہ ۱۹۰۳ء تک ہر چالیس پر ایک شخص مدرسہ میں داخل ہوگیا' سنہ ۱۹۲۵ء تک یہ نسبت ہر دس پر ایک کی ہوگئی لیکن ہندوستان میں سنہ ۱۹۲۵ء تک مدرسہ جانیوالے لڑکوں کی تعداد ۶۱۰۵ اور لڑکیوں کی ۲۲،۱ تھی۔ فلیپائن میں آبادی کا ۴۰ فیصدی حصہ تعلیم یافتہ ہے' برعکس اس کے ہندوستان میں صرف ۷ فیصدی لیکن یہ کافی نہیں۔ اتنا جو کچھ بھی ہوا ہے' وہ اختیاری طریقہ تعلیم کے ذریعہ سے ہوا ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ بغیر جبری طریقہ تعلیم رائج کئے ہوئے بھی اگر یہی رفتار رہی تو آئندہ دس سال کے اندر اندر تمام اسکول جانے والی عمر کے لڑکے اسکولوں میں داخل ہوجائیں گے۔ پھر بھی اختیاری طریقہ تعلیم میں جو قدرتی نقائص ہیں وہ یہاں برابر موجود ہیں یعنی بچے دیر سے داخل ہوتے ہیں اور اونچی جماعتوں تک پہونچتے پہونچتے ان کی عمر اتنی ہوجاتی ہے کہ انھیں اپنا تعلیمی سلسلہ منقطع کر دینا پڑتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ طلباء کی کثیر تعداد ابتدائی جماعتوں سے آگے بڑھنے نہیں پاتی۔ فلیپائن میں اس وقت اسکول جانے والے طلبہ کی تعداد تقریباً ایک لاکھ بیس ہزار ہے لیکن اس میں سے ۶۵ فیصدی ابتدائی اسکولوں کی سب سے نیچی دو جماعتوں میں ہے۔ یہی حال تقریباً ہندوستان کا ہے اسکول اور کالج جانے والے طلبہ کی مجموعی تعداد ۷۵۹۴۰۰۰ ہے جنہیں سے تقریباً ۴۸۹۸۰۰۰ چھوٹے بچوں، دو ابتدائی درجوں کے لڑکوں کی تعداد ہے۔ ہندوستان میں نیچی جماعتوں سے اونچی جماعتوں تک پہونچنے کی جو سست رفتاری ہے اور سال بہ سال جو ضائع تعداد ہوتی ہے وہ ذیل کے نقشہ سے صاف طور پر نمایاں ہوگی۔

جماعت	تعداد طلبہ سنہ ۱۹۲۲-۲۳ء	تعداد طلبہ سنہ ۱۹۲۴-۲۵ء	تعداد ضائع شدہ
درجہ اول	۳۶۸۵۷۹۲	۴۰۴۵۶۸۴	۰
درجہ دوم	۱۲۱۸۷۵۸	۱۲۵۲۵۰۷	۲۴۳۳۲۸۵
درجہ سوم	۸۷۴۷۶۰	۹۹۷۵۱۲	۳۲۱۲۴۷
درجہ چہارم	۶۱۹۶۷۰	۶۱۵۸۲۳	۲۵۸۹۲۷

اس کے علاوہ ایک اور فرق دونوں مقامات کی ابتدائی تعلیم میں یہ ہے کہ ہندوستان میں ذریعہ تعلیم بچوں کی مادری زبان ہوتی ہے لیکن فلیپائن میں انگریزی ہے چنانچہ ابتدائی جماعتوں سے اونچی جماعتوں تک پہونچنے میں ہر سال لڑکوں کی تعداد میں جو کمی ہوجاتی ہے اسکی ایک بڑی وجہ یہ بھی ہے۔ تا وقتیکہ لڑکے چند سال تک مسلسل اسکول میں نہ پڑھیں اُن کو تعلیم دینے سے کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ اگرچہ فلیپائن میں تعلیم اس قدر عام ہے لیکن تعلیم سے جو فائدہ ہونا چاہیئے وہ اس قدر زیادہ نہیں ہے۔

فلیپائن کی مرکزی حکومت ۷۰،۵ فیصدی تعلیم کا خرچ دیتی ہے اور مقامی حکومتیں ۲۹،۵ فیصدی دیتی ہیں۔ اس طرح گویا فلیپائن کی تمام تعلیم حکومت کے خرچ سے ہوتی ہے۔ سنہ ۱۹۱۲ء کے بعد ۷ سال کے اندر غیر تعلیمی سرکاری مصارف میں جہاں ۷۰ فی صدی کا اضافہ ہوا' وہاں تعلیمی اخراجات میں یہ اضافہ ۲۳۰ فیصدی تھا۔ لیکن اتنے کثیر اخراجات کا پورا پورا نفع نہیں حاصل رہا ہے ممکن ہے' تعلیمیافتوں کی تعداد سال بہ سال اس سے اور زیادہ ہوتی جائے لیکن جو فائدہ اس سے اہل ملک کو ہونا چاہیئے وہ بہت کم ہو رہا ہے۔ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ جبری طریقہ تعلیم رائج کیا جائے تاکہ قوم کے بچوں کی عمر اور اُن کا پیسہ بیکار نہ ضائع جائے۔

(ماخوذ از "سرونٹ آف انڈیا")

مورخہ ۱۴ اپریل سنہ ۲۶ء

جامعہ رسالہ

جامعہ ملیہ اسلامی دہلی کا علمی و ادبی ماہوار رسالہ نہایت آب و تاب سے شائع ہوتا ہے۔ چندہ سالانہ صہ ششماہی ۱۲/۔

محاسن اسلام

(۶)

طہارت

اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الْمُتَطَہِّرِیْن

اللہ پاک رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے

طہارت یعنی صفائی اور اُس کی خوبیوں سے ہر ایک واقف ہے، تم میں کون ہے جو یہ نہ چاہتا ہو کہ اُس کا جسم صاف، کپڑے ستھرے ہوں، فرش و بستر وغیرہ ہر قسم کی گندگی سے محفوظ ہوں اور روزمرہ استعمال کی تمام چیزیں کتاب، قلم، دوات، میز، کرسی، بکس، لالٹین، صراحی، لوٹا، گلاس، کپڑے، چھتری، جوتے وغیرہ سب ایک صاف حالت میں قرینہ سے اپنی اپنی جگہ پر رکھے ہوں۔ کھانے پینے کی سب چیزیں لطیف ہوں، میرے خیال میں ہر ایک شخص جو مسلسل گندہ اور میلا کچیلا رہنے سے کاہل اور سست نہیں پڑ گیا ہے، ہر چیز میں صفائی اور قرینہ کو پسند کرے گا۔

انسان کے لئے صاف و ستھرا رہنا بہت ضروری ہے، اس کی وجہ سے اُس کی صحت، طبیعت اور عادات و اخلاق ہر ایک پر بہت ہی اچھا اثر پڑتا ہے، جو شخص اپنا ظاہر پاک و صاف رکھتا ہے اُس کو اکثر اپنے باطن کی پاکی کا بھی حوصلہ ہوتا ہے، اُس کے دل و دماغ میں ہمیشہ اچھے ہی خیالات آتے ہیں۔ بخلاف گندے لوگ ہمیشہ گندی ہی باتیں سوچتے اور کرتے ہیں۔ لہٰذا ظاہری پاکی درحقیقت انسان کی باطنی پاکی کا پیش خیمہ ہے۔ بھلا یہ ایک عقلمند کے لئے کیسے ممکن ہے، جو اپنے ظاہری جسم و لباس پر ایک داغ و دھبہ بھی ایسا نہیں چاہتا کہ لوگ اُس کو دیکھ کر اپنا منہ پھیر لیں، کہ وہ یہ گوارا کرے کہ اُس کی اندرونی سیرت میں کوئی ایسی گندگی ہو کہ باوجود اُس کی ظاہری صفائی کے لوگ اُس سے نفرت کریں۔ یہ صحیح ہے کہ اندرونی عادات و اطوار اکثر لوگوں کی نظروں سے چھپے رہتے ہیں اور اسی لئے لوگوں کو اکثر تنہائی میں برائی کی جرأت ہوتی ہے، لیکن میرے پیارے عزیزو! کیا تم خدا پر ایمان نہیں رکھتے، اور کیا تم یہ نہیں جانتے کہ وہ ظاہر و باطن سب جانتا ہے؟ پھر بتاؤ کہ تمہیں اور ہمیں کیا ہو گیا ہے۔ ظاہر میں تو ہم برائی کرتے ہوئے ڈرتے ہیں، لیکن ذرا لوگوں کی نظر جھپکی، ہم نے برائیوں کے تمام درجے طے کر ڈالے۔ کس قدر افسوس ہے کہ خالق ارض و سما کا خوف و لحاظ ہمارے دلوں میں اب اتنا بھی نہیں ہے، جتنا اُس کی مخلوق کا۔ تف ہے ہم پر اور ہمارے اس ایمان پر، اللہ تعالےٰ رحم کرے۔

ظاہری صفائی بھی جب اس قدر اہم اور ضروری ٹھہری تو پھر کیسے اسلام اس کی طرف ہم کو زیادہ سے زیادہ رغبت نہ دلاتا۔ پنج گانہ نماز جو ہماری باطنی اصلاح کے لئے ضروری قرار دیگئی ہے، کس طرح اُسی کے ساتھ ساتھ ظاہری پاکی یعنی جسم کی صفائی، کپڑوں کی صفائی اور پنج وقتہ وضو کے ذریعہ اُن اعضاء کو دھونا جو کام کاج میں کھلے رہنے سے اکثر غبار آلود اور گندے ہو جاتے ہیں ضروری قرار دیا ہے۔ ظاہری اور باطنی صفائی کا یہ رشتہ اسلام نے خوب قائم کیا ہے۔ جس قدر سوچو اسی قدر تم کو اس کی خوبی نظر آئے گی۔ جس وقت تم وضو وغیرہ سے اپنے ظاہر جسم کو کامل طور پر پاک کرکے نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہو، اُس وقت اپنے رب کے سامنے تمہارا باطن بھی ظاہر کی طرح صاف و ستھرا ہونا چاہیے۔ اگر اس میں کچھ میل کچیل ہو تو اپنے پروردگار سے اُس کو دور کرنے کی سچے دل سے دعا مانگو، اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز تک اُس کے مطابق عمل کی کوشش کرو، اسطرح انشاء اللہ تمہاری تمام برائیاں دور ہو جائیں گی۔ اور جسطرح تم اپنی ظاہری صفائی سے اپنے عزیز و اقارب، دوست و احباب، قوم و ملک کو خوش کرتے ہو، اس سے کہیں بڑھ کر اپنی اندرونی صفائی سے ان کے دلوں میں گھر کرو گے۔

صفائی قیمتی کپڑوں اور شاندار ساز و سامان پر موقوف نہیں ہے، بلکہ آدمی اپنے گاڑھے گزی کے موٹے کپڑوں اور معمولی ساز و سامان میں ہمیشہ صاف و ستھرا رہ سکتا ہے، جو لوگ صفائی و تمیز سے محروم ہیں وہ عمدہ سے عمدہ چیزوں کو اپنی بدسلیقگی سے لمحوں میں غارت کر دیتے ہیں۔ وہ آدمی دنیا میں بہت قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے جو اپنی صاف و سادہ زندگی میں اعلیٰ کام کرتا ہے، بخلاف اس کے جو لوگ صرف ظاہری آن بان رکھتے ہیں اور اچھی باتوں سے خالی ہوتے ہیں وہ اکثر بری طرح ذلیل و خوار ہوتے ہیں۔ لہٰذا میرے عزیزو! اگر اسلام سے سچی محبت ہے تو اپنی صاف و سادہ زندگی میں اپنے عادات و اطوار کو سنوارو اور پھر بڑے بڑے کمالات حاصل کرو۔

زمانہ تعطیل میں اڈیٹر سے متعلق جملہ خط و کتابت آصفگنج۔ اعظم گڈھ کے پتہ سے ہونی چاہیے۔ (منیجر)

دہلی کے صدر بازار کشن گنج اور باڑہ ہندو راؤ کے مسلمانوں کی خوش نصیبی

(حافظ فیاض احمد صاحب ... نگران مدرسہ و مہتمم مدارس شبینہ)

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا نصاب تعلیم مسلمانان ہند میں نہایت مقبولیت کی نظر سے دیکھا جانے لگا ہے - قرول باغ میں جہاں اس کے صدر دفاتر، کالج، عالیشان کتب خانہ، شعبہ ہائے صنعت و حرفت اور دارالاقامہ میں، ہندوستان کے مختلف مقامات سے ڈیڑھ سو کے قریب طلبا آکر تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور اس تعداد میں ماشاء اللہ روز بروز اضافہ ہوتا رہتا ہے - ان کے علاوہ خود دہلی کے مختلف محلوں سے بھی پچاس ساٹھ کے قریب بچے پڑھنے آتے ہیں - ایک بہت بڑی تعداد مدارس شبینہ کے ذریعے فیض حاصل کر رہی ہے - تاہم بہت سے بچے چھوٹے اور کم سن ہونے کی وجہ سے روزانہ گرمی اور سردی کی انتہائی سختیوں کو برداشت کرکے قرول باغ میں نہیں آسکتے اور چونکہ ہمارے پاس سواری کا کوئی انتظام نہیں ہے جس کے ذریعے بچوں کو لانے اور لیجانے میں آسانی ہو، اس لئے اہل دہلی کے اصرار پر یہ ارادہ کیا ہے کہ جامعہ کی ابتدائی جماعتوں کی متعدد شاخیں دہلی کے مختلف حصوں میں قائم کی جائیں اور صحیح تعلیم کا ایک جال بچھا دیا جائے چاہئے اس ارادہ کی تکمیل کے لئے سب سے پہلے شیخ شجاع الرحمٰن صاحب بھولیوالے مالک فرم کے - بی - سعید اینڈ کو صدر بازار نے ہماری تائید فرمائی اور جامعہ کی زیر نگرانی جو مدرسہ شبینہ انہوں نے بارہ ٹوٹی پر جاری کر رکھا تھا اس کو دن کا بھی کر دینے کے لئے رضامندی کا اظہار فرمایا - چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ مدرسہ کے امتحان آزمائش کا زمانہ اب ختم ہوگیا اور جو مدرسہ یکم مارچ سنہ ۳۲ء کو جاری ہوا تھا وہ اب خوب ترقی کر رہا ہے - طلبا کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے - اس مدرسہ کے قرب و جوار میں اگرچہ پانچ مدرسے اور ہیں لیکن اس کے باوجود اس کو روز بروز مقبولیت حاصل ہوتی جا رہی ہے - اس مدرسہ میں بہترین اساتذہ کی خدمات حاصل کی گئی ہیں اور جامعہ کے نصاب کے مطابق منزل ابتدائی کے تیسرے سال تک تعلیم ہوتی ہے یعنی دوسرے مدرسوں کی پانچویں جماعت کے برابر - اس میں دینیات بالکل نیچے کے درجہ سے شروع ہو جاتی ہے اور انگریزی دوسری جماعت سے شروع ہوتی ہے اور عربی تیسری جماعت سے لازمی رکھی گئی ہے - اس کے علاوہ اور مفید چیزیں ہیں جو دوسری جگہ نہیں ہوتیں -

مسلمانوں کی خواہشات کو مدنظر رکھکر حفظ کلام مجید کا بھی انتظام کیا گیا ہے پانی پت کے ایک مستند قاری کی خدمات حاصل کیگئی ہیں جو تجوید سے کلام مجید پڑھاتے ہیں -

ایک اور رعایت یہ کیگئی ہے کہ فیسیں اسقدر کم رکھی گئی ہیں کہ غریب سے غریب بھی آسانی سے دیسکتا ہے تاہم مفلس اور نادار لوگوں کے ساتھ مزید رعایت کی بھی گنجائش ہے - ماہانہ فیسوں کی شرح حسب ذیل ہے -

مکتب - ابتدائی اول - دوم - سوم اور داخلہ کی فیس ہم رکھی گئی ہے -

۱ ۲ ۴ ۸

کلام مجید حفظ کے پانچ درجے رکھے گئے ہیں اور حفظ کرنے والے طالبعلم کو دینیات اردو اور ابتدائی حساب کے چاروں قاعدے پڑھنے لازمی ہوں گے -

باقی تفصیلات دفتر مدرسہ سے معلوم ہوسکتی ہیں - اس شاخ کا نام "کے - بی - سعید جامعہ ملیہ پرائمری اسکول دہلی" ہے اور یہ بارہ ٹوٹی پر مطبع جامعہ کی بالائی منزل میں واقع ہے - جہاں صدر، کشن گنج، باڑہ ہندو راؤ، قصاب پورہ اور دیگر قریب کے محلوں سے طلبا بآسانی آسکتے ہیں - مدرسہ شبینہ اور دن کے مدرسہ کا ترمیم شدہ نصاب تعلیم آئندہ شائع کیا جائے گا -

مژدہ

یہ خیال کرتے ہوئے کہ ہمدردان جامعہ رسالہ جامعہ و پیام تعلیم کے خریدار بنانے میں پوری کوشش سے کام لیں گے حسب ذیل انعامات مقرر کئے جاتے ہیں - امید ہے کہ ہر ایک شخص ان انعامات کے حاصل کرنیکی کوشش کرے گا :-

(۱) "جامعہ" کے دو خریدار یا "پیام تعلیم" کے پانچ خریدار بنانے کیلئے - } "پردۂ غفلت" یا مطبوعات جامعہ سے اسی قیمت کی کوئی کتاب -

(۲) "جامعہ" کے چار خریدار یا "پیام تعلیم" کے دس خریدار بنانے کیلئے - } "دیوان شیدا" یا مطبوعات جامعہ سے اسی قیمت کی کوئی کتاب -

(۳) "جامعہ" کے ۱۰ خریدار یا "پیام تعلیم" کے ۲۱ خریدار بنانے کیلئے } "دیوان غالب" یا مطبوعات جامعہ سے اسی قیمت کی کوئی کتاب -

اس سے زیادہ قیمت کے لحاظ سے ۵۰ فیصدی کی کتابیں مطبوعات جامعہ سے دیجائینگی - خاص صورتوں میں نقد کمیشن بھی دیا جا سکتا ہے -

منیجر رسالہ "جامعہ" و "پیام تعلیم"

بچوں کا صفحہ

جو طالب علم ان تمام معموں کا صحیح حل معہ ضروری تشریح کے بھیجے گا، اُسے ایک نہایت بہتر انعام دیا جائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ ان معموں کے حل کرنے میں وہ اپنی ہی محنت و سمجھ سے کام لے۔ تمام حل پرچہ کی آئندہ تاریخ اشاعت تک اڈیٹر کے پاس پہونچ جانے چاہئیں۔

احمد اور محمود انڈے جمع کرنے کی کوشش کررہے تھے۔ ایک دن احمد نے دیکھا کہ چند انڈے ایک مربع شکل جھیل کے اندر ایک مربع صورت جزیرے میں پڑے ہوئے ہیں اور چونکہ اُسے کوئی اتنا بڑا تختہ نہیں ملا جسے جزیرہ اور زمین کے درمیان بچھا کر وہ جاتا اور انڈے وہاں سے اُٹھا لاتا۔

دوسرے دن محمود انہی انڈوں کی تلاش میں جاتا ہے اور آس پاس سے دو چھوٹے چھوٹے تختے اٹھا لاتا ہے جنمیں سے کوئی ایک بھی اس قدر لمبا نہیں ہے جو اس سرے سے جزیرہ تک پہنچ جائے۔ لیکن وہ انہی سے کام لے کر جزیرہ پر جاتا ہے اور انڈے اُٹھا لاتا ہے۔ بتاؤ کہ وہ جزیرے پر کیسے پہنچا؟

ایک شخص آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھتا ہے اور دیکھکر کہتا ہے "میرے بھائی بہن کوئی نہیں لیکن اس آدمی کا باپ میرے باپ کا بیٹا ہے"۔ بتاؤ کہ آئینہ میں وہ عکس کس کا ہے؟

حامد اور مسعود گھنٹہ گھر کے پاس کھڑے تھے کہ انہوں نے چھ بجتے ہوئے سنا۔ حامد نے اپنی جیبی گھڑی نکالی اور دیکھکر مسعود سے کہا کہ "چھ بجنے میں ۳۰ سکنڈ لگے ہیں"۔ یہ سنکر مسعود نے کہا "تو پھر بارہ بجنے میں کتنے سکنڈ لگیں گے"؟ حامد بولا "۶۰ سکنڈ"۔

بتاؤ کیا یہ جواب صحیح ہے؟

ممتاز نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ "کل میں نے ایک عجیب تماشہ دیکھا۔ دو چڑیاں ایک کھیت میں کھڑی تھیں۔ ایک کا منہ شمال کی جانب تھا اور دوسری کا جنوب کی طرف لیکن پھر بھی وہ ایک دوسرے کو بلا مڑے دیکھ سکتی تھیں"۔ بتاؤ کہ یہ کیسے ممکن تھا؟

اختر اپنے گھر سے سائیکل پر روانہ ہوا تاکہ اپنے عزیز کے مکان پر جائے جو دس میل کے فاصلہ پر تھا۔ جب وہ موڑ پر پہنچا تو اُس نے دیکھا کہ وہ کھمبا گر گیا ہے جس پر مختلف راستوں کے نام لکھے ہوئے تھے اور کسی نے اسے نیچے چوراہے میں ڈال دیا ہے۔ لیکن اُس نے ذرا دیر سوچا اور صحیح راستے کا پتہ چلا لیا۔ بتاؤ کہ اُس نے ایسا کیونکر کیا۔

ایک مینڈک ایک کنوئے میں جو ۳۰ فیٹ گہرا تھا گر پڑا۔ اُس نے جب اُس سے نکلنا چاہا تو ہر روز دن میں وہ ۳ فیٹ اوپر آتا لیکن رات میں ۲ فیٹ کھسککر نیچے چلا جاتا۔ بتاؤ کہ اُس کو اوپر آنے میں کتنے دن لگے؟

ایک شکاری کتا ایک خرگوش کو پکڑنے کے لئے اُس کا پیچھا کر رہا تھا لیکن خرگوش اس کتے سے ۶۰ چھلانگیں آگے تھا اور جتنی دیر میں کتا ۲ چھلانگیں مارتا خرگوش ۳ چھلانگیں مارتا۔ لیکن جتنا فاصلہ خرگوش ۹ چھلانگوں میں طے کرسکتا تھا اتنا خرگوش ۳ چھلانگوں میں پورا کر لیتا۔ تو بتاؤ کہ کتے نے کتنی چھلانگوں میں خرگوش کو پکڑا؟

ایک گاڑی نیویارک سے سین فرانسسکو ہر روز ۹ بجے صبح کو چھوٹتی ہے اور دوسری سین فرانسسکو سے نیویارک ہر روز اسی وقت روانہ ہوتی ہے۔ ان میں سے ہر ایک کو براعظم طے کرنے میں ۵ دن لگتے ہیں۔ فرض کرو ایک شخص ان میں سے کسی پر سفر کرتا ہے تو اس کو دوسری طرف سے آتی ہوئی کتنی گاڑیاں ملیں گی؟

ایک شخص کے پاس دو موم بتیاں تھیں جنمیں سے ایک دوسری سے ایک انچہ بڑی تھی۔ بڑی بتی کو اُس شخص نے ۴½ بجے جلایا اور چھوٹی کو ۶ بجے۔ ۸½ بجے وہ دونوں کی دونوں برابر ہوگئیں۔ بڑی بتی ۱۰½ بجے بجھی اور دوسری ٹھیک ۱۱ بجے۔ بتاؤ جلانے سے پہلے ان دونوں کی لمبائی کیا تھی؟

ایک شخص نے ہوٹل میں اپنے گھر کے کچھ لوگوں کی دعوت کی۔ مالک ہوٹل نے جب اُس سے پوچھا کہ آپ لوگ کتنے آدمی ہیں تو اس نے جواب دیا کہ ہم میں باپ، ماں، چچا، چچی، بہن، بھائی، بھتیجا، بھتیجی اور بھانجے ہیں۔ بتاؤ کم سے کم اس جماعت میں کتنے آدمی تھے؟

قصے اور کہانیاں

(سید نذیر نیازی صاحب بی اے استاد جامعہ)

ایک جرمن مسخرا

پانچ سو برس گذر چکے ہیں لیکن ابھی تک لوگ اس مسخرے کو نہیں بھولے جس کا نام ٹل اوئین اشپیگل تھا اور جس کا یہ مشغلہ تھا کہ دنیا میں گھومے اور لوگوں کو اپنی شرارتوں سے تنگ کرے۔ بالعموم وہ یہ کرتا کہ اس سے جو بات جن الفاظ میں کہی جاتی وہ اس پر لفظ بلفظ عمل کرتا۔ ایک مرتبہ ایک حجام نے اسے اپنا شریک کار بنایا اور چونکہ وہ اس وقت گھر نہیں جا رہا تھا اس لئے چاہتا تھا کہ اسے اپنے مکان کا پتہ بتا دے۔ اس نے ایک سرخ مکان کی طرف جو مارکیٹ میں واقع تھا اور جس کی کھڑکی اوئین اشپیگل کے سامنے کھلی تھی اشارہ کرتے ہوئے کہا "جاؤ وہاں چلے جاؤ اور میرا انتظار کرو"۔ ٹل نے اس کے الفاظ "وہاں چلے جاؤ" گویا کھڑکی میں سے چلے جاؤ سے فائدہ اٹھایا اور بجائے دروازے کے کھڑکی کے راستے سے مکان میں داخل ہوا جس سے اس کے قیمتی شیشے ٹوٹ گئے۔ جب حجام واپس آیا اور اس نے دیکھا کہ اس کے نئے ساتھی نے کیا خدمت سرانجام دی ہے تو اس نے اسے حکم دیا "جس راستے سے آیا ہے اسی سے واپس چلا جائے"۔ اب ٹل نے ایک دوسری کھڑکی کو توڑ ڈالا اس لئے کہ وہ صرف اسی راستے سے واپس جا سکتا تھا جس سے آیا تھا۔

ایک دوسرے شخص نے اسے یہ کہہ کر نوکر رکھا کہ تم کو صرف آدھا کام کرنا ہوگا۔ اب کیا تھا ٹل کو بہر موقع ملا کہ ہر کام کو ادھورا چھوڑ دے۔ جب وہ شہر جاتا تو آدھے راستے ہی سے واپس لوٹ آتا۔ جب اس سے کہا جاتا کہ گاڑی تیار کرے تو ایک ہی گھوڑا جوتتا۔ اگر اس سے ایندھن منگوایا جاتا تو بجائے ایک کے نصف گٹھا اٹھا لاتا۔ یہ اس لئے کہ اس سے صرف آدھا کام کرنے کے لئے کہا گیا تھا۔ بالآخر اس کے آقا نے تنگ آکر حکم دیا کہ وہ اس کا گھر خالی کر دے۔ ٹل اوئین اشپیگل نے اس حکم کو لفظ بلفظ پورا کیا اور اپنے آقا کی غیر حاضری میں گھر کا سارا اثاثہ میز کرسیاں بنچ وغیرہ اٹھا کر باہر پھینکدیں۔

ایک دفعہ اس نے ایک اسپ فروش سے ۲۴ اشرفیوں میں ایک گھوڑا خریدا اور اس سے یہ طے کیا کہ نصف رقم تو وہ فوراً ادا کر دے گا لیکن باقی ۱۲ اشرفیاں اس پر قرض رہیں گی۔ بہت دنوں بعد جب اسپ فروش نے اسے یاد دلایا کہ اس کی رقم اس کے ذمے باقی ہے اور اس کی ادائگی پر اصرار کیا تو ٹل نے اسپ فروش سے کہا کہ وہ اپنے معاہدے کو نہ بھولے جس میں یہ طے ہوا تھا کہ ۱۲ اشرفیاں اس پر قرض رہیں گی۔

ایک مرتبہ اسے کولن کی ایک سرائے میں دن بھر کھانے کا انتظار کرنا پڑا۔ جب سرائے والی نے دیکھا کہ وہ نہایت بے صبر ہو رہا ہے تو کہنے لگی "جو شخص اتنا انتظار نہیں کر سکتا کہ کھانا تیار ہو جائے اسے چاہئے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے کھا لے"۔ ٹل یہ سنتے ہی میز پر بیٹھ گیا اور ایک نمکین کیک کو جو اس نے احتیاطاً اپنے ساتھ رکھ لیا تھا کھانا شروع کیا۔ اب جب کھانا آیا اور اس کے سامنے ایک بڑی روٹی رکھدی گئی تو اس نے اس کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا بلکہ یہ طے کیا کہ اسے صرف اس کی بو باس پر قناعت کرنی چاہئے۔ کھانے کے بعد جب سرائے والی نے ہر مہمان سے داموں کا مطالبہ کیا تو ٹل نے کہا "میں کھانے کی قیمت کیوں ادا کروں؟ میں نے تو نہ کچھ کھایا ہے نہ پیا"۔ اس پر سرائے والی نے کہا کہ "تم کھانے میں تو موجود تھے۔ جس قدر چاہتے کھا لیتے اور اب اگر تم محض اس کی بو باس سے سیر ہو گئے ہو تو اس میں میرا تمہارا دونوں کا فائدہ ہے۔ تم کو ضرورت سے زیادہ پیٹ بھرنے کی زحمت نہیں ہوئی"۔ ٹل نے جیب سے روپیہ نکالا اور اسے سرائے والی کے سامنے پھینک کر کہنے لگا "کیا اس کی جھنکار مزے کی نہیں ہے؟" سرائے والی نے کہا "بیشک"۔ لیکن جب اس نے روپیہ اٹھانے کے لئے ہاتھ بڑھایا تو ٹل نے اسے روک دیا اور کہا "چونکہ میں تمہاری روٹی کی بو باس سے سیر ہو گیا تھا اس لئے تم بھی میرے روپیہ کی جھنکار پر قناعت کرو"۔ اس پر دوسرے مہمان ہنسے اور سرائے والی کو مجبور کیا کہ ٹل کو بغیر کچھ قیمت لئے رخصت کر دے۔ انہوں نے ازرہ شرارت یہ بھی پوچھا "اوئین اشپیگل کے روپے کی جھنکار کو کہاں رکھو گی؟"

ٹل اوئین اشپیگل ۱۳۵۰ء میں جرمنی کے ایک چھوٹے سے گاؤں موئلین میں پیدا ہوا تھا۔ اس کا قاعدہ تھا کہ جب کبھی کہیں کوئی شرارت کرتا تو اس کے نتائج سے بچنے کے لئے دروازے پر ایک آئینے اور ایک الو کی شکل بنا لیتا اور اس کے نیچے لکھدیتا "یہ اس کا فعل ہے"۔ نہ صرف جرمنی بلکہ بعض دوسرے ممالک میں بھی جو کوئی شرارت ہوتی ہے اسے اب تک لوگ ٹل اوئین اشپیگل کی طرف منسوب کر دیتے ہیں۔

(ترجمہ از جرمن)

ایک لڑکے کی حبّ الوطنی

۱۹۳۲ء کا ذکر ہے کہ استاگل (جنوبی فرانس) کے ابتدائی مدرسہ میں ایک لڑکا پڑھا کرتا تھا جسکی عمر سات برس کی تھی۔ اُس کا نام فرانسس آراگو تھا اور وہ اپنے درجہ میں بہترین طالب علم تھا۔

اس زمانہ میں فرانس اور اسپین کے درمیان لڑائی چھڑی ہوئی تھی اور بہت سے فرانسیسی سپاہی ہر روز استاگل میں سے باجا بجاتے ہوئے گذرا کرتے تھے۔

ایک روز کمسن فرانسس سپاہیوں کو دیکھنے کے لئے علی الصبح گاؤں کے میدان میں چلا آیا لیکن اس نے کیا دیکھا کہ جو لوگ چلے آرہے ہیں وہ فرانسیسی سپاہی نہیں بلکہ ہسپانی سوار ہیں۔

یہ لوگ نہایت خاموشی سے گاؤں کی طرف چلے آرہے تھے۔ معلوم ہوتا تھا اُن کا مقصد یہ ہے کہ اگر موقع ملے تو ہسپانوی فوج کو یہاں لے آئیں۔

کمسن فرانسس انھیں دیکھتے ہی اس زور سے چلایا کہ گاؤں میں ایک شور مچ گیا۔ سونے والے جاگ اُٹھے۔ ہر طرف ایک ہنگامہ بپا تھا۔ لوگ اپنے ہتھیاروں کی طرف جھپٹے اور تیر تلوار جو اُن کے ہاتھ لگی اُسے لیکر دشمن کی طرف بڑھے۔

کمسن فرانسس نے بھی ایک پرانی زنگ آلود تلوار اُٹھائی اور چپکے سے اپنے باپ کے پیچھے جاکر کھڑا ہوگیا۔

جب ہسپانوی سواروں نے دیکھا کہ گاؤں والے اُن کی طرف چلے آرہے ہیں تو وہ شروع شروع میں تو کچھ گھبرائے لیکن پھر مقابلے کے لئے تیار ہوگئے ان میں سے ایک نے فرانسس کے باپ کی طرف بندوق کا رخ کیا۔

خوش قسمتی سے بہادر فرانسس ہسپانوی سوار کا مطلب سمجھ گیا۔ وہ ایک ننھی سی بلّی کی طرح جھپٹکر گھوڑے کی ٹانگوں میں گھس گیا اور نہایت پھرتی سے ہسپانوی سوار کی بندوق پر ایک ایسی ضرب لگائی جس سے معاملہ دگرگوں ہوگیا۔

تھوڑی ہی دیر میں یہ لوگ گاؤں والوں کے ہجوم میں گھر گئے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ ساری کامیابی ننھے فرانسس کی تھی۔

فرانسس صرف ایک بہادر لڑکا ہی نہ تھا بلکہ نہایت محنتی طالب علم بھی تھا آگے چلکر وہ ایک بہت بڑا حب الوطن اور عالم و فاضل ثابت ہوا۔ یہ وہی فرانسس ہے جسکی بدولت ستاروں کی روشنی اور بجلی کے متعلق بہت سی اہم معلومات (حاصل ہوئیں)

کوائفِ جامعہ

(ہمارے کوائف نگار خصوصی کے قلم سے)

۵ مئی کو بعد نماز مغرب جامعہ کے مدرسہ شبینہ کے ورزشی کھیلوں میں کامیابی حاصل کرنیوالے طلباء کو جناب عبدالرحمٰن صاحب وکیل کے ہاتھوں انعامات تقسیم کئے گئے جلسے کی ابتدا تلاوت کلام مجید سے ہوئی۔ بعدازاں جناب حافظ فیاض احمد صاحب مہتمم مدرسہ شبینہ نے سال گذشتہ کی رپورٹ پڑھی۔ اس کے بعد مدرسہ شبینہ کے ایک طالبعلم کفیل احمد خاں نے ایک مختصر تقریر کی جسمیں مدرسہ شبینہ سے ایک سال کے عرصہ میں اُس نے جو فوائد حاصل کئے تھے انکا ذکر کیا اور طلبا کی جانب سے جناب صدر و مہمانوں کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد جادو کی لالٹین سے الف لیلہ کے مشہور قصے (سند باد جہازی) کی تصاویر دکھائی گئیں۔ انعامات تقسیم کرنے کے بعد جناب عبدالرحمٰن صاحب نے ایک تقریر فرمائی جسمیں آپ نے فرمایا کہ "مجھے ان طلبا کو دیکھکر نہایت مسرت ہوئی۔ مدارس شبینہ کی تحریک ملک کی موجودہ حالت میں اور خاصکر مسلمانوں کے لئے بہت ضروری ہے۔ جامعہ کو اس کام کی ابتدا کرنے پر میں دلی مبارکباد دیتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ شیخ الجامعہ صاحب جنہوں نے اپنی زندگی قومی تعلیم کے لئے وقف کی ہے انکی اور اُن کے رفقا کی کوششوں سے چند ہی سال کے عرصے میں یہ تحریک عام ہوگی اور کم از کم قرولباغ میں تو ایک متنفس بھی ایسا نہ ہوگا جو پڑھنے لکھنے سے ناواقف ہو"۔ بعدازاں شیخ الجامعہ صاحب نے جناب صدر کا شکریہ ادا کیا اور طلبا نے قومی ترانہ سنایا۔

---

۱۲ مئی کو صبح ۸ بجے جامعہ کے مرکزی دارالاقامۃ کا الوداعی جلسہ جناب شیخ الجامعہ صاحب کی صدارت میں منعقد ہوا۔ تلاوت کلام مجید کے بعد نگراں دارالاقامۃ جناب شفیق الرحمٰن صاحب و وارڈن پروفیسر کلاٹ صاحب کی تقریریں ہوئیں۔ کلاٹ صاحب نے اپنی تقریر میں طلبار کو اپنے اندر قوانین کی پابندی، ذمہ داری کا احساس اور خدمت خلق کے اعلیٰ جذبات پیدا کرنے کی نصیحت کی۔ آپ نے طلبا کو اپنی جسمانی صحت اور دماغی و اخلاقی حالت کی اصلاح کی طرف توجہ دلائی۔ کلاٹ صاحب کی تقریر کے بعد طلبا سے دارالاقامۃ کی جانب سے معین الدین حارث صاحب نے جناب شفیق الرحمٰن صاحب و کلاٹ صاحب کا اُن کے اس محبت آمیز برتاؤ کی وجہ سے جو سال بھر انہوں نے طلبا کے ساتھ روا رکھا شکریہ ادا کیا۔ بعدازاں شیخ الجامعہ

صاحب نے طلبا کو انعامات تقسیم کئے جو نگران دارالاقامۃ نے پابندی نماز، پابندی قوانین وغیرہ مختلف خوبیوں کی وجہ سے بعض طلبا کو اپنی طرف سے پیش کئے تھے۔

---

۱۳ مئی کی شب کو جامعہ میں الوداعی دعوت طعام ہوئی جسمیں علاوہ دارالاقامۃ کے طلبا کے جامعہ کے اسکالرز اور اساتذہ جامعہ نے بھی شرکت کی۔ بعد طعام ناظم مجلس طعام محمد علی صاحب بہاری نے اپنی رپورٹ سنائی۔ طلبا کی طرف سے عبدالحمید صاحب زبیری نے مجلس طعام کا شکریہ ادا کیا۔ اس کے بعد شیخ الجامعہ صاحب نے بعض طلبا کو جنھوں نے جامعہ کے چھوٹے بچوں کے قلمی رسالے "گلشن" میں اچھے مضامین لکھے تھے انعامات تقسیم کئے اور یہ دلچسپ صحبت ختم ہوئی۔

---

۱۴ مئی کو بعد نماز عصر جامعہ کے دارالصبیان میں زیر صدارت جناب شیخ الجامعہ صاحب الوداعی جلسہ ہوا۔ نگران دارالاقامۃ جناب ارشاد الحق صاحب نے اپنی افتتاحی تقریر میں فرمایا "جناب والا۔ تقریر کرنا میری طبیعت کے خلاف ہے۔ یہ ایک کمزوری ہے جسے میں نے بارہا محسوس کیا ہے اور آج بھی محسوس کر رہا ہوں لیکن مجھے اس کا افسوس نہیں کیونکہ تقریر کرنے کے جوش میں میں جھوٹی باتیں نہیں کر سکتا، چھوٹی بات بڑی بنا کر بیان نہیں کر سکتا، نہ میں ایسے وعدے کر سکتا ہوں جنکا ایفا میرے لئے مشکل ہو۔ آپ نے اس سال میرے سپرد ایسا کام کیا تھا جسکا میں اہل نہ تھا اور اسی وجہ سے میں اسے کما حقہ انجام نہ دے سکا۔ میں نے اس سال بھر میں ان چھوٹے بچوں کی جو خدمت کی ہے اسے میں بیان نہیں کرنا چاہتا۔ میں نے جو کچھ کیا وہ آپ کے سامنے موجود ہے۔ مجھے ان بچوں سے کسی قسم کی شکایت نہیں۔ وہ اب گھر جا رہے ہیں اور مجھے ان کی جدائی سے تکلیف ہو رہی ہے۔ ان میں سے اکثر کو میں نے سزائیں بھی دیں لیکن وہ بھی اس لئے تھیں کہ انکی محبت میرے دل میں تھی اور انکی اصلاح پیش نظر"۔ ارشاد الحق صاحب کی تقریر کے بعد شیخ الجامعہ صاحب نے طلبا کو انعامات تقسیم کئے۔ انعامات مختلف خوبیوں کی بنا پر رکھے گئے تھے۔ بعض تو نماز کی اور قوانین دارالاقامۃ کی پابندی کے لئے تھے۔ بعض صفائی کی خاطر اور بعض تعلیمی حالت اچھی ہونے کی وجہ سے۔ ایک طالبعلم نے سب سے کم شکایتیں کرنے کی وجہ سے انعام پایا تو دوسرے نے اس وجہ سے کہ اور لوگوں نے سال بھر میں اُس کی شکایتیں بہت کم کیں۔ انعامات تقسیم ہونے کے بعد مولانا سعد الدین صاحب انصاری کی تقریر ہوئی۔ مولانا نے اپنی تقریر میں طلبا کو اپنے گھروں پر پہونچنے کے بعد اپنے نمونے سے اپنے والدین پر اچھا اثر ڈالنے کی نصیحت کی۔ نماز کی پابندی کی تاکید کی اور بڑوں کا ادب چھوٹوں سے پیار، صفائی اور اسی قسم کی دیگر ضروری باتوں کے متعلق نصیحتیں کیں اور ہر طالبعلم کو ایک دستی پرچہ تقسیم کیا جس پر ۱۲ باتیں لکھی ہوئی تھیں جنکا خیال رکھکر وہ اپنے آپ کو اچھے بچے اور جامعہ کو ایک اچھی تعلیم گاہ ثابت کر سکتے ہیں۔ مولانا کی تقریر کے بعد شیخ الجامعہ صاحب نے ایک مختصر تقریر فرمائی جسمیں جناب ارشاد الحق صاحب کے کام کی بہت تعریف کی اور لڑکوں کو بھی بعض ضروری باتیں بتائیں۔

مدرسہ جامعہ کے سالانہ امتحانات ۶ مئی سے شروع ہو کر ۱۳ مئی کو ختم ہوئے۔ ۱۵ مئی کو صبح ۸ بجے تمام طلبا کو نتیجہ امتحان سنایا گیا۔ جو طلبا ایک دو مضامین سے زائد میں فیل تھے انہیں ترقی نہیں دی گئی۔ جو صرف ایک مضمون میں فیل تھے یا کسی مجبوری کی وجہ سے امتحان میں شریک نہ ہو سکے تھے اُن کے ساتھ یہ رعایت کی گئی ہے کہ تعطیلات کے بعد انہیں پھر امتحان دینے کا موقع دیا جائے گا۔

---

۱۶ مئی سے جامعہ تعطیلات کلاں کی وجہ سے بند ہو گئی ہے۔ اکثر طلبا اور اساتذہ اپنے اپنے گھر چلے گئے ہیں۔ ۳۱ جولائی تک جامعہ میں تعطیل رہیگی اور انشاءاللہ یکم اگست سے جامعہ کی نئی تعلیمی سال کا آغاز ہوگا۔

نتائج امتحانات

نتیجہ امتحانِ جامعہ

جامعہ جونیر یا ثانوی سوم (میٹرک)

(۱) عبدالواحد سندھی — درجہ دوم
(۲) احسان محمد ریڈی — " دوم
(۳) ظہیر الدین محمد صدیقی — " سوم
(۴) عبدالغفار مولوی — انگریزی میں ضمنی امتحان ہوگا
(۵) شیخ اعجاز احمد — ریاضی " "

نتیجہ امتحان مدرسۂ جامعہ

ذیل میں کامیاب طلبا کی فہرست درج کیجاتی ہے لیکن ان میں سے بعض ایسے ہیں جو ایک یا دو مضمونوں میں کمزور ہیں جن میں اُن کا امتحان جامعہ

کھلنے پر پیر سے ہوگا اللہ جن کی اطلاع انہیں دفتر مدرسہ سے ہو جائے گی۔

ثانوی چہارم:-

(۱) فیروز الدین	اول	(۳) فضل الرحیم خاں
(۲) عابد علی		(۴) عبد الستار خاں

ثانوی دوم:-

(۱) محمد شعیب انصاری

ثانوی اول:-

(۱) فیاض احمد		(۷) نذیر حسین
(۲) ابوبکر نصیر الدین محمود		(۸) غلام ربانی
(۳) امتیاز حسین		(۹) محفوظ الرحیم
(۴) حسین بن صالح		(۱۰) قدوس عالم
(۵) نور علی محمد شاہ		(۱۱) محمد صدیق شاہ
(۶) عبد الواحد	اوّل	

ابتدائی پنجم:-

(۱) شاہ عزیز الرحمن	اوّل	(۶) مرزا محمد واحد
(۲) عبد الرحمن		(۷) محمد خاں
(۳) محمد صدیق بیگ		(۸) سید محمد سعید
(۴) محمد اسحٰق		(۹) عمر بن حسین
(۵) اشفاق حسین		

ابتدائی چہارم:-

(۱) شیخ حسن		(۹) شاکر علی
(۲) سید محتشم حسین		(۱۰) سید یاور عباس
(۳) عالی قدر نبی احمد		(۱۱) سید ممتاز خاں
(۴) بشیر احمد	اوّل	(۱۲) مسعود اختر
(۵) معین الدین		(۱۳) عرفان الحق
(۶) محمد طیب		(۱۴) عبد الماجد
(۷) سید حسن مہدی		(۱۵) محمد السمیع
(۸) ساجد علی		

ابتدائی سوم:-

(۱) ابو البرکات		(۱۱) عنایت احمد
(۲) صالح بن احمد		(۱۲) ذکر الرحمن
(۳) محمد اعظم		(۱۳) رضوان الحق
(۴) محمد سعید		(۱۴) الطاف احمد
(۵) محمد اسمٰعیل		(۱۵) حفیظ الرحمن
(۶) محمد عقیل جعفری		(۱۶) حفاظ الرحیم
(۷) سید فخر الدین شاہ		(۱۷) سید عبد العزیز
(۸) سراج الدین		(۱۸) محمود احمد خاں
(۹) محمد دین		(۱۹) آفتاب احمد
(۱۰) عبد الرحمن	اوّل	

ابتدائی دوم:-

(۱) محسن بن صالح		(۶) عبد الرزاق
(۲) ماشاء اللہ		(۷) امین الدین
(۳) نذیر احمد		(۸) ممتاز احمد
(۴) محمد عثمانی		(۹) انیس الرحمن
(۵) واجد حسین	اوّل	

ابتدائی اوّل:-

(۱) محمد اسمٰعیل	اوّل	(۵) سید محسن فریدی
(۲) محمد الیاس		(۶) شفیق احمد خاں
(۳) نور حسین		(۷) نواب میر خاں
(۴) محمد عظیم		

مکتب:-

(۱) سید داؤد عباس	(۴) عبد الحمید
(۲) سید عباس فریدی	(۵) ریحان الحق
(۳) رحیم احمد	(۶) محمد احمد

فائق ہوئیں۔

فرانسس آراگو کا نام اہل فرانس بڑے فخر سے لیتے ہیں۔ اگر ہم آراگو کی سی لیاقت حاصل نہیں کر سکتے تو ہمیں چاہیے کہ اُس کا سا حوصلہ پیدا کریں
(ترجمہ از فرانسیسی)

اردو اکادمی کی آیندہ شائع ہونیوالی کتابیں

۱۔ مسئلہ چین انگلستان کے مشہور فلسفی اور سیاست داں برٹرینڈ رسل کی معرکۃ الآرا تصنیف The Problem of China کا ترجمہ از مرزا جمیل احمد خاں صاحب سابق جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ قیمت عار

یہ کتاب مئی ۲۶ء میں شائع ہو جائے گی

۲۔ آزادی جان اسٹورٹ مل کی شہرۂ آفاق تصنیف Liberty کا ترجمہ از سعید انصاری صاحب بی۔ اے (جامعہ) رفیق اردو اکادمی و مدیر پیام تعلیم۔ جون ۲۶ء میں شائع ہو جائے گی۔ قیمت عا

۳۔ عربوں کا تمدن فاضل جرمن مستشرق جوزف ہل کی کتاب Die Kultur der Araber کا ترجمہ از سید نذیر نیازی صاحب بی۔ اے (جامعہ) قیمت ۶

جولائی ۲۶ء میں شائع ہو جائے گی۔

۴۔ عقد اجتماعی فرانس کے مشہور فلسفی ژاں ژاک روسو کی معروف ترین تصنیف Social Contract کا اردو ترجمہ از مولوی محمد مسلم صاحب ایم۔ اے سابق رکن شعبۂ تصنیف و تالیف جامعہ مع مقدمہ پروفیسر محمد مجیب صاحب بی۔ اے (آکسن) استاذ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی۔ کتاب انشاء اللہ اگست ۲۶ء میں شائع ہو جائے گی۔

۵۔ معاشیات قومی فریڈرک لسٹ کی کتاب Das Nationale system der politischen Ökonomie کا براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ از ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ ڈی (برلن) استاذ معاشیات و شیخ الجامعہ جامعہ دہلی قیمت صہ ستمبر ۲۶ء میں تیار ہو جائیگی۔

۶۔ بانی اسلام جرمن مستشرق ولہاوزن کے مضمون کا ترجمہ جو Mohammad کے عنوان سے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی نویں جلد میں ہے اور جو مع حواشی اور مقدمہ کے کتابی صورت میں اکتوبر ۲۶ء تک شائع ہو جائیگا از مولوی عبد العلیم صاحب اسراری بی۔ اے (جامعہ) رفیق اردو اکادمی قیمت عہ

۷۔ آزادی کی راہیں برٹرینڈ رسل کی دوسری تصنیف Roads to Freedom کا اردو ترجمہ از جناب حامد علی خاں صاحب بی۔ اے (جامعہ) نومبر ۲۶ء تک چھپکر شائع ہو جائے گی۔ قیمت عہ

۸۔ نفسیات شباب جرمنی کے مشہور عالم نفسیات و فلسفۂ تعلیم و تمدن کے ماہر پروفیسر ایڈورڈ اشپرانگر کی تازہ تصنیف Psychologie des Jugendalters کا براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ از ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب۔

دیوان غالب (پاکٹ ایڈیشن)

مطبوعہ شرکت کاویانی (برلن)۔ خوبصورت ملائم جلد۔ سنہرے دلفریب نقش و نگار۔ طلائی اوراق اور مرزا غالب کی رنگین عکسی تصویر

قیمت صرف للعہ

دیوان شیدا

مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خاں صاحب کے فارسی اور اردو کلام کا مجموعہ۔

پاکٹ سائز۔ جلد سنہری۔ نہایت خوبصورت۔ اوراق مطلا۔ جرمن ہنرمندی کا اعلیٰ نمونہ۔

قیمت صرف ۶

مبادی معاشیات جرمنی کی مشہور معاشی تصنیف کا ترجمہ از پروفیسر ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب قیمت عہ

تاریخ فلسفہ اسلام پروفیسر دی بوئر کی تصنیف کا ترجمہ از ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب قیمت ۲

مفصل فہرست مکتبہ جامعہ ملیہ قرولباغ دہلی سے منگائیے

ملنے کا پتہ:۔ مہتمم مکتبہ جامعہ ملیہ، قرولباغ دہلی

پھر نہ کہئے ہمیں خبر نہ ہوئی

اُٹھو وگرنہ حشر نہیں ہوگا پھر کبھی　　　دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

سجاد علی انصاری مرحوم بی ۔ اے (علیگ) ایل ۔ ایل ۔ بی وکیل بارہ بنکی (اودھ) کے

مضامین کا مجموعہ "محشر خیال" ختم ہو رہا ہے

جس پر تقریباً جملہ مقتدر و مستند رسائل نے بہترین تبصرے کئے ہیں (نمونہ کے طور پر رسالہ "نیرنگ خیال" عید نمبر کا ریویو ملاحظہ ہو۔ نیز کہکشاں، نئی حرت دوسرے جرائد مثلاً زمیندار ۔ اردو ۔ جامعہ وغیرہ نے بھی ان مضامین کی ادبی خوبیوں کو سراہتے ہوئے اس دلکش مجموعہ کا شاندار خیر مقدم کیا ہے ۔ ظاہری محاسن سے مالامال ۔ حسین ترین جلد سنہرے حروف میں نام ۔ شروع میں مرحوم کا فوٹو بھی ہے ۔

یاد رکھئے اگر اس مرتبہ آپ یہ نادر گلدستہ نہ حاصل کر سکے تو طبع ثانی کے لئے سخت زحمت انتظار سے آپ کو دوچار ہونا یقینی ہے اس لئے آج ہی بلکہ ابھی فرمائشی کارڈ روانہ فرما دیجئے کیونکہ کُل ڈھائی سو میں سے

اب صرف پچاس جلد باقی ہے

ریویو۔ ابتداءً ہی یہ کہہ دینا ہے کہ یہ مجموعہ اردو کے نوادر میں شامل ہونے کے قابل ہے اور "افادات مہدی" کے سوا ایسی طرز نثر اور کہیں نظر نہیں آسکتی ہماری بدقسمتی کہ "افادات مہدی" کے مصنف بھی مرحوم ہیں اور محشر خیال کے مصنف بھی مرحوم ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان لوگوں کو مردہ کہنا چاہئے ۔ ادبیات کی دنیا میں ان کا نام ہمیشہ کے لئے زندہ رہے گا ۔ "محشر خیال" انصاری مرحوم کی نظم و نثر دونوں کا مجموعہ ہے اور دونوں میں آزادی خیال اور طرز تحریر کی جدت خاص طور پر نمایاں ہے ۔ کئی بار تو ان کا شب خیال ایسی دوشیزہ زمینوں کو پامال کرتا ہے کہ ہم "رسم و رہ عوام" کے پابند جھجک کر رہ جاتے ہیں ان کی تحریر میں اسکروائلڈ کی سی شوخی ہے اور ویسی ہی فقرہ بازی ۔ لکھتے ہیں "محبت نام ہے چند احمقانہ اعتبار اور چند طفلانہ بے اعتباریوں کا" "حسن کائنات کا ایک نہایت لطیف راز ہے" "شرم و حیا صرف اس لئے ہے کہ حق نسوانی کا راز دنیا پر افشا نہ ہو جائے" "میرا دامن خیال معصیت فلسفہ کے داغ سے ہمیشہ پاک رہا اور جبتک محققین نفسیات کا عبرت آموز حشر نگاہوں کے سامنے ہے میں کبھی ارتکاب تحقیق کا مجرم نہیں ہو سکتا"۔ وسعت نظر کا اندازہ عنوانات سے کیجئے ۔ محبت کی ماہیت نفسی ۔ پیغام زندگی ۔ مذہب و اخلاق ، اجتہاد و تحقیق ۔ مسلمانان ہند و تحریک اصلاح ۔ محاسن و معاصی وغیرہ ۔ مذاق کی پاکیزگی ۔ کے لئے "روح ادب" کی تنقیص سے بڑھکر اور کیا ثبوت ہوگا پھر یہ فقرے ! "اقبال کو جب پڑھتا ہوں خدا یاد آتا ہے .... پیغمبری صرف مذاہب تک محدود نہیں ۔ زندگی کے ہر نظام میں ایک حقیقی پیغمبر رہتا ہے ۔ اقبال جب کہتے ہیں "مرا از شیشۂ ..." تو میں اُن پر اسی خلوص سے ایمان لاتا ہوں جس طرح روحیں پیمان الست کے سلسلہ میں ایمان لائی تھیں ۔ میں تنہا اخلاقی سیرت کا قائل نہیں اگر کوئی دل رکھتا ہے اور دماغ بھی ۔ آگے میں ان تمام ہستیوں پر ترجیح دیتا ہوں جنکی عمریں بعض محاسن کے ارتکاب میں ضائع ہوتی ہیں میرے نزدیک اقبال حقیقی معنوں میں فوق البشر ہیں" !! مگر اس مجموعہ میں معرکہ کی چیز انصاری مرحوم کا "نظریۂ شہادت" "حقیقت عریاں" اور "انسان" وغیرہ ایسے مضامین ہیں کہ محض اُن ہی کی اشاعت کسی مصنف کو زندۂ جاوید کر سکتی ہے ۔ "رعنائی خیال" کا اس سے زیادہ مرغوب نمونہ ملنا محال ہے ۔ ظاہر ہے کہ ایسے پر تفکر ادیب کے اشعار بھی خاص شان رکھتے ہوں گے ۔ ...... دنیائے ادب کو خواجہ منظور حسین ایم ۔ اے (علیگ) کا شکر گذار ہونا چاہیے کہ انہوں نے ان جواہر پاروں کو نہایت ہی شایان شان طریقہ سے شائع کیا ہے ۔ ہم دعوے سے کہہ سکتے ہیں کہ اُردو کی بہت کم کتابوں میں کتابت و طباعت اور کاغذ و جلد کی ایسی نفاست پائی جاتی ہے ۔ قیمت صرف عہ ۔　　　(نیرنگ خیال)

ملنے کا پتہ : ۔ شرکت ادبیہ قرول باغ ، دہلی

بُرہان

تفسیر سورۂ نور مصنفہ خواجہ عبدالحی صاحب استاذ تفسیر و ناظم دینیات جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

خواجہ صاحب کا سلسلۂ تفسیر "الفرقان فی معارف القرآن" کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ یہ کتاب بھی اسی مفید سلسلہ کی ایک کڑی ہے جس میں سورۂ نور کی تفسیر مصنف نے اپنے مخصوص انداز میں امت اسلام کے لئے پیش کی ہے یہ گذشتہ اپریل میں شائع ہوئی ہے۔

قیمت ایک روپیہ (عہ)

سلسلۂ تفسیر الفرقان فی معارف القرآن

الخلافۃ الکبریٰ (تفسیر سورۂ بقر) مجلد ... عہ

الصراط المستقیم (تفسیر سورۂ انفال و توبہ) ... ۶؍

بیان (تفسیر سورۂ آل عمران) ... ۱۲؍

سبیل الرشاد (تفسیر سورۂ حجرات) ... ۱۰؍

بصائر۔ (حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ) ... ۶؍

عبرت (تفسیر سورۂ یوسف) مجلد ... ۸؍

تاریخ اسلام کا یہ سلسلہ صحیح تاریخی اصول اور تحقیق و تنقید کے ساتھ اردو زبان میں پہلی بار شائع ہو رہا ہے۔ طرز تحریر نہایت سادہ اور زبان بہت ہی سلیس اور عام فہم ہے۔ مصنفہ مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری۔

(۱) سیرۃ الرسول ... ... ۸؍

(۲) خلافت راشدہ ... ... ۶؍

(۳) خلافت بنی امیہ ... ... ۸؍

(۴) خلافت عباسیہ حصہ اول ... ... ۶؍

(۵) " " " دوم ... ... ۶؍

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

بحکم جناب شیخ الجامعہ صاحب زیرِ اہتمام سید عابد حسین صاحب پرنٹر و پبلشر مطبع جامعہ ملیہ میں چھپکر دفتر "پیام تعلیم" سے شائع ہوا

تار کا پتہ - جامعہ دہلی — ٹیلیفون نمبر ۲۲۴۳

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

پیامِ تعلیم

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

قیمت سالانہ عہ
ششماہی ۱۲ ار
فی پرچہ ایک آنہ

خریداران رسالہ جامعہ سے
صرف ایک روپیہ
نمونہ مفت

ایڈیٹر: سعید انصاری بی اے (جامعی)

جلد ۳	۷ جون سنہ ۱۹۲۷ء	نمبر ۴

ہمارا علمی مدوجزر

یہ نظم مولوی اقبال احمد صاحب سہیل ایم اے ال ال بی وکیل نے مدرسہ اسلامیہ اعظم گڈھ کے سالانہ جلسہ مین پڑھی تھی۔ (ایڈیٹر)

سنا چاہو تو سن لو قصۂ جور خزان ہم سے
تڑپ جبھو تو ہے عیشِ خزان و عہد گل کی داستان ہم سے

کھلی ہین بند آنکھیں ہین اور یہ دشت غربت ہے
بیان کیا خاک ہوگی رونق دگلستان ہم سے

قفس کی تیلیان اب شاخ گل کا کام دیتی ہین
نہ جانے کب کا چھوٹا ہے ہمارا آشیان ہم سے

سنو یہ کارنامے کیا کہین اس دورِ پستی مین
کلیجہ منہ کو آتا ہے نکھلوا و زبان ہم سے

ہمارے جد نے پایا ہو شرف جس سے صداقت کا
یہ بدبختی کہ چھین جائے وہی جنس گران ہم سے

فروغ خلقت آدم فقط علم و بصیرت ہے
سنو کیا کہہ رہا ہے نص علمہ البیان ہم سے

ہوئے تھے تر زبان ہم کوثر علم لدنی سے
تو کیون سرسبز ہو جاتا چمن زار جہان ہم سے

فضائے قدس سے ٹپکی تھین بوندین چند شبنم کی
وہی قطرے بنے ہین آج بحر بیکران ہم سے

جمال یوسف فن چاہ گمنامی مین پنہان تھا
مگر اب ہو گیا یون زینت ہر کاروان ہم سے

ابھی تک گردنین خم ہین ہمارے بار احسان سے
یہ ارباب تمدن آج ہین گو سرگران ہم سے

دیا تاریخ کو یون مستقل فن کا شرف ہم نے
ہوا جغرافیہ یون سربراوج آسمان ہم سے

ادب ہو فلسفہ ہو یا طبیعی و ریاضی ہو
نہ تھا پلہ کسی کا یون کسی فن مین گران ہم سے

فلاحت مین صناعت مین تجارت مین سیاست مین
بہت پیچھے تھے ہر اک فن مین اپنا و طن ہم سے

پڑھایا اہل مغرب کو تمدن کا سبق ہم نے
بنا جنت نشان یون خطہ ہندوستان ہم سے

قدم جس ملک مین رکھا وہان شائستگی آئی
غرض اقبال نے باندھا تھا پیمان قران ہم سے

وہ میراث اب وجہ دہ متاع خاص مسلم کی
ہوئی مدت کہ ہوتی جا رہی ہے برگران ہم سے

تفوق جس سے حاصل تھا ہمین سارے زمانے پر
وہ گنج شائگان اب ہو چکا ہے رائگان ہم سے

یہ عالم ہے کہ اب ضرب المثل ہین ہم جہالت مین
مخالف ہو رہا ہے اس طرح دور زمان ہم سے

متاع علم کھو کر دولت دنیا بھی کھو بیٹھے
جہان مین کون ہے اب بڑھ کے مظلوم جہان ہم سے

نہ اب شان حکومت ہے نہ گنج علم و حکمت ہے
مگر ان مٹ رہے ہے ابروئے پاستان ہم سے

ہماری کفش برداری جنھین کل وجہ عزت تھی
وہی اب کے محابا کر رہے ہین سرخیان ہم سے

قیامت ہے وہ ملت یون ستم وقف خزان ہوکر
جو آئی تھی زمانے مین بہار جاودان ہوکر

ہمارے تعلیمی نظام کی خرابیان

یہ خیالات "غور کی" زبان سے نہین بلکہ "ابو ان" کے قلم سے نکلے ہین جنھین پیس راما کرشن صاحب نے بنگال کی مجلس اساتذہ کے دوسرے سالانہ اجلاس مین خطبہ صدارت کی صورت مین پیش کیا تھا۔ "ایڈیٹر"

ہندوستان کی تعلیمی پالیسی اپنی وسعت نظر اور اعلیٰ مقاصد کے اعتبار سے نہایت تنگ اور ناقص رہی ہے۔ اس سے جہان غیر ملکی حکومتون کے لئے اچھے اور عمدہ کام کرنے والے پیدا ہوسکے ہین، وہان ایک آزاد قوم کے لئے خوددار اور غیور شہری پیدا کرنے مین سرتاسر ناکام رہی ہے، اپنے وطن اور ملک کی محبت تمام ترقیون کی اصل بنیاد ہے، یہ نظریہ تقریباً تمام ملکون نے تسلیم کرلیا ہے، لیکن بدقسمتی سے ہمارے ملک مین ابھی تک ایسا نہین ہوا ہے۔ ایک محکوم قوم مین کبھی ہمت وجرات باقی نہین رہتی ہے، امید اور اعتماد نفس کے جذبات فنا ہوجاتے ہین، اپنی سیاسی غلامی کی وجہ سے ہم اپنے کو اس قابل ہی نہین سمجھتے کہ دنیا کی دوسری آزاد قومون کے دوش بدوش کھڑے ہوسکین، ہندوستان کی تاریخ پڑھانے کی یہ غرض ہوتی کہ تاکہ ہم یہ سبق حاصل کرسکین کہ ہندوستان ہمیشہ ناکام رہا ہے، سب سے بدتر غلامی وہ ہے جس سے ہم مین مایوسی اور بددلی، بداعتمادی اور پست ہمتی پیدا ہوتی، تعلیم کا مقصد تو یہ ہونا چاہئے کہ ہم مین قومی خودداری اور احساس نفس پیدا ہو، دولت وثروت اگر ہاتھ سے جاتی رہے تو آج نہین کل پھر واپس آسکتی ہے، لیکن اگر ہم مین قومی احساس فنا ہوگیا تو پھر ہماری لئے کوئی امید نہین، غربا مین تو پھر بھی زندگی آسکتی ہے لیکن مردون مین زندگی آنی دشوار ہے،

ہندوستان کی اس کثیر آبادی مین جس مین مختلف مذاہب اور اقوام کے لوگ شامل ہین ایک قومیت کا خیال پیدا کرنا اگرچہ بہت دشوار ہے لیکن محال نہین ہے، امریکہ کے اسکول ان مختلف النسل قومون کو جو سال بسال ملک مین آتی رہتی ہین، ایک رنگ کے اندر رنگنے مین بہت کامیاب ہوئے ہین، پھر کوئی وجہ نہین کہ ہم اس مین کامیاب نہون، بشرطیکہ ہمارے اسکول اور کالج اپنے نوجوانون کے اندر ایک قومی نصب العین پیدا کرنے کی طرف توجہ کرین اور ان کے اندر ان تمام موانعات کے دور کرنے کا صحیح جذبہ پیدا کرین جو قومیت کی راہ مین حائل ہوتے ہین ہمارے اسکول اور کالجون کو چاہئے کہ وہ تمام فرقہ وارانہ میلانات کو دبائین اور انہین یہ احساس پیدا کرین کہ وہ سب ایک کل کے اجزا ہین، ایک کشتی کے سوار ہین، جسکا ڈوبنا یا بچنا ایک ساتھ لکھا ہوا ہے، اگر ہم سب ایک ہی جہاز مین سفر کر رہے ہون اور اسی دوران مین آپس مین خانہ جنگی ہونے لگے تو پھر ہم سب کا منزل مقصود پر پہونچنا معلوم! فرقہ وارانہ جنگ وجدل قومی خودکشی کا دوسرا نام ہے،

تعلیم کی کمی،

یہ فرقہ وارانہ جنگ وجدل اسی وجہ سے ہے کہ ہماری تعلیم اپنی وسعت اور خصوصیت دونون لحاظ سے ناقص ہے، ہماری تعلیم یافتہ آبادی کا جو تناسب ہے وہ ناقابل قیاس ہے، ہمارے عوام الناس کی جسمانی اور دماغی پستی ان کے چہرون سے روشن ہے جس کا واحد سبب ہماری معاشی تباہی اور تعلیمی کمی ہے، انھین اپنے اوپر کوئی قابو نہین ہوتا اور وہ بہت زیادہ اپنے جذبات اور احساسات کے پابند ہوتے ہین، معمولی سے معمولی شے بھی ان کو جوش مین لانے کیلئے کافی ہے، ہمارے ہان لوگون کی تعلیم کافی نہین ہوتی یہی وجہ ہے کہ بعض خودغرض لوگ اپنے ذاتی اغراض کے لئے ان کے جذبات سے ناجائز فائدہ اٹھاتے ہین، اس کا واحد علاج یہ ہے کہ ان کے دماغ کو کافی تعلیم وتربیت دیجائے

ماضی سے بے پروائی

ہمارے اسکول اور کالجون مین جو تعلیم دیجاتی ہے، اس کا ایک بڑا نقص یہ بھی ہے کہ نوجوانون کو اپنے ماضی کی قدر ومنزلت کرنی نہین سکھائی جاتی ہم دو طرح کی دنیاؤن مین رہتے ہین، ایک عادتون کی دنیا ہوتی ہے جو اب بہت پرانی ہوچکی ہے، اور دوسری خیالات کی دنیا ہوتی ہے، جس کا کوئی اثر نہین ہوتا، قدیم وجدید خیالات ہمارے دماغ مین بلا کسی ترتیب وتنظیم کے جمع کر دیئے جاتے ہین، جدید مسائل پر ہم قدیم اصول کا اطلاق کرتے ہین اور وہ ان کے لئے جو زندہ عقائد تھے وہ اب زندون کے لئے مردہ عقائد ہوگئے ہین،

ماضی کی عزت کرنا ہماری قومیت کا ایک لازمی جزو ہے ہندوستان کے لئے یہ ناممکن ہے کہ وہ اپنے ماضی کو چھوڑ کر ایک غیر ملکی تہذیب مین فنا ہوجائے، ہم روح کا تبادلہ اس طرح نہین کرسکتے ہین جس طرح ہم مال واسباب کا لین دین کرتے ہین، ہم کو اپنے ماضی پر آئندہ کے لئے جدید خیالات کی بنیاد رکھنی چاہئے تاریخ مین ترقی وعروج کے بڑے بڑے دور دورہ ہوئے ہین جبکہ قومون نے اپنی ترقی وعروج کے تخم اپنے ماضی سے حاصل کئے ہین، کوئی قوم اپنے ماضی کو چھوڑ کر کبھی ترقی نہین کرسکتی ہے،

علمی بے بضاعتی

جہان ایک طرف یہ صحیح ہے کہ ہماری پبلک زندگی ہمارے رفاہ عام کے کامون اور ہمارے بڑے بڑے پیشون مین ہماری یونیورسٹیون نے بہت کچھ حصہ لیا ہے، وہان اپنی جگہ پر یہ بھی ناقابل انکار ہے کہ دنیا کے علوم و ادب اور فلسفہ و سائنس مین ہمارا کوئی حصہ نہین ہے، ہم آج اپنے ماضی پر بیجا فخر و مباہات کر رہے ہین، گویا یہ سمجھکر کہ ہمارے حال کا یہی ایک صلہ ہے، واقعہ یہ ہے کہ ہمارا ادبی ذخیرہ بالکل خالی ہے، ہمارے فنون بڑی حد تک مصنوعی اور بے اصل ہین، ہماری سائنس دوسرون کی مرہون منت ہے، ہمارا فلسفہ — وہ تو سرے ہی سے غائب ہے، ٹیگور اور بوس، رامن اور رمن مستثنیات مین داخل ہین جن سے اصل کلیہ کا مزید ثبوت ملتا ہے، اس افسوسناک صورت حال کی ذمہ داری تمامتر ہمارے کالجون اور یونیورسٹیون کے سر ہے، کالجون مین چار سال تک زندگی گزارنے کے بعد ہمارے طلبہ جب دنیا مین قدم رکھتے ہین تو ان کے تخیل اور دماغ روشنی سے بالکل عاری ہوتے ہین، حالانکہ یہ وہ زمانہ ہوتا ہے جبکہ وہ ہر طرح کے علمی و ذہنی تجربات حاصل کر سکتے ہین ہمارے کالجون مین ایک آزاد دماغی زندگی اور ذہنی ہمت اور حوصلہ کی کوئی تعلیم نہین دیجاتی، تنگ خیالی اور ذہنی پست ہمتی، یہ دو خطرات ہین جن پر ہمین قابو پانا چاہئے، اگر ہم چاہتے ہین کہ قومون کی دوڑ مین ہم دوسرون سے پیچھے نہ رہین تو ضرورت ہے کہ ذہنی بزدلی اور آزادی فکر کے خوف کو ہم دل سے بالکل نکال دین،

عملی زندگی سے بے تعلقی،

اس بات کی عام طور سے شکایت کی جاتی ہے کہ ہماری تعلیمگاہین ہماری عملی ضروریات کی کفیل نہین ہوتی ہین، ہندوستان دنیا کا ایک سب سے بڑا صنعتی ملک سمجھا جاتا ہے، پھر بھی ہمارے متوسط درجہ کی حالت حد درجہ افسوسناک ہے ہمارے یہان قدرتی وسائل اور محنت کی کوئی کمی نہین لیکن ہمارا تعلیمی نظام ایسا ہے کہ ہم ان سے کوئی فائدہ نہین اٹھا سکتے ہمارے کالجون سے عموماً دو طرح کے لوگ نکلتے ہین ایک قانون پیشہ، دوسرے سرکاری ملازم، ملک مین صنعتی و حرفتی تعلیم کی ہر طرف پکار پڑ رہی ہے، یہ درحقیقت روزی کا سوال ہے، جو محض صنعتی اسکول کھولنے سے اس قدر پورا نہین ہو سکتا جتنا جدید صنعتون کے ایجاد کرنے سے، ہم صرف صنعتی کامون کے کرنے والے پیدا کرکے جدید صنعتون کو قائم نہین کر سکتے ہین، یہ روزانہ کا تجربہ ہے کہ سائنس اور تجارت کے امتحانات پاس کرکے طلبہ جاتے ہین اور سرکاری ملازمتین تلاش کرتے ہین، حکومت کا فرض ہے کہ وہ نئے نئے کارخانے کھولے اور ان مین ہر تعلیم یافتہ لوگون کو جگہ دے، یہ صحیح ہے کہ ہمارے متوسط طبقہ کے لوگون مین صنعت وحرفت کے کامون کا شوق یا ان مین ان کامون کی اہلیت نہین ہوتی اور یونیورسٹی اُسے پیدا نہین کر سکتی لیکن اسکول کے نصاب مین بعض خوشگوار تبدیلیان کرنے سے یہ چیز رفع ہو سکتی ہے، بعض دستکاریون کے قائم کرنے سے ایسے طلبہ کی ایک بہت بڑی تعداد کی امداد ہو سکتی ہے، جو یونیورسٹی مین تعلیم حاصل نہین کر سکتے ہین،

یہ تمام خرابیان قانون اور اصلاحات، نصاب تعلیم اور دستور العمل سے چندان دور نہین ہو سکتی ہین، ہر چیز کا دار و مدار اشخاص پر ہوتا ہے جو اس کے چلانیوالے ہوتے ہین، ضرورت ہے کہ ملک کے بہترین دل و دماغ تعلیمی کام کی طرف متوجہ کئے جائین

(بقیہ صفحہ ۱۰)

ضرورت ہے کہ حضرات فرول باغ اس طرف متوجہ ہون اور نہ صرف مالی امداد فرمائین بلکہ طلبہ کو داخل کرنے کی ترغیب دین اور کوشش کرین کہ ۱۹۳۶ء تک قرول باغ مین ایک متنفس بھی بغیر پڑھنے لکھنے کے نہ رہ جائے،

مقصد بالاخرچ مین وہ خرچ بھی ہے جو ہم نے جادو کی لالٹین پر صرف کیا ہے، اور ہمیشہ صرف کرتے رہین گے، کیونکہ یہ طریقہ تعلیم نہایت ضروری اور مفید ہے اور اس کے متعلق سامان فراہم کرتے رہنا اشد ضروری ہے،

مکان کی جو قلت ہے اس کا اندازہ کچھ ہم ہی لوگ کر سکتے ہین، کوئی کمرہ ایسا نہین ہے جسمین مدرسہ شبینہ کے متعلق نقشے آویزان کئے جا سکین یا اور سامان رکھا جا سکے، اگر میرا خیال غلط نہین ہے تو مین سمجھتا ہون کہ اس جلسہ کا یہ نتیجہ ضرور نکلیگا کہ آئندہ سال انشاء اللہ یہ جلسہ مدرسہ شبینہ کی اپنی عمارت مین ہوگا، جو ہندوستان بھر مین اپنے مقصد کی پہلی عمارت ہوگی، اور اگر صرف موجودہ حضرات ہی کوشش کرین تو یہ کام زیادہ دشوار نہین ہے، آخر مین مین جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب شیخ الجامعہ کا خاص طور سے ممنون ہون جنھون نے مدرسہ شبینہ کے قیام اور اس کی ترقی مین بیحد دلچسپی کا اظہار فرمایا، اور ابتک وہ مطمئن نہین ہین اور چاہتے ہین کہ کم از کم ۵۰۰ طلبہ روزانہ حاضر ہوکر پڑھا کرین، اور اس کے لئے خاص کوشش کر رہے ہین،

اسکاوٹنگ

ازجناب محمود علی خان صاحب فرخ آبادی سابق طالبعلم جامعہ

غالباً دنیا کی کسی تحریک نے اس معمولی سرعت کیساتھ ترقی نہیں کی ہے جتنی کہ اسکاوٹنگ نے کی، بیڈن پاول نے بیسوین صدی کی ابتدا مین اس مفید تحریک کو دنیا کے سامنے پیش کیا، رفتہ رفتہ یہ اس قدر مقبول ہوئی کہ آج دنیا مین کرورہا اسکاوٹ موجود ہین اور ہر ملک کے گوشہ گوشہ مین اس کا چرچا ہے۔

یون تو اسکاوٹ کے معنی "جاسوس" کے ہین یا اس فوجی جماعت کے ہین جو زمانہ جنگ مین فوجون کے آگے آگے چل کر راستہ صاف کیا کرتے ہین اور مختلف ضروری کام انجام دیتے ہین تاکہ پیچھے آنے والی فوجون کو سہولت ہو اور کوئی دقت پیش نہ آئے لیکن یہ تحریک جس کا ہم اس وقت ذکر کر رہے ہین زمانہ جنگ سے کوئی تعلق نہین رکھتی اور اسی لئے اس کے ممبران کو ہمیں اسکاوٹ "زمانہ صلح کے جاسوس" کہتے ہین،

اسکاوٹنگ کا مقصد صرف یہ ہے کہ بچون کی اس طرح تربیت کیجائے کہ وہ دنیا کے لئے مفید اور کار آمد ثابت ہون، ان کی زندگی سے ملک کو نفع پہونچے اور انسان کو راحت، اسی وجہ سے دوسرون کی خدمت کرنیکے لئے ہر وقت تیار رہنا، ان کا مسلک قرار دیا گیا ہے چنانچہ ان کو اس امر کیلئے تیار کیا جاتا ہے کہ وہ اپنے آپکو خطرہ مین ڈالکر اپنے ملک اور اپنے بھائیون کی امداد کرین اور اس نیک کام مین تمام مشکلات کا خندہ پیشانی سے مقابلہ کرین،

اسکاوٹنگ مین سب سے زیادہ زور بچے کے کیرکٹر پر دیا جاتا ہے اس کے بعد تندرستی اور سب سے آخر مین تعلیم پر، آج ہمارے ملک مین یہ قصہ سخت تعجب کیساتھ سنا جائیگا کہ ایک مرتبہ انگلستان کے ایک اسکول مین صحت کے سہ ماہی معائنہ پر جب یہ معلوم ہوا کہ پہلے کے مقابلہ مین بچون کی تندرستی خراب ہوگئی ہے اور ان کا وزن برابر گھٹ رہا ہے، تو وہان کے روشن خیال لوگون نے بہت کچھ شور مچایا، اسکول کے کارکنان فوراً جمع ہوئے اور بحث و مباحثہ کے بعد طے کیا کہ اسکول کا تعلیمی کام بند کر دیا جائے، تمام استادون کو چھٹی دیدی جائے اور صحت کی اصلاح کے لئے نئے اساتذہ رکھے جائین چنانچہ دوسرے ہی روز سے اس پر عمل شروع ہوگیا، اوقات مقررہ پر لڑکے اسکول آتے تھے اور طبی مشورے کے مطابق مختلف کھیلون اور ورزشون مین لگائے جاتے تھے،

ہمارے یہان اگر ورزش اور کھیل ہوتے بھی ہین تو سب کو ایک لاٹھی سے ہانکا جاتا ہے خواہ کسی بچے کی صحت پر فٹ بال کھیلنے سے برا اثر ہی کیون نہ پڑے لیکن اگر وہ اسکول کا طالبعلم ہے تو ہر روز کے فٹ بال ضرور کھیلنا پڑیگا، لیکن وہان ایسا نہ تھا، ڈاکٹر ہر بچے کی صحت کا معائنہ کرتا تھا اور اس کے بعد استادون کو بتا دیتا تھا کہ فلان قسم کے کھیل ان کو کھلائے جائین چنانچہ اس کے مطابق ان سے محنت لیجاتی تھی، اور ہفتہ وار اطلاع والدین کی خدمت مین بھیجدیجاتی تھی، جب کچھ دنون کے بعد بچون کا وزن سوایا ہوگیا تو پھر تعلیمی کام شروع کر دیا گیا، اس پر کارکنان درسگاہ کی بڑی تعریف ہوئی اور چارون طرف سے ستائش و آفرین کے نعرے بلند ہوئے خیال تو کیجئے کہ اگر آج ہندوستان مین کوئی اسکول چند روز کیلئے بچون کی صحت کی غرض سے تعلیمی کام بند کرکے کھیل کود پر زور دے تو اسکی کیا حالت ہوگی، یقین ہے کہ اس مین ایک لڑکا بھی باقی نہ رہیگا، اسکاوٹنگ اسی امر کو ذہن نشین کراتی ہے، کہ تندرستی کے مقابلہ مین تعلیم کوئی وقعت نہین رکھتی یعنی ملک کیلئے ایک مدقوق گریجویٹ یا آنکھون سے معذور پروفیسر کسی مرض کی دوا نہین ہوسکتا ہے،

اسکاوٹنگ مین سب سے زیادہ اہم اور دلچسپ چیز اس کا طریقہ تعلیم ہے چونکہ بچون کی طبیعت کو فطرتاً کھیل کود سے زیادہ مناسبت ہوتی ہے اس لئے اسکاوٹنگ مین جو کچھ بھی سکھایا جاتا ہے وہ سب کھیل کود کے ذریعہ سے، اور یہی وجہ ہے کہ بچے نہایت دلچسپی اور گرویدگی کیساتھ اس مین شرکت کرتے ہین، اور فائدہ حاصل کرتے ہین، انسان کی یہ فطرت ہے کہ اگر نصیحت کے الفاظ مین اچھی سے اچھی بات اس کے سامنے پیش کیجائے تو وہ اسے سننا بھی گوارا نہ کریگا اور چاہیگا کہ وہ اس سے دور رہے، اسی وجہ سے اسکاوٹنگ مین کبھی اس طریقہ سے تلقین نہین کیجاتی ہے کہ جھوٹ بولنا برا ہے اور کبھی جھوٹ نہ بولنا چاہئے، یا سچ بولنا اچھا ہے ہمیشہ سچ بولنا چاہئے، بلکہ طرز عمل اور مختلف کھیلون کے ذریعہ سے نہ صرف بچون پر یہ ثابت کر دیا جاتا ہے کہ سچ بولنا اچھی چیز ہے بلکہ انہین سچ بولنے کی مشق کرائی جاتی ہے جسکا زیادہ تر یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ سچ بولنے کے خود بخود عادی ہو جاتے ہین

ایک شخص اسکاوٹ ہوتے وقت تین عہد کرتا ہے، اول یہ کہ وہ اپنے خالق اپنے ملک اور اپنے بادشاہ کی جانب سے جو فرائض اس پر عائد ہوتے ہین انہین ہمیشہ ادا کریگا دوسرے یہ کہ وہ ہر وقت دوسرون کی امداد کریگا، تیسرے یہ کہ وہ اسکاوٹ کے قوانین کی پابندی اسکاوٹ کے قانون کی تشریح انشاء اللہ آئندہ اشاعت مین کیجائیگی،

محاسن اسلام

(از مولوی سعد انصاری صاحب ندوی)

حج

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهِيْمَ مُصَلًّى

"اور یاد کرو جب کعبہ کو ہم نے لوگون کے لئے مقام اجتماع اور مقام امن بنایا اور مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ"

حج اسلام کی وہ یادگار عبادت ہے جس کے ذریعہ سال مین ایک بار ہماری نظرون کے سامنے اسلام کی ایک سچی تصویر پھر جاتی ہے، یہ ہمارے دلون مین اس عجیب وغریب واقعہ کی یاد پیدا کرتا ہے جب اللہ تعالیٰ کا ایک برگزیدہ اور پیارا بندہ ابراہیم اپنا عزیز وطن چھوڑ کر آب وگیاہ اور غیر آباد زمین پر صرف اس لئے مقیم ہوتا ہے کہ اس کے پروردگار کی یہی مرضی ہے اور یہی بس نہین، بلکہ اس غریب الوطن ہستی کو اسی بے آب وگیاہ وادی مین پہونچ کر اپنے عشق ومحبت کا ایک ایسا کٹھن امتحان دینا پڑتا ہے جو انسان کی وفاشعاری کا غالباً سب سے آخری مظہر ہو، نوے سال کا ایک بوڑھا باپ اپنے اس اکلوتے، کمسن چہیتے ہوئے بیٹے کو جو بڑی منتون اور دعاؤن کے بعد بڑھاپے مین پیدا ہوا ہے اپنے رب کے معمولی اشارے سے قربان کا دینے اس طرح دلیری اور خوشی سے لٹا دیتا ہے کہ ابروے محبت پر شکن تک نہین آتی اگر معبود حقیقی کی حکمت پر قربان جانا چاہئے، اس کو اپنے کسی بندے کا گوشت وخون درکار نہ تھا بلکہ انسان کو قربانی کا صرف وہ راز بتانا چاہتا تھا جو اس کی دینی دنیوی تمام کامیابیون کی تنہا ایک کنجی ہے، لہذا ٹھیک اس وقت جبکہ ضعیف باپ کا تیز چھری چشم زدن مین اپنے پیارے لخت جگر کا کام تمام کرنے والی تھی، دفعتاً اللہ تعالیٰ کی ذات ارحم الراحمین عالم قدس سے اس طرح گویا ہوئی،

يَا اِبْرٰهِيْمُ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا اے ابراہیم تونے خواب سچ کر دکھایا، ہم نیک اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ، بندون کو اسی طرح اجھا بدلہ دیا کرتے ہین،

محبت کا یہ انوکھا امتحان پروردگار کی نظرون مین کچھ ایسا کھب گیا کہ اس نے اپنے ماننے والون کے لئے اس کی ایک ایک ادا کو ہمیشہ کے لئے ایک بہت ہی دلکش یادگار بنادیا، اس حج کا کہ رب العزت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دین حنفی کا امام منتخب کیا اور آپ کی اولاد مین ایک ایسی پاک جماعت پیدا کی جس نے امت مسلمہ کا خطاب پاکر دنیا کے چپہ چپہ مین اپنے پیارے مولیٰ کا نام بلند کردیا، اور جو اپنے اعمال واخلاق مین روے زمین کے تمام لوگون کے لئے زندگی کا بہترین نمونہ قرار پائی،

لہذا حج کا سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ ہم اپنے دلون مین عشق ورغبت کا وہ سچا جذبہ پیدا کرین جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح ہمکو خدا کا مطیع وجان نثار بنائے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے حج کے دنون مین ہماری جو زندگی قرار دی ہے وہ دراصل ایک جھلک ہے اس اعلیٰ زندگی کی جس کے موافق ہمیشہ ہمین بسر کرنیکی کوشش کرنی چاہئے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:-

لَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ، حج کے زمانہ مین کسی قسم کا بھی فحش، فسق وفجور اور لڑائی جھگڑا روا نہین ہے،

حج ہمین سکھاتا ہے کہ ہمکو ہمیشہ کامل امن وشانتی کے ساتھ رہنا چاہئے، حج ہمین سکھاتا ہے کہ خدا کے تمام نام لیوا عزت وحرمت مین برابر ہین، کالا ہو یا گورا، عجمی ہو یا عربی غلام ہو یا آزاد، امیر ہو یا غریب کسی کو کسی پر بجز اپنے تقویٰ اور پرہیزگاری کے کسی طرح کا امتیاز حاصل نہین حج کے مانند مقاصد کو پورے طور پر ذہن نشین کرنے کے لئے بہتر ہوگا کہ اس موقع پر اس پرجوش اور فصیح وبلیغ خطبہ نبوی کا کچھ اقتباس پیش کیا جائے جس کو اللہ کے آخری نبی نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا حمد وثنا کے بعد آپ فرماتے ہین:-

"لوگو سنو! کیونکہ شاید مین اس سال کے بعد اس جگہ، اس مہینہ مین، اس شہر مین تم سے نہ مل سکون، کیا جانتے ہو کہ یہ کون سا دن ہے (لوگون نے کہا خدا اور رسول کو اس کا علم ہے) آپ نے فرمایا! یہ یوم الحرام ہے، کیا جانتے ہو کہ یہ کونسا شہر ہے؟ (لوگون نے کہا خدا اور رسول کو اس کا علم ہے) آپ نے فرمایا، بلد الحرام ہے، کیا جانتے ہو کہ یہ کون سا مہینہ ہے، (لوگون نے کہا خدا اور رسول کو اس کا علم ہے) آپ نے فرمایا! شہر حرام ہے خدا نے تمہارا خون تمہارا مال، تمہاری آبرو تم پر اس مہینہ اس شہر اور اس دن کی حرمت کی طرح تا قیامت حرام کیا ہے، میرے بعد کافر نہ ہوجانا کہ ایک دوسرے کی گردن مارو تمہارا خدا ایک، تمہارا باپ ایک تم سب آدم کی اولاد ہو، اور آدم مٹی کے تھے۔ خدا کے نزدیک تم مین شریف تر وہ ہے جو زیادہ

یہ ہمیشہ یادگار رہے، عربی کو عجمی پر، اور عجمی کو عربی پر کوئی فضیلت نہیں، مسلمان مسلمان
باہم بھائی بھائی ہیں، تمہارے غلام! تمہارے غلام! جو خود کھاؤ وہی انکو
کھلاؤ، جو خود پہنو وہی ان کو پہناؤ، عورتوں کے معاملہ میں خدا سے ڈرو،
تمہارا عورتوں پر اور عورتوں کا تم پر حق ہے، میں تم میں ایک چیز چھوڑ جاتا
ہوں، اگر تم نے اس کو مضبوط پکڑ لیا تو گمراہ نہ ہوگے، وہ چیز کیا ہے، کتاب اللہ
اگر کوئی حبشی نکٹا بریدہ غلام بھی تمہارا امیر ہو اور وہ تم کو خدا کی کتاب کے
مطابق لے چلے تو اس کی اطاعت و فرمانبرداری کرو، اپنے پروردگار کو
پوجو، پانچوں وقت کی نماز پڑھو، مہینہ کا روزہ رکھو، اور میرے احکام کی
اطاعت کرو، خدا کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے، یہ فرما کر آپ نے مجمع
کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا، کیوں میں نے خدا کا پیغام پہونچا دیا،
سب بول اٹھے ہاں، آپ نے فرمایا، اے خدا تو گواہ رہنا، پھر لوگوں
کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا، تو جو لوگ اس وقت موجود ہیں وہ ان کو
سنا دیں جو موجود نہیں،"

کیا اس پیاری تقریر کا ایک ایک حرف اس بات کا شاہد نہیں کہ ہمیں کسطرح
دنیا میں ہمیشہ امن و شانتی کے ساتھ رہنا چاہئے، اور کس طرح اعمال و اخلاق کی
زندگی میں ہر ہر قدم پر خدا کا مطیع و فرمانبردار رہنا چاہئے، اب اس کے بعد
ہم کو سوچنا چاہئے کہ کیا حج کا مقصد اس کے علاوہ کچھ اور ہے کہ سال میں ایکبار
بہت ہی موثر و دلکش طور پر ہمارے دلوں میں ایمان و عمل کی روح تازہ ہو
اور ہمیں یقینی طور پر معلوم ہو کہ اس کشاکش زندگی میں امت مسلمہ کے کیا فرائض ہیں
اسلام سب سے زیادہ باہمی محبت و بھائی چارہ کا شیدا ہے، اس لئے کہ یہی چیز
انسانی کمال کی جان ہے، اس لئے مسلمانوں کو روزانہ، ہفتہ وار، اور سالانہ ایسی
ایسی عمدہ عمدہ تدبیروں سے اکٹھا ہونے کی ترغیب دی ہے، کہ شاید ہی کوئی مذہب
اس کی نظیر پیش کر سکے، حج اسلامی اجتماع کی آخری کڑی ہے، اس موقع پر تقریباً
تمام دنیا کے مسلم ایک مرکز پر جمع ہوتے ہیں، اس عظیم الشان اجتماع میں اسلام کی
نہ صرف ظاہری شان و شوکت ہے، بلکہ اس میں بے شمار سیاسی و معاشرتی فوائد
بھی پوشیدہ ہیں، تمام مسلمان ایک دوسرے کے درد دکھ سے باسانی واقف
ہو سکتے ہیں، ملکی و قومی معاملات پر ہر قسم کے عمدہ مشورے ہو سکتے ہیں، خلافت
کے مشکل مسائل کو جمہور مسلمانوں کی مدد سے بہتر سے بہتر طور پر سلجھایا جا سکتا ہے
لیکن کتنے افسوس اور دکھ کی بات ہے کہ اسلام نے جتنے بھی اس قسم کے قیمتی مواقع
ہمارے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل کے لئے رکھے تھے سب ایک ایک کر کے ہماری شامت اعمال
کی نذر ہو گئے، اب ہمارے تمام مجمع صرف رسمی طور پر باقی ہیں، باہمی بغض و عناد کے
باعث نہ ان میں کوئی روح ہے، اور نہ کوئی اعلیٰ تعلیم مغز کو چھوڑ کر صرف چھلکے پر
ہماری حمیت دینی کا مدار ہے، افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہماری یہ زبون
حالت اب اس آیت کریمہ کی مصداق ہے،

قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالاً الذين ضل سعيهم في الحياة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا،

اے محمدؐ لوگوں سے کہدو، کہ کیا میں ایسے لوگوں کے متعلق بتاؤں جو اپنے اعمال میں سب سے زیادہ ٹوٹے میں ہیں، یہ وہ لوگ ہیں جن کی کوششیں
دنیاوی زندگی میں اگرچہ رائگاں ہو چکی ہیں
پھر بھی وہ یہی سمجھتے رہتے ہیں کہ جو کچھ کرتے ہیں
بہتر کرتے ہیں،

اے پروردگار عالم ہمارے گناہوں کو معاف کر، ہماری خرابی پر ترس کھا؟
اپنے بھٹکے ہوئے نام لیواؤں کو اب راہ راست پر لا، ہمارے دلوں میں اخلاص و محبت
کی وہ تڑپ پیدا کر کہ ایک مرتبہ پھر تیری اطاعت کے مزے لوٹیں اور تیرے اس
فرمان حق کی اپنے جوش عمل سے تصدیق کریں،

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر،

تم لوگوں کے لئے بہترین امت بنا کر بھیجے گئے ہو تمہارا کام اچھی باتوں کا حکم دینا اور بری باتوں سے روکنا ہے،

ضروری اطلاع،

گذشتہ نمبر میں جو انعامی معمے شائع کئے گئے تھے، ان کے حل آ رہے ہیں، لیکن بعض لوگوں کو یہ شکایت ہے کہ معمے مشکل دیئے گئے ہیں اور وقت بہت کم رکھا گیا ہے، لہذا ان حضرات کی خاطر ایک اشاعت کی تاریخ اور بڑھا دی جاتی ہے،

۱۲؍جون ۱۹۲۶ء تک تمام حل آ جانے چاہئیں،

"ایڈیٹر"

بچون کا صفحہ

از عبدالقادر صاحب بی اے (جامعہ)

ستارے

کبھی تم نے غور کیا، رات کو جو ستارے ہمین نظر آتے ہین وہ درحقیقت کیا ہین؟ پرانے زمانے مین ان کے متعلق طرح طرح کے فرضی قصے مشہور ہین، تم نے بھی اس قسم کے قصے سنے ہونگے یہ قصے محض خیالی ڈھکوسلے تھے، مگر آج کل کے زمانے مین بڑی بڑی دوربینون کی مدد سے سائنس والون نے ستارون کو دیکھکر معلوم کر لیا کہ وہ دراصل کیا چیز ہین؟ یہ انھی مادون سے بنے ہین جن سے ہماری زمین بنی ہے، اور زمین ہی کی طرح ہر ستارہ ایک دنیا ہے بعض ستارے زمین سے ہزارون گنے بڑے ہین، بعض چھوٹے بھی ہین، بعض سورج کی طرح آتشین ہین، بعض چاند کی طرح سرد، مگر ہین سب کے سب اسی قسم کے جیسی ہماری زمین ہے، یون سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے ستارون کا ایک عالم پیدا کیا ہے، ان مین سے ایک تو ہماری زمین ہے، باقی وہ ہین جو لامحدود فضا مین گردش کرتے رہتے ہین، انمین سے بہتیرے ہمین رات کو نظر بھی آتے ہین،

کیا ستارون مین بھی آبادی ہے؟

تمھارے دل مین یہ سوال پیدا ہوتا ہوگا کہ کیا ستارون مین بھی لوگ اسی طرح بستے ہین جس طرح زمین پر بستے ہین؟ یہ ایک مشکل سوال ہے جس کا یقینی جواب نہین دیا جا سکتا لیکن بعض باتون کا ہمین یقین ہے، ستارون مین ہماری طرح کے انسان نہین بستے انسان نے اپنے کو جس عجیب وغریب طریقہ سے زمین کی چیزون (مثلاً ہوا، پانی، غذا وغیرہ) کا عادی بنایا ہے، اس سے یہی نتیجہ نکلتا ہے، کہ اگر وہ کہین رہ سکتا ہے تو بالکل ایسی ہی جگہ پر جیسی زمین ہے، اور ہمین نہین معلوم کہ کوئی ستارہ بالکل زمین کی طرح کا بھی ہے یا نہین جن ستارون کے متعلق ہم کچھ جانتے ہین وہ زمین سے بہت سی باتون مین مختلف ہین، مگر انسان زمین ہی کی مخلوق ہے، وہ زمین کے لئے ہے اور زمین اس کے لئے، ہمین یقین ہے کہ مرد عورت بچے جیسے کہ زمین پر بستے ہین یہان کے سوا کہین اور زندہ نہین رہ سکتے سوا اس جگہ کے جہان کی تمام اشیاء (مثلاً آب وہوا، غذا، پھل پھول درخت جانور وغیرہ) زمین ہی کی سی ہون،

کیا دوسرے ستارون مین جاندارونکا رہنا ممکن ہے؟

یہ سوال پہلے سے بہت مختلف ہے، اور ہم بلاشبہ کہہ سکتے ہین کہ ہان دوسرے ستارون مین جاندارون کا رہنا ممکن ہے، اور ذرا سوچنے سے یہ بات سمجھ مین آسکتی ہے، بھلا دیکھو تو سہی یہ کیسی غیر معمولی بات ہوگی اگر جاندار جو دنیا کی بہترین مخلوق ہین، اور جن سے زمین ہوا اور سمندر بھرے پڑے ہین، صرف ہماری اس چھوٹی زمین ہی پر ہون اور کہین نہ ہون اور باقی تمام ستارے خواہ وہ چھوٹے ہون یا بڑے، دور ہون یا نزدیک جاندارون سے بالکل خالی ہون، اور ان مین سوا ے پتھر کی چٹانون یا آگ کے شعلون کے کچھ بھی نہ ہو، اسکے علاوہ ہمین معلوم ہے کہ خدا نے جس چیز (یعنی مادہ) سے ہماری زمین بنائی ہے اسی سے دوسرے ستارے بھی بنائے ہین، اور ہم یہ بھی اچھی طرح جانتے ہین کہ قدرت کا جو قانون یہان کے مادون کے لئے ہے وہی قانون دوسری دنیاؤن کے مادون کے لئے بھی ہوگا، اور جس طرح مختلف مادون کے ملنے سے یہان جاندار چیزین بن سکتی ہین اسی طرح ستارون کی دنیاؤن مین بھی بن سکتی ہین، پھر یہ بھی دیکھو، جاندارون مین کتنی زیادہ صلاحیت ہے کہ وہ اپنی زندگی کو گرد وپیش کی چیزون کا عادی بنا لیتے ہین سخت سردی مین بھی جاندار رہتے ہین، اور سخت گرمی مین بھی خشک چٹانون پر بھی رہتے ہین اور سمندرون کی تہ مین بھی پس وہ آدمی ناسمجھی سے کام لے گا جو یہ کہے کہ دوسری دنیاؤن یعنی ستارون کی دنیاؤن مین حالات ایسے نہین ہین کہ وہان زندگی ممکن ہو، پھر ہمین خود بعض ستارون سے بھی ایسے ثبوت ملتے ہین جن سے تھوڑا بہت یہ پتہ چلتا ہے کہ ان دنیاؤن مین بھی جاندار ہین، انمین سے ایک ستارہ مریخ ہے،

کیا مریخ مین آدمی بستے ہین؟

اس سوال کا یقیناً یہ جواب ہے کہ نہین، اس مین آدمی نہین بستے، کیونکہ ستارون کا علم جاننے والون نے اس بات کو ثابت کر دیا ہے کہ مریخ ہماری زمین سے بہت سی باتون مین مختلف ہے، یہ چھوٹا ہے، اس لئے اس مین اتنی کشش نہین ہے جتنی زمین مین پائی جاتی ہے، اس مین پانی بھی بہت کم ہے، اور شاید اس کی حرارت بھی زمین سے مختلف ہے، دن مین زمین سے زیادہ گرم رہتا ہے اور رات مین زمین سے زیادہ سرد اور جتنے اونچے تک زمین پر ہوا مل سکتی ہے، مریخ مین نہین مل سکتی، ان کے علاوہ اور بھی بہت سے دلائل ہین جو ثابت کرتے ہین کہ اگر مریخ مین جاندار ہون بھی تو وہ زمین والون سے بالکل مختلف ہون گے، تاہم مریخ کی سطح پر ہم ایسے نشانات دیکھتے ہین جن سے اتنا تو ضرور پتہ چلتا ہے کہ یہان نباتاتی زندگی (درختون وغیرہ کی زندگی) اس وقت بھی ہے،

"پیام تعلیم" بچون کے لئے بہترین اخبار ہے،

"منیجر"

مدرسہ شبینہ کا ایک عملی نمونہ

یہ مدرسہ شبینہ ۵ اپریل سنہ ۱۹۲۶ء بروز یکشنبہ جناب شیخ الجامعہ صاحب کے حکم و منظوری سے قائم ہوا۔ مدرسہ نے بہت جلد قرول باغ میں ہر دلعزیزی کا درجہ حاصل کر لیا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ قیام سے صرف ایک ماہ اور تین یوم بعد ہی یعنی ۸ مئی سنہ ۱۹۲۶ء کو داخل ہونے والے طلبہ کی تعداد ۱۰۰ تک پہونچ گئی تھی اور اس روز ۸۰ طلبہ حاضر تھے، ایک ماہ اور ۲۰ یوم کے بعد یعنی ۲۵ مئی تک ۱۹۲ طلبہ درج رجسٹر ہو چکے تھے اور اگست سنہ ۱۹۲۶ء کے اخیر تک یعنی ۴ ماہ کے بعد ۲۸۷ کی تعداد تھی جس میں سے ۱۶۰ کے قریب حاضر ہوتے تھے۔

مدرسہ ہذا کے قیام، اس کی ترقی اور دیگر مدارج، نصاب تعلیم وغیرہ کی مفصل کیفیت پیام تعلیم میں مسلسل شائع ہوتی رہی ہے، جو جامعہ کا پندرہ روزہ پرچہ ہے، اس کے مضامین سے نہ صرف جامعہ کے مدرسہ کا کوئی ریکارڈ رکھنا مقصود تھا بلکہ ملک میں اس تحریک کو عام کرنا بھی مد نظر تھا چنانچہ خدا کا شکر ہے کہ مختلف اطراف و اکناف سے متعدد خطوط اس مضمون کے موصول ہوئے اور ہوتے رہتے ہیں کہ جامعہ کے مدرسہ شبینہ کے اصولوں پر اور لوگوں نے بھی مدرسے جاری کئے ہیں، جن میں سے اکثر مدرسہ ہذا سے ملحق ہیں یا اس کی شاخ ہیں،

مدرسہ ہذا کے قیام کو ابھی ایک ہی ماہ ہوا تھا کہ اس کے بچوں میں جسمانی ورزش کا شوق پیدا کرنے یا صفائی سے رہنے کے لئے اور بدن کی حفاظت کرنے کے لئے جسمانی ورزشوں کا مقابلہ کیا گیا، اور متعدد انعامات تقسیم کئے گئے یہ جلسہ ۸ مئی کو اسی میدان میں جناب نواب تحسین علی خان صاحب کی زیر صدارت منعقد ہوا تھا جو بجا طور سے قرول باغ کے رئیس کہلائے جانے کے مستحق ہیں کیونکہ انھوں نے اب یہاں رہنے کا عزم کر لیا ہے، یہ شروع شروع کا زمانہ تھا اور محض شوق پیدا کرنے کے لئے ورزشوں کا مقابلہ کیا گیا تھا لیکن ایک سال گذر جانے کے بعد مدرسہ کی حالت کو ایک منتظم صورت میں لانے کی کوشش کی گئی اور جہاں سہ ماہی، ششماہی اور سالانہ امتحانات باقاعدہ لئے گئے وہاں ضروری ہے کہ آخیر میں تعلیمی سال ختم ہو جانے پر ورزشوں کا مقابلہ بھی کرایا گیا، اس مقابلہ میں جن طلبا نے نمایاں کامیابی حاصل کی ان سے کہدیا گیا تھا کہ نیا سال شروع ہونے پر انعامات دیئے جائیں گے، رمضان شریف میں مدرسہ شبینہ کی تعطیلات کلاں ہوتی ہیں انھیں بے صبری اور بے قراری میں یہ دو مہینے بسر ہوئے ہوں گے

ملہ یہ وہ رپورٹ ہے جو ناظم صاحب نگران مدرسہ شبینہ جامعہ نے تقسیم انعام کے جلسہ کے موقع پر پڑھی،

اس کا اندازہ صرف وہی لوگ کر سکتے ہیں جن کو کسی چیز کا لالچ دیکر بیت العمل میں رکھا گیا ہو، بارے خدا کا شکر ہے کہ انتظار کی گھڑیاں اب ختم ہوتی ہیں اور آج نہ صرف جسمانی ورزشوں میں کامیاب رہنے والے طلبہ کو بلکہ تعلیمی کام میں بھی اچھی قابلیت کا ثبوت دینے والوں کو انعامات تقسیم کئے جائیں گے،

حضرات مدرسہ ہذا میں بڑی اور چھوٹی دو نو عمر کے بچے داخل ہوتے ہیں، سوائے چند بچوں کے جنکی تعداد دہائی تک بھی نہیں پہونچتی باقی سب بچے باوجود کم سن ہونے کے کوئی نہ کوئی کام ضرور کرتے ہیں، جب کبھی لازمی اور جبری ابتدائی تعلیم کا مسئلہ ملک میں چھیڑا گیا تو عام طور سے مسلمانوں نے اس کی مخالفت کی کیونکہ مسلمان بہت مفلس ہیں، اپنی غربت اور ناداری کی وجہ سے وہ اپنے بچوں کو چھوٹی عمر میں ہی پیٹ پالنے کے دھندے میں لگا دیتے ہیں، تاکہ ان کے چند پیسوں کی کمائی سے ہی ایک بڑے کنبہ کی پرورش میں مدد ملے، اسی وجہ سے وہ تعلیم دلانا نہیں چاہتے کیونکہ روٹی اور پیٹ کا سوال سب سے زیادہ اہم ہے، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اگر مدرسہ شبینہ کی تجاویز پر غور کیا جاتا اور دانشمندی سے عمل کیا جاتا تو یہ مسئلہ آج سے بہت مدت پہلے ہی حل ہو چکا تھا، اور مسلمانوں کی قوم اتنی جاہل نظر نہ آتی جس قدر کہ اب ہے، بہر حال اب بھی وقت باقی ہے، اگر ہمارے لیڈروں اور ہماری کشتی کے ناخداؤں نے ذرا بھی تدبیر سے کام لیا تو یہ کمی بہت جلد پوری ہو سکتی ہے، لیکن ہم کو لیڈروں کے بھروسہ پر ہی نہیں بیٹھے رہنا چاہئے، ہر شخص کو اپنا پیٹ پالنا ہے، اور ہر شخص کو اپنی جہالت دور کرنی ہے، اور ہر شخص کو اپنے اعمال کا جواب دہ بننا ہے،

ہماری کمزوریوں، بد اخلاقیوں، غلطیوں اور سیہ کاریوں کا کفارہ لیڈر ادا نہیں کریں گے، بلکہ ہمیں خود ذمہ دار ہونا پڑے گا، لہذا خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کیجئے،

اس مدرسہ میں جن پیشوں کے طلبا پڑھتے ہیں ان کی تعداد سال گذشتہ ماہ اگست کے اخیر تک ۲۸۷ تھی، جنکی تفصیل حسب ذیل ہے:-

	پیشے	تعداد طلبہ
۱-	کنگھی اور چھلنی بنانے والے،	۳
۲-	کلابتو مل میں بننے والے،	۲
۳-	بٹن بنانے والے،	۱
۴-	بڑھئی،	۱۱
۵-	بھشتی	۱۸

پیشے	تعداد طلبہ	پیشے	تعداد طلبہ
۶- بیگار	۵	۲۶- درزی	۵
۷- بیلدار و مزدور	۲۰	۲۷- ڈوم (میراثی)	۲
۸- پہاڑ و پتھر توڑنے والے	۱۸	۲۸- راج	۳۵
۹- تعمیر	۱	۲۹- زمیندار	۵
۱۰- محرر	۲	۳۰- سبزی فروش	۳
۱۱- لوہار	۱	۳۱- مختلف کارخانوں میں ڈھلائی	
۱۲- ٹھیکہ دار	۱	کا کام کرنے والے	۵۷
۱۳- دن میں پڑھنے والے	۲	۳۲- گلٹ کا کام کرنے والے	۱
۱۴- کھیتی کرنے والے	۱	۳۳- مویشی چرانے والے	۴
۱۵- کتابت کرنیوالے	۱	۳۴- مالی	۱
۱۶- پرچون کی دکان	۲	۳۵- مدرس	۱
۱۷- ٹھیلہ والے	۶	۳۶- کمپاؤنڈر	۱
۱۸- تانگہ والے	۱	۳۷- گھوڑوں کی لدائی کا کام کرنیوالے	۲
۱۹- جھنجھنا بنانیوالے	۱	۳۸- پائپ ڈوری	۱
۲۰- چونہ لنگر والے	۱۸	۳۹- تجارت	۳
۲۱- چوکیدار	۱		
۲۲- حجام	۷۷	جملہ میزان	۲۰۹
۲۳- خیرائی	۱	رجسٹر داخلہ میں کل میزان ۲۸۶ ہے لیکن دو	
۲۴- خدمتگار	۸	طالب علم کے آگے ان کا پیشہ نہیں لکھا ہوا	
۲۵- دودھ مٹھائی بیچنے والے	۵	اس لئے دو کا فرق آتا ہے،	

اس کے بعد میں چند طلبہ اور داخل ہوئے، لیکن پڑھانیوالوں کی تعداد بہت محدود ہونے اور عمارت کی کمی کے باعث ہم نے مزید طلبہ کو داخل کرنا مناسب نہیں سمجھا، بعد میں ملیریا کا زمانہ شروع ہوگیا اور طلبہ کی تعداد گھٹنے لگی اور اوسط حاضری ۱۶۰ سے صرف ایک سو تک رہ گئی، اس کے بعد میں سردی کا موسم آگیا اور لڑکوں نے کہا کہ ہم ایک گھر میں ۵-۶ آدمی ہیں جو ایک رضائی یا کمبل میں گذر کرتے ہیں، اور کوئی گرم کپڑا نہیں ہے جسے پہن کر مدرسہ میں آسکیں، اس وجہ سے حاضر ہونے سے معذور ہیں، ان حالات کے ماتحت اوسط حاضری ۷۰ کے قریب رہ گئی بعض بچے بہت چھوٹے تھے اور دن بھر مزدوری کرنے کے بعد ان کے لئے پڑھنا

یا توجہ کرنا بہت مشکل تھا، وہ جمائیاں لیتے اور اونگھتے تھے لہذا ان کو خارج کردیا گیا اور مدرسہ کو نہایت منظم اور باضابطہ حالت میں کرنے کے لئے صرف باقاعدہ آنیوالوں کا نام درج رجسٹر کرلیا گیا، اور باقی سب کو خارج کردیا گیا اس صورت سے گذشتہ ۵-۶ ماہ سے طلبہ کی باقاعدہ تعداد ۷۰ درج رجسٹر رہی جس میں سے اوسط حاضری ۵۰-۶۰ تھی، یہ تعداد اس تعداد سے بہت کم ہے جس کی ہم کو توقع ہے یا جس کو تعلیم دینے کے لئے ہم تیار ہیں، ضرورت ہے کہ بڑی عمر کے لوگ مدرسہ میں داخل ہوں، اور اس سے فائدہ اٹھائیں۔ تجربہ نے ثابت کیا ہے کہ یہ پیشہ ور حضرات جو محنت مزدوری سے پیٹ پالتے ہیں، دن میں پڑھنے والوں سے زیادہ ذہین ہیں، اور بہت جلد سبق ذہن نشین کرلیتے ہیں،

ہم نے ایک سال میں پچاس لڑکوں کو اردو لکھنا پڑھنا سکھا دیا ہے، پڑھنے میں وہ آسانی سے ہر اخبار یا کتاب پڑھ لیتے ہیں، لیکن لکھنے میں قدرے کمزور ہیں، کیونکہ مشق کم ہوئی ہے، اور موقعہ کم ملتا ہے، ان میں سے بہت سے مدرسہ چھوڑ گئے ہیں، لیکن بہت سے باقی ہیں، اور مزید تعلیم حاصل کررہے ہیں، نصاب تعلیم حسب ذیل ہے،

دینیات کی تعلیم لازمی ہے جس میں نماز روزہ کے ضروری مسائل کے علاوہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم وصحابہ کرام کی مختصر سوانح عمریاں اور انکی زندگی کے ضروری واقعات بتائے جاتے ہیں، اردو لکھنا پڑھنا بھی ضروری ہے، حساب میں صرف اس قدر بتایا جاتا ہے کہ وہ اپنی یادداشت نوٹ کرسکیں یا بنیئے سے دست بدست سکیں جس کیلئے جمع تفریق، ضرب تقسیم کافی سمجھی گئی ہے، یہ مضمون گذشتہ سال زیادہ اچھی حالت میں نہیں پڑھایا گیا، لیکن اس سال اس پر خاص توجہ کی جارہی ہے،

تعلیم قرآن شریف کی بھی ایک جماعت تھی لیکن صرف دو لڑکے تھے جو بے قاعدہ تھے، لہذا وہ جماعت فی الحال ملتوی کردی گئی ہے، انگریزی کا بھی ایک درجہ تھا جس میں سرکاری مدرسہ اور شاخ رانجس اسکول کے مدرس بھی آتے تھے، لیکن جب سے صدر بازار میں ہم نے مدرسہ شبینہ جاری کیا ہے، انگریزی کا درجہ وہاں منتقل کردیا ہے، کیونکہ یہاں تعداد اگرچہ کافی تھی لیکن بہت ہی بے قاعدہ طلبہ تھے حاضری بہت خراب تھی۔

صدر بازار میں اردو کے علاوہ انگریزی کا انتظام نہایت معقول ہے، اس لئے اب جو شخص انگریزی پڑھنا چاہتا ہے اسے وہاں کا مشورہ دیا جاتا ہے، اگر چند طلبہ ایسے مل گئے جو باقاعدہ آنے کا وعدہ کریں اور نہایت مستعدی کیساتھ بلاناغہ روزمرہ حاضر ہونیکی کوشش کریں تو پھر یہ بھی جاری کیجا سکتی ہے، لیکن ہمارے مدرسہ شبینہ کے پروگرام میں انگریزی ضروری جزو نہیں ہے،

ہم تو چاہتے ہین کہ مسلمانون مین جس قدر بھی پڑھے لکھون کی تعداد بڑھ سکے، بڑھائی جائے۔ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری تک مسلمانون خواندون کی تعداد مین ایک معقول اضافہ کر دیا جائے اور اردو رسم الخط کو نہ صرف زندہ رکھنے بلکہ ترقی دینے کی سعی بلیغ کی جائے

حضرات! مجھے فخر سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے مدرسہ شبینہ مین جن قابلیت کے لوگون نے تعلیم دی ہے، ویسے حضرات کسی مدرسہ شبینہ مین نہین پڑھاتے اور جو انتظام ہمارے ہان ہے مین دعوی سے کہ سکتا ہون کہ کسی دوسری جگہ نہین ہے مین نے میونسپلٹی کے مدرسے بھی دیکھے ہین وہان ایک مدرس تیس چالیس لڑکون کو پڑھاتا ہے، اور قریب قریب ہر لڑکے کا مختلف سبق ہوتا ہے۔ اور مختلف کتاب ہوتی ہے ایسی حالت مین آپ اندازہ لگا سکتے ہین کہ تعلیم کیسی ہوتی ہوگی، ہمارے ہان باقاعدہ جماعت بندی ہے اور ہر جماعت مین تمام لڑکے ہم سبق ہوتے ہین جو لڑکے روز حاضر نہین ہوتے ان کی کمی کا لحاظ رکھکر تعلیم دیجاتی ہے، اور ہر لڑکے کو جماعت کے ساتھ رکھنے کی کوشش کی جاتی ہے، اس سے آپ تعلیم کی خوبی کا اندازہ کر سکتے ہین،

ابھی پرسون منگل کی شام کو مدرسہ شبینہ کے معائنہ کے لئے سپرنٹنڈنٹ صاحب ایجوکیشن اور ایک انسپکٹر صاحب تشریف لائے تھے ہر جماعت مین انھون امتحان لیا، لڑکون سے پڑھوایا ان کی کاپیان دیکھین آپ یقیناً خوش ہون گے یہ سنکر کہ اولی جماعت سے لیکر قاعدہ پڑھنے والے تک ایک لڑکا بھی ایسا نہین نکلا جس نے غلط خواہ پڑھکر سنایا ہو، بلکہ انھون نے اس حصہ مین سے بھی پڑھوایا جو لڑکون نے پڑھا نہین تھا اور خدا کا شکر ہے کہ انھون نے اسے بھی نہایت صفائی سے پڑھکر سنایا، بظاہر تو وہ لوگ مطمئن ہوکر گئے اور تعلیمی حالت اچھی دیکھکر گئے، باطن کی خبر خدا جانے جو نتیجہ مرتب ہوگا اس سے معلوم ہو سکے گا، سال زیر رپورٹ مین جتنے وقتاً فوقتاً امتحانات لیے جن مین سہ ماہی ششماہی اور سالانہ قابل ذکر ہین، کالج کے پروفیسر ممتحن ہوتے تھے اور انکی رپورٹین ظاہر کرتی تھین کہ تعلیمی حالت اچھی ہے، مولوی سعید انصاری صاحب نے سال بھر مین متعدد بار طلبہ کے امتحانات لئے اور ہمیشہ اچھے نمبر حاصل کرنے والون کو اپنی جیب خاص سے کتابین خرید کر انعامات مین دین جس کے لئے اراکین مدرسہ ان کے معترف ہین اور شکر گذار ہین،

ڈاکٹر ذاکر حسین خان صاحب ڈاکٹر عابد حسین صاحب پروفیسر محمد مجیب صاحب بی اے آکسن خواجہ عبد الحی صاحب پروفیسر تفسیر، مولوی سعید انصاری صاحب عبد العلیم صاحب بھراری خاص طور سے شکریہ کے مستحق ہین کہ انھون نے ہمیشہ طلبا کا امتحان لینے کیلئے کارکنان مدرسہ کی درخواست کو قبول فرمایا اور اپنا قیمتی وقت صرف کیا،

تعلیم دینے والون مین خواجہ عبد الحی صاحب، مولوی سعید انصاری صاحب، محمد مجیب صاحب، مولوی عبد الغنی صاحب، عبد الباقی خان صاحب، عارف صاحب، شیخ مفتاح الدین صاحب، قاری عبد الوحید صاحب، سید کرامت اللہ صاحب، عبد الواحد صاحب سندھی، فیروز الدین صاحب، انیس بیگ صاحب، عبد الواحد جام پوری، طالب بھائی، محمد قاسم صاحب سندھی، حیدر علی صاحب، شوکت علی صاحب، نعمت اللہ صاحب انصاری اور محمود حسین خان صاحب، قابل شکریہ ہین جنکی توجہ اور محنت سے مدرسہ نے اس درجہ تک ترقی کی،

تعطیلات موسم گرما مین بعض طلبا اپنے مکان نہین گئے بلکہ وہ یہان ہی رہے اور رات کو تعلیم دیتے رہے، اس خدمت کا شکریہ کیسے ادا کیا جا سکتا ہے، مولوی عبد الغفار صاحب مدہولوی خاص طور سے شکریہ کے مستحق ہین جو مدرسہ جاری ہونے کے بہت جلد بعد ہی بحیثیت نگران مدرسہ کے میرے معاون و مددگار ہوگئے، اور جن کو بہت سے فرائض سپرد کر کے مین ایک حد تک مطمئن ہوگیا جس محنت اور جانفشانی سے انھون نے کام کیا ہے، اس کے لئے مین انکی خدمات کا دل سے اعتراف کرتا ہون،

خدا بھلا کرے ہمارے جامعہ کے اساتذہ اور طلبہ کا جنھون نے بغیر کسی معاوضہ کے مدرسہ مین درس دیا اگر ہم اتنی بڑی تعداد کو تعلیم دینے کے لئے مدرس ملازم رکھتے تو ہمارا سالانہ خرچ ہزارون تک پہونچ جاتا، لیکن آپ حیران ہون گے کہ ہم نے اس قدر کفایت شعاری سے کام کیا، اور ہمارا جو کچھ خرچ ہوا وہ طلبہ کی کتابون، قلم دوات کاغذ اور روشنی پر ہے، جس کی مجموعی میزان مئی ۱۹۳۷ء سے اپریل ۱۹۳۸ء تک ۲۲۱ دو سو اکیس روپیہ دو آنہ و پائی ہوئی ہے، باوجود اس قدر کم خرچ ہونے کے آمدنی صرف ستر روپیہ دو آنہ ہوئی ہے، یعنی علاوہ مدرسون کی خدمات مہیا کرنے کے جامعہ نے ۱۵۱ ایکسو اکیاون روپیہ و پائی کا مالی نقصان بھی برداشت کیا،

مالی امداد دینے والون مین حاجی محمد عمر صاحب ٹھیکہ دار، حاجی مولا بخش صاحب ٹھیکہ دار، حاجی عبد الصمد صاحب ٹھیکہ دار، حاجی عبد اللہ ثنا اللہ صاحب سوت والے صدر بازار دہلی، احمد اسلام خان صاحب و خلیل الرحمن صاحب کلاتھ ول، بابو شجاعت علی صاحب، اوورسیر اور حاجی محمد شفیع صاحب کشن گنج، خاص طور سے قابل ذکر ہین! ان مین بابو شجاعت صاحب ۵ ماہوار، اور حاجی محمد شفیع صاحب ۳ ماہانہ دیتے ہین اور حاجی عبد اللہ صاحب سوت والے نے علاوہ کمشت عطیہ کے روشنائی کے کل مصارف اپنے ذمہ لئے ہین،

(دیکھو صفحہ ۳)

اردو اکاڈمی کی آیندہ شایع ہونیوالی کتابین

انگلستان کے مشہور فلسفی اور سیاست دان برٹرینڈ رسل کی معرکۃ الآرا

۱۔ مسئلۂ چین تصنیف The Problem of China کا ترجمہ از اسرائیل احمد خانصاحب سابق جامعہ ملیہ، قیمت عا

یہ کتاب مئی ۱۹۳۲ء مین شایع ہونیوالی تھی لیکن ضخامت کافی ہونیکی وجہ سے ختم نہین ہوئی، انشاء اللہ عنقریب نکلے گی،

۲۔ آزادی، جان اسٹورٹ مل کی شہرۂ آفاق تصنیف Liberty کا ترجمہ از سعید انصاری صاحب بی اے (جامعہ) رفیق اردو اکادمی و مدیر پیام تعلیم جسکے ساتھ پروفیسر محمد مجیب صاحب کا ایک نہایت عالمانہ مقدمہ بھی ہے، کتابت و طباعت ہو رہی ہے، امید ہے جون ۱۹۳۲ء کے آخر تک شایع ہوجائیگی،

۳۔ عربون کا تمدن، فاضل جرمن مستشرق جوزف ہل کی کتاب Die Kultur der Araber کا ترجمہ از سید نذیر نیازی صاحب بی اے (جامعہ) قیمت عا

۴۔ عقد اجتماعی، فرانس کے مشہور فلسفی ژان ژاک روسو کی معروف ترین تصنیف Social Contract کا اردو ترجمہ از مولوی محمد مسلم صاحب ایم اے سابق رکن شعبۂ تصنیف و تالیف جامعہ مع مقدمہ پروفیسر محمد مجیب صاحب بی اے (آکسن) استاذ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی،

کتاب انشاء اللہ اگست ۱۹۳۲ء مین شایع ہوجائیگی،

۵۔ معاشیات قومی فریڈرک لسٹ کی کتاب Das nationale System der politischen Ökonomie کا براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ، از ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب ایم اے، پی، ایچ، ڈی (برلن) استاذ معاشیات و شیخ الجامعہ، جامعہ دہلی، قیمت عہ ستمبر ۱۹۳۲ء مین تیار ہوجائیگی،

۶۔ بانی اسلام، جرمن مستشرق ولہاؤزن کے مضمون کا ترجمہ جو Mohamedanism کے عنوان سے انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کی نوین جلد مین ہے اور جو معہ حواشی اور مقدمہ کے کتابی صورت مین اکتوبر ۱۹۳۲ء تک شایع ہوجائیگا، از مولوی عبد العلیم صاحب ایم اے بی اے (جامعہ) رفیق اردو اکاڈمی قیمت عہ

۷۔ آزادی کی راہین، برٹرینڈ رسل کی دوسری تصنیف Roads to Freedom کا اردو ترجمہ، از جناب حامد علی خانصاحب، بی اے (جامعہ) نومبر ۱۹۳۲ء تک چھپ کر شایع ہوجائیگی، قیمت عہ

۸۔ نفسیات شباب، جرمنی کے مشہور عالم نفسیات و فلسفۂ تعلیم و تمدن کے ماہر پروفیسر ایڈورڈ اشپرانگر کی تازہ تصنیف Psychologie des Jugendalters کا براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ، از ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب پروفیسر جامعہ

دیوان غالب (پاکٹ ایڈیشن)

مطبوعہ شرکت کاویانی (برلن) خوبصورت ملائم جلد، سنہرے دلفریب نقش و نگار طلائی اوراق اور مرزا غالب کی رنگین عکسی تصویر، قیمت صرف للعہ

مبادی معاشیات

ایڈون کی مشہور و معروف تصنیف کا ترجمہ از پروفیسر ذاکر حسین خانصاحب قیمت عہ

دیوان شیدا

مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خانصاحب کے فارسی اور اردو کلام کا مجموعہ، پاکٹ سائز، جلد سنہری، نہایت خوبصورت، اوراق مطلا، جرمن ہنرمندی کا اعلیٰ نمونہ قیمت صرف عہ

تاریخ فلسفۂ اسلام

ٹی، جے، دی بوئر کی تصنیف کا جرمن زبان سے ترجمہ از ڈاکٹر عابد حسین صاحب ایم اے، پی، ایچ ڈی، قیمت عا

مفصل فہرست مکتبہ جامعہ ملیہ قرولباغ دہلی سے منگائیے

ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

بُرہان

تفسیر سورۂ نور مصنفہ خواجہ عبد الحیٔ صاحب استاذ تفسیر و ناظم دینیات جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی خواجہ صاحب کا سلسلۂ تفسیر ,,الفرقان فی معارف القرآن،، کسی تعارف کا محتاج نہین یہ کتاب بھی اِسی مفید سِلسلہ کی ایک کڑی ہے جس مین سورہ نور کی تفسیر مصنف نے اپنے مخصوص انداز مین امت اسلام کے لئے پیش کی ہے، یہ گذشتہ اپریل مین شائع ہوئی ہے،

قیمت ایک روپیہ (عہ)

سلسلۂ تفسیر الفرقان فی معارف القرآن

الخلافۃ الکبریٰ،	(تفسیر سورۂ بقرا مجلد	صہ
الصراط المستقیم	(تفسیر سورۂ انفال و توبہ)	ع ر
بیان،	(تفسیر سورہ آل عمران)	عیہ ۱۲ آ ر
سبیل الرشاد،	(تفسیر سورہ حجرات)	۱۰ ر
بصائر،	(حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ)	۶ ر
عبرت،	(تفسیر سورۂ یوسف) مجلد	عہ

سلسلۂ تاریخ اسلام

(از مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری)

۱- سیرۃ الرسول	عیہ
۲- خلافت راشدہ	ع ر
۳- خلافت بنی امیہ	عیہ
۴- خلافت عباسیہ حصہ اول	ع ر
۵- " " دوم	ع ر

مِلنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

بجامع برقی پریس دہلی جناب شیخ الجامعہ صاحب زیر اہتمام سید عابد حسین صاحب پرنٹر و پبلشر مطبع جامعہ میں چھپ کر دفتر ,,پیام تعلیم،، سے شایع ہوا،

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶

پیامِ تعلیم

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا
پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

قیمت سالانہ عہ
ششماہی ۱۴ر
فی پرچہ ار

خریداران رسالہ جامعہ سے
صرف ایک روپیہ
نمونہ مفت

ایڈیٹر — سعید انصاری بی اے (جامعہ)

جلد ۳	۲۱ر جون سنہ ۱۹۲۷ء	نمبر ۵

طلبائے جامعہ کا والی بال پیچ

بچون کی تعلیم اور طبی معائنہ شامل نہین ہے؛

سوئڈن،

سوئڈن کے اعداد و شمار مین تنخواہون کا خرچ نہین دکھایا گیا ہے، سنہ ۱۹۲۳ء مین ۶۰۵۳۰۶ طالبعلمون پر ۲۰۴، ۴۸، ۱۴۷۶ کرون خرچ ہوئے یعنی ایک طالب علم پر ۲۱۴ کرون،

ڈنمارک،

سنہ ۱۹۲۳ء مین طلبا کی تعداد ۴۴۰۳۸۰ تھی، جن پر ۹۲۸۲۹۲۳۹ کرون خرچ ہوئے یعنی ایک طالب علم پر ۲۱۱ کرون،

ہالینڈ

سنہ ۱۹۲۳ء مین طلبا کی تعداد ۱۰۶۲۶۲۰ تھی جن پر خرچ ۱۶۰۶۳۰۹۳۷ ہوئے یعنی ایک طالبعلم پر ۱۵۱ " اس مین استادون کی تعلیم، اسکول کے کچھ جزوی کام نیز اصلاحی مدارس کے اخراجات اور پنشین بھی شامل ہین،

اٹلی

مرکزی حکومت کا خرچ ۵۵۹۵۵۴۸۰۴ طلبا پر سنہ ۱۹۲۵ء مین ۲۲۳۹۲۵۸۲، لائر ہوا یعنی ایک طالبعلم پر ۱۵۰ لائر،

بلجیم

طلبا کی تعداد ۹۸۷۳۲۲ تھی جن پر خرچ ۳۹۱۳۲۳۵۴۴۳ فرانک ہوئے، یعنی ایک طالب علم پر ۳۳۰ فرانک، طبی معائنہ اور قابل علاج بچون کے مدارس کا خرچ اس مین شامل نہین ہے،

یوگوسلافیا

طلبا کی تعداد ۵۹۰۴۴۲ تھی جن پر خرچ ۱۱۶۲۹۰۰۰۰ یعنی ایک طالبعلم پر ۱۱۹۱ پونڈ صرف ہوئے اوپر کے اعداد و شمار مین ابتدائی اور ثانوی تعلیم دونون کے اخرجات شامل ہین، (انڈین ٹیسٹیا ہیرالڈ)

ریاستہائے متحدہ

سنہ ۲۶-۱۹۲۵ء مین بعض ریاستون کی بنا پر مقامی اور مرکزی اخراجات کے متعلق جو تخمینہ کیا گیا تھا وہ ۴۰۰، ۴۰، ۱۱۷۳۳ ڈالر تھے، یعنی ایک طالبعلم پر ۵۷ ڈالر، کنڈرگارٹن اور ابتدائی مدارس مین طلبا کی تعداد ۲۱۰۲۲۶۳۰۲ تھی یہ کہا جاتا ہے کہ سنہ ۱۹۲۵ء اور سنہ ۱۹۲۲ء کے درمیان ابتدائی اور ثانوی مدارس پر ۷۴ فیصدی خرچ بڑھ گیا ہے،

کینیڈا

سنہ ۱۹۲۴ء مین پرنس ایڈورڈ آئی لینڈ مین ابتدائی اور ثانوی مدارس کے ایک طالبعلم پر ۲۷ ڈالر صرف ہوئے، نووا اسکوٹیا مین ۴۲ ڈالر، نیو برنسوک مین ۴۳ ڈالر کیوبک مین ۸۰، ۹۴ ڈالر، انٹریو مین ۱۱۵ ڈالر منٹوبا مین ۱۱۶۷ ڈالر، ساسکیچیون مین ۹۹۹۲ ڈالر البرٹا مین ۹۹۳ ڈالر اور برٹش کولمبیا مین ۹۵۷۶ ڈالر

اسٹریلیا،

سنہ ۲۵-۱۹۲۴ء کے تازہ اعداد و شمار سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا ماخری مین ایک طالبعلم پر کوئنس لینڈ مین ۱۰ پونڈ ۱۹ شلنگ ۱۳ پنس، مغربی اسٹریلیا مین ۱۱ پونڈ ۱۰ شلنگ ۱½ پنس، جنوبی اسٹریلیا مین ۸ پونڈ ۹ ½ پنس وکٹوریا مین ۸ پونڈ ۱۷ شلنگ، نیو ساؤتھ ویلز مین ۱۲ پونڈ ۲ شلنگ ۷ پنس اور تسمانیہ مین ۸ پونڈ ۱۲ شلنگ ۷ پنس صرف ہوئے،

نیوزی لینڈ

سنہ ۱۹۲۵ء مین اوسط حاضری ۱۹۱۴۸۱ تھی اور خرچ ۲۵۲۸۰۰۰ پونڈ تھا یعنی ایک طالب علم پر ۱۲ پونڈ ۹ شلنگ خرچ ہوا،

جنوبی افریقہ،

سنہ ۲۳-۱۹۲۲ء کی اوسط حاضری مین ایک طالب علم پر کیپ کے صوبون مین ۶۹۶۵ پونڈ نٹال مین ۱۱۰۴ پونڈ ٹرانسوال مین ۱۲۹۱ پونڈ اور ٹیپ کی آزاد ریاست مین

بنگال میں مخصوص جماعتوں کی تعلیم،

ایک سال کی کارروائی

(از حافظ عابد علی خانصاحب متعلم جامعہ ۰)

بنگال میں مخصوص جماعتوں کی تعلیم کے بارہ میں گورنمنٹ بنگال کی ایک سال (سنہ ۱۹۲۵-۲۶ء) کی رپورٹ شائع ہوئی ہے جو نہایت دلچسپ ہے اس رپورٹ میں وہ تمام باتیں بتائی گئی ہیں جو بنگال میں غیر ترقی یافتہ ذاتون کی تعلیم کیلئے کیا گیا ہے۔

امرائکے بچون کی تعلیم،

بنگال میں ہندوستانی امراء و شرفاء کے بالغ و نابالغ لڑکون کی تعلیم کے لئے ایک بھی مخصوص درسگاہ نہین، ہان مرشد آباد میں نظامت خاندان کے لڑکون کی تعلیم کے لئے "نواب بہادر انسٹی ٹیوشن" میں تھوڑا بہت انتظام ہے اور وہ اس طرح پر کہ اسکول مذکور کی چار قیامگاہوں میں سے ایک قیام گاہ نظامت خاندان کے لڑکون کے لئے کلیتہ محفوظ رہتی ہے، سال مذکور (سنہ ۱۹۲۵-۲۶ء) کے دوران میں اس قیامگاہ میں گذشتہ سال کی طرح ۲۷ لڑکے رہتے تھے جنکے اخراجات کا مجموعہ کل ۱۱۲۶۷ روپے تھے،

پنچ ذاتون کی تعلیم،

دیسی فرقون میں سے "سونتھل" در نہایت ہی کم تعلیمیافتہ جماعتون میں سے "ماہشرا" اور "دو یوڈا" کی جماعتیں تعلیمی حیثیت سے کافی ترقی کر رہی ہیں، صوبہ کی مختلف درسگاہوں کے مختلف درجون میں ۳۱ مارچ سنہ ۱۹۲۶ء کو کم تعلیم یافتہ جماعتون کے لڑکے اور لڑکیون کی تعداد علی الترتیب ۳۵۵۰۲۵ اور ۲۲۱۲۰ تھی،

علاقہ کلکتہ

سال مذکور کے اندر کلکتہ میں ۱۳ اسکول تو عیسائی مشنری کے زیر اہتمام تھے اور ۷ ہندؤن کے، ان تمام کا مقصد کم تعلیمیافتہ جماعتون اور فرقون کے طلباء کو تعلیم دینا تھا چنانچہ ان ۷۰۰ طلباء میں سے جو ان اسکولون میں تعلیم حاصل کر رہے تھے، ۵۰۴ طلباء کم تعلیم یافتہ جماعتون میں سے تھے،

علاقہ پریسیڈنسی

کلکتہ سے باہر صوبہ کے حصہ کے تمام رقبہ میں ۳۱ مارچ سنہ ۱۹۲۶ء کو کل اسکولون میں کم تعلیمیافتہ جماعتون کے لڑکون اور لڑکیون کی تعداد علی الترتیب ۱۱۹۹۵ اور ۸۰۱۴ تھی "رسیا بانی" کا انگریزی ہائی اسکول اور "مالیٹ" و "نریا" (ضلع جیسور) کے انگریزی مڈل اسکولون میں زیادہ تر "ناماسدرا" جماعت ہی کے طلبہ و اساتذہ ہیں، کھلنا کے ضلع میں دس انگریزی مڈل اسکول ہیں جس کے علاوہ کھلنا جیسور اور ندیہ وغیرہ کے اضلاع میں ابتدائی اسکول کی ایک بڑی تعداد ہے جنمین زیادہ تر کم تعلیم یافتہ جماعتون کے طلباء تعلیم حاصل کرتے ہیں، چوبیس پرگنہ کے ضلع میں تین ابتدائی اسکول گذشتہ سال کی طرح محض "بینیکس وقت" کے روپیہ کی آمدنی سے چلتے رہے، اسی سال کے دوران میں ۰۰ مڈل اور ۲۱ اعلی ابتدائی وظائف بھی پنچ ذات کے طلباء کو دیئے گئے،

علاقہ بردوان،

علاقہ بردوان میں دیسی فرقون میں سے "سونتھل" فرقہ کی آبادی زیادہ ہے اس فرقہ میں تعلیم رائج کرنے کیلئے نہایت باضابطہ کوششیں کی گئی ہیں، ان سال زیر بحث میں ۳۰۴۲ اسکول تھے جنمین سے ایک انگریزی ہائی اسکول ۲ ملکی زبان کے مڈل اسکول، ۲۰۳۲ ابتدائی ۲ معلمین کے اسکول اور ۲ صنعتی و حرفتی اسکول تھے، ان تمام اسکولون میں مخصوص جماعتون کے طلباء کی مجموعی تعداد ۸۰۴۴۷۵ تھی، ایک مڈل، ۲۱ اعلی ابتدائی اور ۸ تحتانی ابتدائی وظائف پنچ ذاتون کے طلباء کو دیے گئے،

علاقہ ڈھاکہ،

ڈھاکہ کے ضلع میں ۳۱ مارچ سنہ ۱۹۲۶ء کو ۹۹ اسکول تھے، جنمین ۹۴۴۳ طلباء زیر تعلیم تھے، ان اسکولون کے قیام کا واحد مقصد کم تعلیم یافتہ جماعت میں تعلیم رائج کرنا ہے، چنانچہ اسکولون کی مذکورہ بالا تعداد میں سے ۹ اسکول تو خاص کر ماہی گیرون کی اولاد کے لئے اور ۷۲ اسکول موچیون کی اولاد کے لئے مخصوص تھے، ۲۶ اسکول "ناماسدرا" جماعت کے لئے اور "دوڈ ایس" جماعت کیلئے تھے موچیون اور ماہی گیرون کے تمام اسکولون میں تعلیم مفت دیجاتی ہے ضلع فریدپور کے "اورا کنڈی ہائی اسکول" جو آسٹریلیا کی مشنری جماعت کا قائم کردہ ہے اور "گوپی ناتھ پور ہائی اسکول" دونون کے دونون زیادہ تر

"نماشندر" جماعت کے طلبا سے پُر ہے، اس کے علاوہ دس مڈل انگریزی اسکول اور ابتدائی اسکولون کی ایک بڑی تعداد بھی زیادہ تر اسی جماعت کے طلبا کے لئے وقف تھی، باقر گنج کے ڈسٹرکٹ بورڈ کی طرف سے بھی، سندربند کی نوآبادی کے باشندون کی تعلیم کے لئے ۲۱ مفت تعلیم دینے والے ابتدائی اسکول جاری تھے،

علاقہ چاٹگام،

علاقہ چاٹگام مین مخصوص دیسی فرنے "چکما" "مگھ" اور "تپیرا" زیادہ نمایان حیثیت رکھتے ہین، چاٹگام کے پہاڑی حصہ مین وہان کے باشندون کی اولاد کی تعلیم کے لئے ایک انگریزی ہائی اسکول، ۲ مڈل اسکول، ۱۸۰ ابتدائی اور ۳۸ خانقاہی اسکول تھے، اس کے علاوہ مشنری جماعت کی طرف سے چندرا گھونا مین ابتدائی اسکولون کے واسطے مدرسین تیار کرنے کے لئے ایک اسکول تھا، ضلع تپیرا کے کوہ لالے، پرتین اسکول "تپیرا" جماعت کے طلبار کو مفت تعلیم دینے کیلئے قائم تھے، کوکس بازار کے دوسرے حصہ مین "مگھ" جماعت کے طلبار کے لئے ۵ برمی ۱۴۰ ابتدائی، ایک انگریزی مڈل، اور ۱۰۲ خانقاہی اسکول تھے ۱۹۲۷ء کی آخری تاریخ تک غیر ملکی کم تعلیمیافتہ جماعت کے ان طلبا کی تعداد جو چاٹگام کے اعلیٰ، مڈل اور ابتدائی اسکولون مین پڑھ رہے تھے ۴۷۰۹ تھی جنمین ۹۳۴۲ لڑکے تھے اور ۵۸۷۲ لڑکیان، یہان ۹ مڈل اور ۴۲ ابتدائی جماعت کے وظائف پنچ ذات کے طلبار کو دیئے گئے۔

علاقہ راج شاہی،

ضلع دیناج پور مین جماعت "سونتھل" کے لئے ۲۵۴ اسکول مع ایک انگریزی مڈل اسکول کے ہین، ان مین ۲۱۲۱ طلبار تعلیم پاتے ہین، ان اسکولون مین سے ۷ ابتدائی اسکول تو خاص سونتھل کی تعلیمی کمیٹی کے زیر نگرانی تھے، اور ۲۳ اسکولون کو اس جماعت کی طرف سے مالی امداد دیجاتی رہی، وہ مالی امداد جو سال زیر بحث مین صوبہ کے دفتر محاصل اور ضلع کے فنڈ کی طرف سے ان اسکولون کے قیام و ترقی کے لئے دیگئی، علی الترتیب ۲۴۳۴ روپیے اور ۶۷۹ روپیے ہوتی ہے، اس کے علاوہ جماعت "سونتھل" نے سال زیر بحث مین مالدہ کے دس ابتدائی اسکولون کو بھی وہان کے ملازمین کے مشاہرہ کی مخصوص شرح کو مدنظر رکھتے ہوئے مالی امداد دی، چنانچہ اس کے اسکولون کی تعداد سال زیر بحث کے اختتام پر ۶۰ تک پہونچ گئی، ضلع راج شاہی مین ۲ اسکول تو محض "نماشودرا" جماعت کے طلبار کے لئے تھے، اور ۷ اسکول "بیرن" حصہ کے پنچ ذات والے طلبار کے لئے تھے، وہ جماعت جو بنگال اور آسام کی پنچ ذاتون کی ترقی کے لئے کوشان ہے صوبہ بنگال کے مختلف حصون مین کم تعلیم یافتہ جماعت کو تعلیم دینے کیلئے ۴۴ اسکول قائم کرچکی ہے، اس کام کے چلانے کے لئے اس جماعت کو گورنمنٹ کی طرف سے ہر سال ۲۲۵۰ روپیے ملتے ہین،

ناقص طلبہ کی تعلیم

۳۱ مارچ ۱۹۲۷ء کو "کرسینگ" کے دارالصبیان مین ۵۱ یورپین لڑکے تھے جنکی جسمانی اور دماغی حالت ناقص تھی، کلکتہ کے گونگون اور بہرون کے اسکول مین ۱۰۶ طلبار تھے (جنمین ۱۷ لڑکیان بھی شامل ہین) اور اندھون کے اسکول مین جو کلکتہ سے مقام بہیالہ واقع ضلع ۲۴ پرگنے مین منتقل کردیا گیا ہے، طلبار کی تعداد ۵۴ تھی جنمین ۱۳ لڑکیان بھی تھین، گورنمنٹ نے اس کی نئی عمارت کے تعمیر کے لئے ۱۵۰۰۰ روپیے دیئے تھے، اس اسکول مین موسیقی، کپڑے بننا، اور نجاری کے سکھانے کا بھی انتظام ہے۔ جس کی فیس مبلغ تین روپیے ہین، ڈھاکہ، فریدپور، اور باریسال کے گونگون اور بہرون کے اسکولون مین طلبار کی تعداد علی الترتیب ۲۰، ۸، اور ۱۳ ہے سال زیر بحث کے دوران مین ایک اور نیا اسکول میمن سنگھ مین قائم کیا گیا ہے، اس مین ۱۴ طلبار تعلیم پاتے ہین جن مین ۳ لڑکیان بھی شامل ہین،

چائے کی کاشت سکھانیوالے اسکول

سال زیر بحث کے اختتام پر جلپائیگوری کے ضلع مین ۵۶ چائے کی کاشت سکھانیوالے اسکول قائم ہوچکے تھے جنمین سے دس اسکول الف کلاس کے ۲۴ بے کلاس کے، اور ۲۲ ج کلاس کے تھے، ان تمام اسکولون مین تعلیم پانے والے طلبار کی تعداد ۱۰۴۲ تھی اور ان تمام اسکولون کے کل اخراجات کا مجموعہ ۱۱۸۴ روپیے تھا، دارجلنگ مین چائے کی کاشت سکھانیوالے ۵۲ اسکول تھے جنمین ۱۴۰۰ طلبا تعلیم حاصل کرتے تھے، ان اسکولون پر ایک سال مین کل ۴۲۸۹ روپیے خرچ ہوئے، گورنمنٹ اور ڈسٹرکٹ بورڈ نے علی الترتیب ۴۶۸۵ روپیے اور ۲۲۰ روپیے دیئے،

کارخانہ جات میں کام کرنیوالے بچوں کی تعلیم

چوبیس پرگنہ کے کارخانوں میں کام کرنے والے لڑکوں کی تعلیم کیلئے کارخانوں ہی کے حدود کے اندر متعدد ابتدائی اسکول اور بہت سے مکاتب موجود ہیں، اسکے علاوہ ٹیٹاگڑھ میں ایک قومی ابتدائی اسکول ہے جسمیں کارخانوں کے وہ ملازم بچے جو ہندی، اردو یا تلنگی بول سکتے ہیں، تعلیم پاتے ہیں، اس اسکول کو ۲۰ روپے ماہوار کی گرانٹ ملتی ہے اور اس کا سارا انتظام افسران کارخانہ کے ہاتھ میں ہے۔ ایچاپور کا رائفل فیکٹری اسکول کافی مشہور ہے، اس اسکول کو ۲۰۰ روپے صوبے کے دفتر محاصل سے ملتے ہیں، اسی ایچاپور میں ایک غیر امدادی اسکول بھی ہے جس کا انتظام "ریمل فیکٹری" کے تحت میں ہے:

جینیوں کی تعلیم

بوگرا میونسپلٹی کے حدود کے اندر ایک جینی اسکول ہے جسمیں طلبا کی مجموعی تعداد ۳۱ مارچ ۱۹۲۶ء کو ۳۹ تھی، لیکن اب سے ایک سال پیشتر اسی تاریخ کو تمام طلبا کی تعداد صرف دس تھی،

مسلمانوں کی تعلیم

سال زیر بحث کے دوران میں ان مسلمان طلبا کی تعداد جو مختلف ہندوستانی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرتے تھے ۱۰۱۸۵۹۳ سے ۱۰۵۲۲۲۶ ہوگئی تھی یعنی مسلمان طلبہ کی تعداد کا تمام جماعتوں کے زیر تعلیم طلبا کی تعداد کے ساتھ جو تناسب پہلے ۴۳٫۷ فیصدی تھا وہ ۳۱ مارچ ۱۹۲۶ء تک ۴۴٫۷ فیصدی ہوگیا یعنی صرف ۳ء فیصدی کا اضافہ ہوا جو کچھ بھی نہیں ہے (اڈیٹر) اسی طرح فنون اور پیشے سکھانے والے کالجوں میں بھی گذشتہ سال کا مقابلہ کرتے ہوئے مسلمان طلبا کا تناسب ۹٫۲ اور ۱۲٫۲ فیصدی سے علی الترتیب ۱۳٫۷ اور ۱۳٫۲ فیصدی ہوگیا، سال زیر بحث سے قبل والے سال میں درسگاہوں کے مختلف اعلیٰ و ادنیٰ درجوں میں بھی مسلمان طلبا کی تعداد کم تھی یعنی ان کا تناسب تمام دیگر فرقوں کے طلبا کے درمیان ۲۶٫۴ اور ۳۲٫۷ فی صدی تھا مگر تاریخ مذکور (۳۱ مارچ ۱۹۲۶ء) تک انکی تعداد کا تناسب پہلے سے بڑھکر علی الترتیب ۱۰٫۵ اور ۱۶٫۷ فیصدی ہوگیا، لیکن درسگاہوں کے ابتدائی درجوں میں کسی خاص تعداد کی نہ کمی ہوئی نہ زیادتی جو قابل افسوس ہے (اڈیٹر) یعنی وہی تناسب ۵۱٫۰ فیصدی جو پہلے تھا بجا رہا باقی مسلمان طلبا کی تعلیم پر جو کچھ خرچ ہوتا ہے اس کا صحیح تخمینہ لگانا بہت مشکل ہے کیونکہ مسلمان طلبہ کی تعداد کا بہت بڑا حصہ ان درسگاہوں میں تعلیم حاصل کرتا ہے جن میں مختلف فرقوں کے طلبہ کو تعلیم دیجاتی ہے

انگریزی علوم و تہذیب کی تبلیغ

فلورنس میں جو اٹلی کا ایک بہت بڑا مشہور بندرگاہ ہے، کچھ عرصہ پیشتر ایک انگریزی کالج قائم کیا گیا تھا جس کا مقصد اٹلی میں انگریزی علم و ادب اور انگریزی تہذیب و تمدن کو ترقی اور رواج دینا ہے: کالج مذکور کے ڈائرکٹر کا بیان ہے کہ اہل اٹلی میں انگریزی زبان و تہذیب پھیلانے اور ہر دو ممالک کے درمیان صنعتی و معاشی تعلقات قائم کرنے میں اس کالج سے بڑی مدد ملی ہے: اس کالج کی ترقی کا اندازہ کسی حد تک ذیل کے اعداد و شمار سے بھی ہو سکے گا،

۱۹۲۲ء میں اس اسکول کے نصاب میں صرف ۱۲۰ طلبہ شریک تھے، ۱۹۲۳ء میں یہ تعداد ۱۹۰ تک پہونچ گئی، اور ۱۹۲۴ء میں ۲۵۰ ہوگئی، حتی کہ ۱۹۲۵ء میں پورے ۳۰۰ ہوگئے، آئندہ سشن کے لئے کل ۴۶۶ طلبہ داخل رجسٹر ہو چکے ہیں، جن میں لڑکے اور لڑکیاں دونوں ہیں،

ابھی حال میں اسی کالج کے ماتحت ایک انگریزی علم السنہ کا اسکول بھی کھلا ہے، اٹلی کی یونیورسٹیوں میں جو طلبہ اپنی سندی جماعتوں میں انگریزی لیتے ہیں وہ اس کالج میں شریک ہو سکتے ہیں، اور اس طرح اس کالج کو گویا اٹلی کے نظام تعلیم میں ایک مستند جگہ مل گئی ہے،

اس کے علاوہ اس درسگاہ کا ایک کام یہ بھی ہے کہ وہ انگریزی علوم و ادب سے متعلق مختلف مضامین پر لکچر دلوائے، چنانچہ گذشتہ سال تقریباً ۴۰ لکچر ہوئے جن میں سے ایک انگلستان کے مشہور شاعر ملٹن پر تھا،

ہندوستان کے لئے یہ خبر حیرت سے خالی نہ ہوگی کہ اس درسگاہ کا سارا خرچ چند بہی خواہوں کے عطیوں سے چلتا ہے اور اس کے علاوہ کچھ چھوٹے چھوٹے چندے اور طلبہ کی فیس بھی کفالت کرتی ہے،

اس درسگاہ کے کتبخانہ میں کوئی ۱۲ ہزار کتابوں کا ذخیرہ ہے جنمیں سے بیشتر کتابیں لوگوں کی عطیہ ہیں،

(ماخوذ از "ٹائمز" ضمیمہ تعلیمی)

بچون کا صفحہ

(از عبد القادر صاحب بی اے (جامعہ)

کیا مریخ مین کوئی ذیعقل جاندار بھی ہے؟

یہ تقریباً یقینی ہے کہ مریخ مین کسی نہ کسی قسم کے جاندار ضرور ہین، اور بعض لوگون کا تو یہ بھی خیال ہے کہ وہان ایسی ہستیان بھی ہین جو باتون کو سوچ اور سمجھ سکتی ہین، یہ اگرچہ انسانون جیسی نہ ہونگی، تاہم اس قابل ہونگی کہ ایک دوسرے کی گفتگو کا طریقہ سیکھنے کے بعد، انسان انکی باتون کو سمجھ سکے اور وہ انسان کی باتون کو سمجھ سکین۔

بعض لوگ جنکی تمام عمر ستارہ مریخ کے حالات دریافت کرنے مین گزر گئی ہے اس بات کا پورا یقین رکھتے ہین کہ اس ستارے کی سطح پر لکیرون کی شکل کے ایسے نشانات ہین جنھین صرف عقل رکھنے والی ہستیان ہی بنا سکتی ہین، بلکہ ان لوگون کا یہان تک خیال ہے کہ مریخ کے رہنے والے سبکے سب ایک ہی خاندان کے ہین، اور آپس مین میل جول رکھتے ہین، اور انسانون کی طرح لڑتے جھگڑتے ہین،

ان لوگون کا یہ عقیدہ اس لئے ہے کہ ان کے خیال مین مریخ کی سطح پر جو لکیرون کے سے نشانات ہین انکی بنانے والی ایسی ہی ہستیان ہوسکتی ہین، جن کے درمیان لڑائی جھگڑا نہ ہوتا ہوگا، کیونکہ لڑائی جھگڑے کی صورت مین انھین بھی زمین والون کی طرح الگ الگ ملک قائم کرنے پڑتے اور انکی الگ الگ سرحدین ہوتین، حالانکہ لکیرون کے سے نشانات جو مریخ مین نظر آتے ہین (بعض لوگ خیال کرتے ہین کہ یہ نہرین ہین) وہ سب کے سب ایک ہی سلسلہ مین اور ایک ڈھنگ کے ہین، جس سے ثابت ہوتا ہے، کہ وہان الگ الگ ملک نہین ہین بلکہ اس ستارے کی ساری دنیا ایک ملک ہے اور اس کا ایک ہی نظام ہے،

خط لکھنے کا آسان طریقہ

ایک لڑکی نے اپنی بہن کو خط لکھنا چاہا، مگر جیسا چاہتی تھی ویسا لکھنا اس سے بن نہ پڑا، ناچار سلیٹ اور پنسل لیکر اپنی مان کے پاس گئی، سلیٹ پر اس نے القاب تو لکھ لئے تھے، اور تاریخ بھی درج کردی تھی، مگر اور کچھ نہ لکھ سکتی تھی، مان نے اس کی مشکل کا حال سنکر کہا کہ جب کوئی مضمون سمجھ مین نہ آئے تو کاغذ پر قلم دوات سے لکھنے کی کوشش مین بیکار وقت ضائع نہ کرو، مگر ہان یہ طریقہ اچھا کہ سلیٹ پنسل لیکر بیٹھ جاؤ اور مضمون سوچو، مضمون سوچنے کے لئے ایک یاد رکھنے کے قابل قاعدہ ہے، اور وہ یہ کہ جب اس کام کے لئے بیٹھو تو دل مین خیال کرو کہ تمھاری بہن (یا جس کسی کو بھی خط لکھنا ہو وہ) تمھارے پاس ہی موجود ہے پس جو کچھ تم زبانی کہتین وہی لکھتی جاؤ، پھر تمھاری زبان تو خاموش رہیگی مگر قلم کی زبان باتین کریگی،

گرج کیسے پیدا ہوتی ہے؟

گرج آواز کی ایک لہر ہے جو ہوا مین پیدا ہوتی ہے، بجلی جب ہوا مین تیزی کے ساتھ ایک بادل سے دوسرے بادل یا بادل سے زمین کی طرف دوڑتی ہے تو اس سے ہوا مین دفعتہً حرارت پیدا ہوجاتی ہے، یہی فوری حرارت گرج کا سبب ہوتی ہے، کیونکہ بجلی جب ہوا کے درمیان سے گذرنے لگتی ہے تو ہوا اس کو روکتی ہے، اور جب کوئی چیز بجلی کو گذرنے سے روکتی ہے تو وہ چیز شدت سے گرم ہوجاتی ہے، گرم ہونے پر اس کی جسامت دفعتہً بڑھجاتی ہے، اور اسی کے بڑھنے سے ہوا مین وہ لہر پیدا ہوتی ہے جسے ہم گرج کہتے ہین،

روشنی کی طرح ہوا کا بھی یہ قاعدہ ہے کہ جب وہ کہین پیدا ہوتی ہے تو ہر سمت برابر پھیل جاتی ہے، چنانچہ گرج کی آواز بھی بادلون سے اوپر بادلون سے نیچے اور بادلون کے دائین بائین ہوا مین اور خود بادلون مین دور دور تک پہونچ جاتی ہے، آواز کا جو حصہ ہمین سنائی دیتا ہے وہ وہی حصہ ہے جو ہمارے کانون تک پہونچتا ہے، یعنی وہ حصہ جو بادل کے گرجنے کی جگہ سے نیچے کی طرف آتا ہے،

ہماری تمام خواہشین کیون نہین پوری ہوتین

تقریباً ہر شخص پر ایک وقت ایسا آتا ہے کہ وہ بہت کچھ چاہتا ہے اور اسے کچھ نہین ملتا، اب اگر ہم غور کرین کہ ان لوگون پر جنھین سب کچھ مل جاتا ہے انکی دائمی کامیابی کا کیا اثر ہوتا ہے تو معلوم ہوگا، کہ یہ ان کے لئے بہت برا ہے، اس مین کسی کو کلام نہین کہ ہم اور ہمارے جسم کا ہر حصہ اور ہماری ساری قوتین قدرتاً کام کیلئے ہین اور مشکلون کا مقابلہ کرنیکے لئے بنائی گئی ہین، اور یہ بہتر ہے کہ ہم مصائب کا مقابلہ کرین، خواہ ناکام ہی کیون نہ رہین،

محاسن اسلام

(از مولوی سعد الدین انصاری صاحب ندوی استاد جامعہ)

نماز

ان الصلوٰۃ تنھی عن الفحشاء والمنکر،

نماز فحش اور بری باتوں سے بچاتی ہے،

انسان کی حقیقی ہدایت اور کامل سعادت موقوف ہے اللہ تعالیٰ کی سچی اطاعت اور کامل فرمانبرداری پر، مگر یہ امر اس وقت تک ممکن نہیں جبتک بندے اور مالک حقیقی کے درمیان محبت و نیازمندی کا ایک محکم و مستقل رشتہ قائم نہ ہو! یہ رشتہ بہتر طور پر کیسے قائم ہو، اس کے لئے تھوڑے سوچ بچار کی ضرورت ہے،

زمین آسمان اللہ تعالیٰ کی بیشمار نعمتوں سے پُر ہیں، قدم قدم پر انسان اپنی ترقی میں قدرت کی بیش قیمت مہربانیوں سے فائدہ اٹھاتا ہے، قدرت اگر اپنے موجودہ بے نظیر عطیوں میں ذرہ بھر بھی کسی وقت کمی کردے تو دنیا کی ساری چہل پہل سست پڑجائے، ایجاد و اختراع کا سارا طلسم ٹوٹ جائے، اور فضائے آسمانی میں اڑنے اور نے پھرنے کا تمام مزہ کرکرا ہو جائے، کیا قدرت کے یہ بے شمار احسانات ہم کو اس بات پر آمادہ نہیں کرتے کہ زیادہ سے زیادہ ہم اس سرچشمہ رحمت کے ممنون و شکر گذار ہوں، خصوصاً جبکہ اس شکر گذاری میں بھی ہمارا ہی بھلا ہو، اگر ہمارے دل و دماغ کا نور پروردگار کی مسلسل ناشکری سے بجھ نہیں چکا ہے، تو ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ انسان کی سچی شکر گذاری ہی محبت الٰہی کی اصلی کنجی ہے جس قدر ہم قدرت کی نعمتوں کو یاد کرکے اس کے شکر گذار ہوں گے اسی قدر ہماری محبت اور ہمارا تعلق اس سے بڑھیگا، اور اسی قدر ہر آن ہم اس کی خوشنودی و مرضی کی ٹوہ میں رہیں گے،

انسان کس قدر ہوشیار و دانا ہے! لیکن اسی کے ساتھ ساتھ وہ کس قدر عاجز و بے بس بھی ہے! دنیا میں کتنی ہی باتیں ایسی ہیں کہ ان کے متعلق چون و چرا تو درکنار انسان اپنے ہونٹ بھی نہیں ہلا سکتا، یہ زمین و آسمان کہاں سے آئے؟ چاند سورج کیونکر پیدا ہوئے؟ نظام عالم کیسے قائم ہے؟ ہر شی سب سے پہلے کس طرح جلوہ گر ہوئی؟ زندگی کا راز کیا ہے؟ دنیا اور اس کے کاموں کا انجام کیا ہوگا؟ ایک طرف اللہ عز وجل کے بے شمار احسانات اور دوسری طرف انسان کی یہ عاجزی و درماندگی بھی دو چیزیں ہیں جو بھی دو چیزیں حقیقت میں مفکر اس کے ایمان بالغیب کا باعث ہوئیں، اور یہی دو چیزیں ہیں جنکا حقیقی احساس خالق اور مخلوق کے درمیان ایک قوی تعلق اور ایک مستحکم رشتہ محبت پیدا کرتا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام جب عالم کی ہر شے ایک مرتبہ غور سے دیکھ چکے تو کس جذب سے فرماتے ہیں!

انی وجھت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین (انعام)

میں نے اپنا چہرہ باطل کی تمام باتوں سے پھیر کر اب صرف اس ذات کی طرف کر لیا ہے جس نے آسمان و زمین کو پیدا کیا میں شرک ماننے والوں میں نہیں ہوں،

اس ولولہ عشق کی ترجمانی اللہ تعالیٰ رسول اکرم کی طرف سے ان الفاظ میں کرتا ہے،

قل ان صلوتی ونسکی ومحیای ومماتی للہ رب العالمین لا شریک لہ وبذالک امرت وانا اول المسلمین ہ (انعام)

اے محمدؐ! کہدو میری نماز میری قربانی میرا جینا اور میرا مرنا سب اسی ایک اللہ کیلئے ہے جو تمام عالموں کا پالنے والا ہے اس کا کوئی شریک نہیں، مجھے اسکا حکم ملا ہے، اور اطاعت گذاروں میں سب سے پہلا میں ہوں،

نماز کیا ہے؟ نماز درحقیقت انھیں دو باتوں کی یاد ہے جب انسان اپنے پروردگار کے سامنے کھڑا ہوتا ہے، تو اس کی رحمتوں کو یاد کرتا ہے، اور اپنی عاجزی و بیچارگی کا سچے طور پر اقرار کرکے زندگی کی پیچ اور تاریک راہوں میں اس سے نور ہدایت کا طالب ہوتا ہے، اس یاد الٰہی میں جس قدر خلوص کا اضافہ ہوتا ہے اسی قدر بندہ اطاعت کیشی اور عشق و محبت کے صادق جذبہ سے سرشار ہوتا ہے اسی محبت کا پاک نشہ انسان کے دل میں شمع بنکر اس کے چاروں طرف اجالا کرتا ہے، اور اس کو ہر طرح کی لغزش و گمراہی سے دنیا میں محفوظ رکھتا ہے،

انسان کی تمام کامیابیوں کا سرچشمہ چونکہ یہی یاد الٰہی ہے، اس لئے ہر مذہب نے اس کو کسی نہ کسی صورت میں اپنی فلاح کے لئے ضروری قرار دیا ہے، مگر تحقیق اور سوچ بچار سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کے علاوہ دوسرے مذاہب میں عبادت کے جو طریقے رائج ہیں، وہ خوبی کے ساتھ اپنا مقصد پورا نہیں کرتے اس لئے کہ اسلام کی جملہ عبادات عموماً اور نماز خصوصاً اگر بہتر طریقہ پر ادا کی جائیں تو جس قدر ایسے

احسانات الٰہی کی یاد، عاجزی کا اقرار اور نیکیوں کی ترغیب موجود ہے، اور کسی طریقہ میں ممکن نہیں، اسلامی عبادتوں کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ آپ انسان کی روزمرہ زندگی کی اصلاح و تربیت پر بہت خوشگوار اثر پڑتا ہی، اسلام کی صرف نماز اپنی خوبیوں میں اس قدر جامع ہے کہ انسان کا کوئی شعبہ زندگی اس کے برکات سے محروم نہیں، اسی لئے نماز کو رسول مقبول صلعم نے دین کا ستون فرمایا ہے، حدیث میں ہے :۔

الصلوٰۃ عماد الدین من اقامھا فقد اقام الدین ومن ھدمھا فقد ھدم الدین،
نماز دین کا ستون ہے جس نے اس کو خوبی کے ساتھ قائم رکھا، اس نے دین کو قائم رکھا، اور جس نے اس کو منہدم کیا تو پس اس نے دین کو بھی منہدم کیا،

نماز کے تمام محاسن کا احاطہ دشوار ہے، مگر چند نمایاں خصوصیتوں کا مختصر طور پر ذکر کیا جاتا ہے:۔

(۱) نماز کامل ظاہری صفائی کی تعلیم دیتی ہے، ہمارا جسم اور ہمارے کپڑے جب تک خوب صاف ستھرے نہ ہوں ہم نماز کا ارادہ نہیں کر سکتے۔

(۲) نماز پابندی وقت کی تعلیم دیتی ہے، جس طرح ہر نماز کیلئے ایک خاص وقت مقرر ہے اسی طرح درحقیقت ہمارے تمام مشاغل کے لئے بھی ایک خاص وقت مقرر ہونا چاہیئے،

(۳) نماز احساس فرض کی تعلیم دیتی ہے، جس طرح وہ ہمارے لئے سفر حضر، بیماری وصحت ہر حال میں ضروری ہے، اسی طرح اپنے اور فرائض زندگی کا بھی ہمیں لحاظ رکھنا چاہیئے،

(۴) نماز نظم و ترتیب کی تعلیم دیتی ہے اس کے تمام شرائط و ارکان جو نہایت خوبی سے ترتیب دیئے گئے ہیں، جب تک کماحقہ ادا نہ ہوں، نماز نہیں ہوتی، اسی طرح ہر مقصد کو کامیاب بنانے کے لئے ایک مخصوص نظام عمل کی پابندی ضروری ہی،

(۵) نماز باہمی اتحاد و محبت کی تعلیم دیتی ہی، کم از کم دن میں پانچ مرتبہ ضروری طور پر مسجدوں میں نماز جماعت کے سلسلہ میں لوگ باہم ملتے ہیں، اور ایک دوسرے کے درد دکھ سے واقف ہوتے ہیں،

(۶) نماز برابری و مساوات کی تعلیم دیتی ہے، غلام ہو یا آقا بادشاہ ہو یا رعایا سب ایک صف میں پہلو بہ پہلو کھڑے ہوتے ہیں،

(۷) نماز خودداری اور عزت نفس کی تعلیم دیتی ہے، اس لئے کہ وہ انسان کو صرف خدا کے سامنے جھکاتی ہی، اس کے لئے خدا کے سوا نہ تو کسی طاقتور ہستی کی خوشامد روا ہے، اور نہ کسی کی قدم بوسی،

(۸) نماز بے نیازی کی تعلیم دیتی ہے، ایک سچے نمازی کا دل سے یہ یقین ہونا چاہیئے، کہ دنیا و مافیہا کا کوئی نفع و نقصان خدا کے علاوہ کسی کے ہاتھ میں نہیں ہی،

(۹) نماز شجاعت و بہادری کی تعلیم دیتی ہے، اس لئے کہ جس انسان میں خودداری عزت نفس، اور بے نیازی کی صفات ہوں وہی درحقیقت وقت پر سب سے بہادر ہو سکتا ہے،

(۱۰) نماز خاکساری اور تواضع کی تعلیم دیتی ہی، بندہ جب دل سے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اپنی عاجزی کا اقرار کرتا ہے، تو بس اس گھڑی درحقیقت غرور وتکبر کی جڑ کٹ جاتی ہے، جس طرح وہ باطل کے سامنے علم بغاوت بلند کرتا ہے، اسی طرح امر حق کے سامنے گردن جھکانے میں اس کو کسی طرح کا عار نہ ہوگا،

(۱۱) نماز عزم و استقلال کی تعلیم دیتی ہے، بندہ جب ایک بار سچائی کے ساتھ اپنے پروردگار سے پیمان وفا باندھ لیتا ہے، تو خواہ اسے کتنی ہی دشواریاں اور مصیبتیں اٹھانی پڑیں، پر زندگی کی آخری سانس تک کامل خوشدلی اور اخلاص کیساتھ اس کو اپنے اس عہد پر مضبوطی سے قائم رہنا پڑتا ہے،

(۱۲) نماز حوصلہ اور امنگ کی تعلیم دیتی ہے، اس لئے کہ جو بندہ خدا سے اپنی لو لگا لیتا ہے وہ زندگی کی ناکامیوں سے کبھی مایوس نہیں ہوتا، اس کے اپنے ہاتھ پیر کشمکش حیات میں کبھی اگر شل بھی ہو جاتے ہیں، تو بجائے ہمت ہار دینے کے ہر گھڑی اسے ایک امداد غیبی کا سہارا ہوتا ہے، اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہی:۔

لا تیئسوا من روح اللہ انہ لا ییئس من روح اللہ الا القوم الکافرون (یوسف)
اللہ کی امداد غیبی سے مایوس نہ ہو بیشک اللہ کی امداد غیبی سے کافروں کے سوا کوئی مایوس نہیں ہوتا،

(۱۳) نماز اعلیٰ قومیت کی تعلیم دیتی ہے، اس لئے کہ وہ کرۂ ارض کے تمام مسلمانوں کو ایک مرکز پر اکٹھا کرنا چاہتی ہے، اور ذاتی اغراض کو دور رکھکر سب کو اللہ کے صرف ایک رنگ میں رنگ دینا چاہتی ہے، یہی راز ہے جس کی بناء پر نماز کی زبان اور اس کے تمام حرکات و سکنات جمیع افراد امت کے لئے خواہ وہ کسی گوشہ میں ہوں یکساں اور متحد ہیں،

(۱۴) نماز اطاعت امیر کی تعلیم دیتی ہے، یہ سبق ہمیں نماز سے بڑھکر کس چیز میں مل سکتا ہے، جبکہ ہماری ایک ایک نقل و حرکت صرف امام کے اشارے

اور رہنمائی پر موقوف ہے، امامت درحقیقت خلافت وحکومت کی ایک بہترین شکل ہے، یہی وجہ ہے کہ اسلامی مسند خلافت کا سب سے پہلا جانشین وہ وجود مسعود قرار پایا ہے جس کو رسول مقبول صلعم نے اپنی رحلت کے قریب امام صلوٰۃ منتخب کیا تھا،

(۱۵) نماز احتساب نفس کی تعلیم دیتی ہے، بندہ جب نماز مین خلوص دل سے مشغول ہوتا ہے، تو اپنے پروردگار کے سامنے اپنی تمام خطاؤن اور کمزوریون کو یاد کرتا ہے، اور ان پر پشیمانی کا اظہار کرکے آیندہ ان سے بچنے کیلئے اپنے مولیٰ سے گڑگڑا کر دعا مانگتا ہے، دن مین پانچ مرتبہ جب کوئی انسان اپنے نفس کی اس طرح جانچ کرے تو کیا وہ اپنا دامن کبھی کسی برائی سے آلودہ کرسکتا ہے، یہ نماز کی بہت موٹی موٹی خوبیان ہین ورنہ نماز تو ایک ایسا اکسیر نسخہ ہے جسکے ذریعہ مسلم قوم کے دینی و دنیوی تمام امراض شفا پا سکتے ہین، اس لئے کہ دن مین پانچ وقت نماز کی ہر رکعت مین جب ایک مسلم ایاک نعبد وایاک نستعین کے پاک الفاظ اپنی زبان پر لاتا ہے، تو گویا وہ اپنے اوپر خدا اور رسول کے تمام احکام کما حقہ انجام دینے کی کامل پابندی عائد کرتا ہے، مگر یہ کیسے رنج اور دکھ کی بات ہے، کہ وحی الٰہی کے یہ پاک الفاظ جس وقت ہماری زبان پر آتے ہین، ہمارا دل سوتا رہتا ہے، یا دنیا کے فضول خیالات مین ادھر ادھر بھٹکتا رہتا ہے، یہی وجہ ہے کہ آج ہماری نمازین اثر و کیفیت سے خالی ہین، کیا ہمارے سرکش دلون مین کبھی یہ خوف نہین سماتا کہ ہم اس عظمت وجبروت والے خدا کے سامنے کیسی دلیری و بے باکی سے جھوٹ بولتے ہین جسکی ادنیٰ چشم عتاب ایک پل مین سارے عالم کو تہ و بالا کرسکتی ہے، ؟ کیا ہم اپنی نمازون مین اکثر یہ آیت تلاوت نہین کرتے ؟

فویل للمصلین الذین ھم عن صلوتھم — بربادی ہے ایسے نمازیون کی جو اپنی نماز سے ساھون، الذین ھم یراءون ویمنعون — غافل ہین، جو صرف دکھاوا کرتے ہین اور الماعون، ” ” — برتنے کی چیزین تک نہین دے سکتے۔

کیا اسی ریا اور جھوٹ کا یہ نتیجہ نہین ہے کہ اللہ تعالیٰ کا اٹل فرمان لعنۃ اللہ علی الکاذبین آج ہر طرف سے ہم پر صادق آرہا ہے، کون ہے جو مسلمانون پر ہر گھڑی لعنت وپھٹکار نہین برساتا ؟ زمین کا کون ایسا گوشہ ہے جہان آج ہماری عزت وحرمت قائم ہو ؟ حالانکہ یہی وہ نماز ہے جس نے کسی وقت عرب جیسی وحشی اور جاہل قوم کی ایک آن مین کایا پلٹ دی تھی، جو بدو کبھی اپنے خیمون اور چراگاہون سے دور نہ ہوتے تھے ان کی اذانون کی تکبیر سے زمین کا چپہ چپہ گونج اٹھا، جو تہذیب کے نام سے بھی آشنا نہ تھے، انھون نے سارے عالم کو تہذیب وشائستگی کا سبق پڑھایا،

میرے پیارے عزیزو ! آج ہم اپنی ظاہری اور بے روح نمازون سے اللہ عزوجل کو دھوکا دینا چاہتے ہین، مگر افسوس ہم نہین سمجھتے ہم خدا کو دھوکہ دینے کے بجائے دن رات اپنے ہی کو دھوکہ دے رہے ہین، ہمین یہ یقین کر لینا چاہئے، کہ جب تک ہماری نمازین درست نہونگی ہمین دین و دنیا کی کوئی عزت اور کوئی کامیابی حاصل نہین ہوسکتی، ہماری بیماریون کا علاج انجمنین کانفرنسین، اور تجاویز کے انبار نہین ہین، بلکہ وحی الٰہی کے اس سچے فرمان کی حقیقی تعمیل ہے،

والذین یمسکون بالکتاب واقاموا الصلوٰۃ — جو لوگ کتاب الٰہی کو مضبوطی سے پکڑتے
انا لا نضیع اجر المصلحین (اعراف) — ہین اور نماز کو خوبی کے ساتھ قایم رکھتے
” ” ” ” — ہین ایسے اصلاح کرنے والون کا اجر
” ” ” ” — ہم ضائع نہین کرتے،

نتائج امتحانات جامعہ،

جامعہ سینیر،

مرزا انیس بیگ	کامیاب	درجہ دوم
عبدالکریم خان	”	”
محمد انور خان	انگریزی مین ضمنی امتحان دینا ہوگا،	

جماعت ابتدائی

×حیدر علیخان	کامیاب	درجہ دوم عربی مین امتیاز حاصل کیا
سید نصیر احمد	”	سوم
عبدالوہاب	عربی مین ضمنی امتحان دینا ہوگا،	

نوٹ

جامعہ جوبز کے طلبا مین سے عبدالوحد سندھی نے دینیات مین امتیاز حاصل کیا جو غلطی سے گذشتہ اشاعت مین شائع نہ ہوسکا، مسجل

اردو اکاڈمی کی آیندہ شایع ہونیوالی کتابین

۱۔ **مسئلہ چین**: انگلستان کے مشہور فلسفی اور ریاضی دان برٹرینڈ رسل کی معرکۃ الآرا تصنیف *The Problem of China* کا ترجمہ از مسٹر اسمٰعیل احمد خانصاحب سابق جامعہ ملیہ اسلامیہ قیمت عہ،

یہ کتاب مئی ۳۰ء میں شایع ہونے والی تھی لیکن ضخامت کافی ہونیکی وجہ سے ابھی ختم نہین ہوئی، انشاء اللہ عنقریب نکلے گی،

۲۔ **آزادی**، جان اسٹورٹ مل کی شہرۂ آفاق تصنیف *Liberty* کا ترجمہ از سعید انصاری صاحب بی اے (جامعہ) رفیق اردو اکاڈمی و مدیر پیام تعلیم جس کے ساتھ پروفیسر محمد مجیب صاحب کا ایک نہایت عالمانہ مقدمہ بھی ہے کتابت طباعت ہو رہی ہے امید ہے جون ۳۰ء کے اخیر تک شایع ہو جائیگی،

۳۔ **عربون کا تمدن**، نامور جرمن مستشرق جوزف ہل کی کتاب *Die Kultur der Araber* کا ترجمہ از سید نذیر نیازی صاحب بی اے جامعہ، قیمت عہ، جولائی ۳۰ء مین شایع ہوگی،

۴۔ **عقد اجتماعی**، فرانس کے مشہور فلسفی ژان ژاک روسو کی معروف ترین تصنیف *Social Contract* کا اردو ترجمہ از مولوی محمد مسلم صاحب ایم اے سابق رکن شعبۂ تصنیف و تالیف جامعہ مع مقدمہ پروفیسر محمد مجیب صاحب بی۔ اے (آکسن) استاذ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی،

کتاب انشاء اللہ اگست ۳۰ء مین شایع ہوگی۔

۵۔ **معاشیات قومی**۔ فریڈرک لسٹ کی کتاب *Das Nationale System der Politische Ekonomie* کا براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ از ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب ایم اے، پی، ایچ ڈی (برلن) استاذ معاشیات و شیخ الجامعہ جامعہ دہلی، قیمت عہ، ستمبر ۳۰ء مین تیار ہو جائیگی

۶۔ **بانی اسلام**، جرمن مستشرق ڈ بہارزن کے مضمون کا ترجمہ، جو *Mohammedanism* کے عنوان سے انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی نوین جلد مین ہے اور جامعہ حواشی اور مقدمہ کے کتابی صورت مین اکتوبر ۳۰ء تک شایع ہو جائیگا، از مولوی عبد الحلیم صاحب احراری بی اے جامعہ، رفیق اردو اکاڈمی قیمت عہ،

۷۔ **آزادی کی راہین**، برٹرینڈ رسل کی دوسری تصنیف *Roads to Freedom* کا اردو ترجمہ، از جناب حامد علی خانصاحب بی، اے (جامعہ) نومبر ۳۰ء تک چھپکر شایع ہو جائیگی۔ قیمت عہ،

۸۔ **نفسیات شباب**، جرمنی کے مشہور عالم نفسیات و فلسفۂ تعلیم و زندگی ماہر پروفیسر ایڈورڈ اشپرانگر کی تازہ تصنیف *Psychologie des Jugendalters* کا براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ از ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب،

دیوان غالب (پاکٹ ایڈیشن)

مطبوعہ شرکت کاویانی برلن، خوبصورت ملائم جلد، سنہرے دلفریب نقش و نگار، طلائی اوراق اور مرزا غالب کی رنگین عکسی تصویر

قیمت صرف للعہ،

مبادی معاشیات

ایڈون کی مشہور معروف تصنیف کا ترجمہ از پروفیسر ذاکر حسین خانصاحب قیمت عہ،

دیوان شیدا

مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خانصاحب کے فارسی اور اردو کلام کا مجموعہ پاکٹ سائز جلد سنہری، نہایت خوبصورت اوراق مطلا، جرمن ہنرمندی کا اعلیٰ نمونہ، قیمت صرف عہ

تاریخ فلسفۂ اسلام،

ڈی جے دی بور کی تصنیف کا جرمن زبان سے ترجمہ از ڈاکٹر عابد حسین صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی، قیمت عہ،

مفصل فہرست مکتبہ جامعہ ملیہ، قرولباغ دہلی سے منگائیے

ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

برہان

تفسیر سورہ نور مصنفہ خواجہ عبدالحیٔ صاحب استاذ تفسیر و ناظم دینیات جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی خواجہ صاحب کا سلسلہ تفسیر "الفرقان فی معارف القرآن" کسی تعارف کا محتاج نہیں، یہ کتاب بھی اسی مفید سلسلہ کی ایک کڑی ہے، جس میں سورہ نور کی تفسیر مصنف نے اپنے مخصوص انداز میں امت اسلام کیلئے پیش کی ہے، یہ کتاب گذشتہ اپریل میں شایع ہوئی ہے،

قیمت: ایک روپیہ (عہ)

سلسلہ تفسیر الفرقان فی معارف القرآن

الخلافۃ الکبریٰ (تفسیر سورۂ بقرا مجلد) ...	صہ ر
الصراط المستقیم، (تفسیر سورۂ انفال و توبہ) ...	۶ ر
بیان، (تفسیر سورہ آل عمران)	۱۲ ر
سبیل الرشاد، (تفسیر سورہ حجرات) ----	۱۰ ر
بصائر، (حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ)	۶ ر
عبرت، (تفسیر سورہ یوسف) مجلد	عہ

سلسلہ تاریخ اسلام

ازمولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری

(۱) سیرۃ الرسول	عہ
(۲) خلافت راشدہ	۶ ر
(۳) خلافت بنی امیہ	عہ
(۴) خلافت عباسیہ حصہ اول	۶ ر
(۵) " " دوم	۶ ر

ملنے کا پتہ:- مہتمم مکتبہ جامعہ ملیہ قرول باغ دہلی

بحکم جناب شیخ الجامعہ صاحب زیر اہتمام سید عابد حسین صاحب بہ نشر مطبع جامعہ ملیہ میں چھپکر دفتر پیام تعلیم سے شایع ہوا،

پیامِ تعلیم

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا
پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

قیمت سالانہ عہ
ششماہی ۱۴ر
فی پرچہ ار

خریداران رسالہ جامعہ سے
صرف ایک روپیہ
نمونہ مفت

ایڈیٹر — سعید انصاری بی اے (جامعہ)

نمبر ۶	۷ - جولائی ۱۹۲۷ء	جلد ۳

جامعہ کا نیا تعلیمی سال

یکم اگست ۱۹۲۷ء سے شروع ہوگا

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی اور مدرسہ جامعہ یکم اگست کو کھلیں گے۔ جو لوگ اپنے بچوں کو صحیح تعلیمی اصول کے مطابق تعلیم دلانے کے خواہشمند ہیں، انہیں چاہئے کہ اپنے بچوں کو مدرسہ جامعہ میں داخل کرائیں، جہاں دینی، دنیاوی اور صنعتی تعلیم کے علاوہ طلبہ کی تربیت پر خاص توجہ کیجاتی ہے اور ان کی صحت کا کافی لحاظ کیا جاتا ہے۔ جامعہ کا اسٹاف یورپ اور ہندوستان کے جدید تعلیمیافتہ اور علما پر مشتمل ہے اور اسے بلاشبہ ہندوستانی مدارس میں بہترین کہا جاسکتا ہے۔ داخلہ کی درخواستیں جلد آنی چاہئیں۔ کیونکہ دارالاقامہ میں جگہ محدود ہے۔ مفصل حالات معلوم کرنے اور پراسپکٹس وغیرہ طلب کرنیکا پتہ :

دفتر شیخ الجامعہ۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ قرولباغ دہلی

شذرات

از اڈیٹر

کرنے کی باتین،

تعطیل کا زمانہ قریب ختم کے آگیا، دو تہائی سے اوپر مدت گذر گئی، مشکل سے ایک تہائی حصہ باقی ہوگا، اب سوال یہ ہے کہ چھٹیون سے قبل ہمارے برادران جامعہ جو بڑے بڑے وعدے کرکے ہم سے رخصت ہوئے تھے انھین اس عرصہ مین کس حد تک پورا کیا ہے، دو ماہ کی اس مدت مین انھون نے کتنے رسالۂ جامعہ کے خریدار بنائے، اور کتنے "پیام تعلیم" کے چاہنے والون کے لئے آرڈر فراہم کئے؟ اپنے کتنے دوستون اور ساتھیون کو جامعہ آنیکے لئے تیار کیا؟ کتنے بزرگون اور عزیزون کے دلون سے جامعہ کے متعلق شکوک وشبہات کو رفع کیا؟ کتنے والدین اور سرپرستون کو اپنے لڑکون اور بچون کو جامعہ بھیجنے کے لئے آمادہ کیا؟ یہ اور بہت سے اسی قسم کی باتین ہین جو ہمارے کرنے کی تھین اور جس کا ہم مین سے ہر ایک بھائی نے جامعہ سے رخصت ہوتے وقت اپنے اپنے دل مین عہد کیا تھا، لیکن کیا خبر تھی کہ دوست احباب کی پر لطف صحبتون، والدین اور اعزہ کی محبت آمیز گودون، وطن اور دیہات کی دلچسپیون یا مجھ جیسے بعض بدنصیب کے لئے خانگی معاملات کی الجھنون مین پڑکر ان مین سے کسی بات کا کبھی بھولے سے بھی خیال گذرا ہوگا، مثل ہے صبح کا بھولا شام کو آجائے تو وہ بھولا نہین کہلاتا، اب بھی وقت ہاتھ سے نہین گیا ہے، زیادہ اگر نہین تو تھوڑے دن باقی ہین، کرنے کے لئے یہ بھی کچھ کم مدت نہین، کرنا ہے تو اس عرصہ مین بھی بہت کچھ ہوسکتا ہے، یکم اگست کو جامعہ کھلے گی، اس دن ایک دوسرے سے ملنا ہوگا، اپنے اپنے کامون کا جائزہ دینا ہوگا، اس وقت کوئی عذر اور بہانہ کام نہ دیگا،

مرد عاقبت بین مبارک بندہ ایست، ع

شک وایمان کی حالت

تعطیل کے اس زمانہ مین اکثر ایسے بزرگون اور دوستون سے گفتگو کا موقع ملا جو باوجود جامعہ سے کچھ بہت زیادہ ہمدرد نہ ہونے کے اپنے بچون کو جامعہ بھیجنے کے خواہان اور شایق نظر آتے تھے، انھین ایک طرف تو یہ شبہہ ہے کہ مادی حیثیت سے جامعہ کی اعلی تعلیم ان کے لئے کچھ بہت زیادہ مفید اور نفع بخش نہ ہوگی، دوسری طرف انھین اس پر ایمان ہے کہ سرکاری اسکولون اور کالجون کی تعلیم دنیوی اعتبار سے نہایت کارآمد اور سودمند ثابت ہوئی لیکن اس شک وایمان کی حالت مین انھین اس کا یقین نہین کہ ان کے بچون کو انسان اور صحیح انسان بنانے کے لئے انھین کس طرف رجوع کرنا چاہئے، لامحالہ جب ان کی نظر اٹھتی ہے، تو جامعہ ہی کی طرف اٹھتی ہے اور وہ سمجھتے ہین کہ ان کے بچون کے صحیح تعلیم وتربیت اگر کہین ہوسکتی ہے، تو وہ جامعہ ہی مین ہوسکتی ہے، چنانچہ اکثر لوگ اخراجات کی دشواری مسافت کی زحمت اور بعض اعزہ کی مخالفت کے باوجود اپنے لخت جگرون کو اپنے سے جدا کرنے پر آمادہ وتیار نظر آتے ہین، اگر کوشش کیجائے اور لوگون کے شکوک وشبہات کو رفع کرکے انھین صحیح معلومات بہم پہونچائے جائین تو ہر جگہ اور ہر مقام پر ایسے اشخاص مل سکتے ہین،

علم کو علم کے لئے،

جامعہ کی ابتدائی تعلیم وتربیت کے معاملہ مین تو موافق ومخالف ہر شخص جامعہ کا قایل نظر آتا ہے لیکن اس کی اعلی تعلیم بھی ان لوگون کے لئے کچھ کم کشش کا باعث نہین جو علم کو علم کے لئے حاصل کرنا چاہتے ہین، ابھی دنون ہوئے بعض ایسے احباب اور دوستون سے ملاقات کا اتفاق ہوا، جو ندوہ یا دیوبند جیسے عربی مدارس سے فارغ ہونے کے بعد انگریزی زبان وادب اور جدید علوم مین بھی مشق ومہارت پیدا کرنی چاہتے ہین، اور اس کے لئے انھین جامعہ سے بہتر اور زیادہ مناسب جگہ اور کوئی دوسری نظر نہین آتی ہے، ایک عرصہ عربی علوم وادب کا مطالعہ کرنے کے بعد انھین قدرتاً یہ خواہش ہوتی ہے کہ انگریزی زبان وادب اور جدید علوم مین بھی مشق ومہارت پیدا کرنی چاہئے لیکن ساتھ ہی وہ چاہتے ہین کہ ان کی حاصل کردہ شے کا دامن بھی ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے، چنانچہ اس کیلئے انھین جامعہ سے زیادہ مناسب اور موزون کوئی درسگاہ نہین معلوم ہوتی ہے، انکی مالی مشکلات اور بعض اور فروعی سوالات حل کردیئے جائین تو غالباً انھین اپنے اس مقصد کی تکمیل مین پھر کوئی دشواری باقی نہ رہیگی، ہمین کامل یقین ہے کہ جامعہ ایسے شایقین علم کی ہر طرح سے امداد واعانت کرنیکے لئے تیار ہے، اور انھین اپنے آغوش علم مین جگہ دینے کیلئے بالکل آمادہ ہے

ہندوستان اور جرمنی کا تعلیمی موازنہ

(از اڈیٹر)

نارکس ناکتر دوہاں ایک نہایت سنجیدہ خیال شخص معلوم ہوتے ہیں، انہون نے یہ مضمون جرمنی اور ہندوستان کی تعلیمی حالت پر لکھا ہے، اور جس مین بغور نہایت وضاحت کے ساتھ ہندوستان کی تعلیمی خامیون کو بیان کیا ہے، اور یہ دکھایا ہے کہ اس خامی کو رفع کرنے کے لئے ہندوستان کا جرمنی کے ساتھ تعلیمی تعلق قائم رکھنا کس قدر ضروری ہے، یہ مضمون اس قابل ہے کہ ناظرین پیام تعلیم کے مطالعہ کے لئے پیش کیا جائے،

جرمنی کی تعلیمی رفتار

۱۹۲۵ء مین جرمن یونیورسٹی مین طلبہ کی تعداد ۲۷۷۰۲ تھی جو قبل از جنگ کی تعداد سے ۳۰۰۰ زیادہ ہے، اور طالبات کی تعداد اسی سال کے اندر کل ۴۴۸۳ تھی جو سال ماقبل سے ۵۰ زیادہ ہے، آج کل جرمن یونیورسٹیون کے طلبہ مین دینیات کی تعلیم سے ایک گونہ بے رغبتی پیدا ہوتی جارہی ہے، یہی وجہ ہے، کہ پروٹسٹانٹ ہو رومن کاتھولک، ہر دو فرقون کے طلبہ کی تعداد مین بہت کمی ہوگئی ہے علاوہ اس کے کیمیا، دوا سازی اور سیاسیات کے طلبہ کی تعداد بھی گھٹتی جارہی ہے، برعکس اس کے دندان سازی، طب حیوانات، صنعتی شعبون اور علم السنہ کے طلبہ مین روز افزون اضافہ ہورہا ہے، ۲۶-۱۹۲۵ء کے سرمائی سشن مین فن طب سیکھنے والے طلبہ کی تعداد ۶۴۳۰ تھی، ان اعداد سے واضح ہورہا ہے کہ زمانہ جنگ اور مابعد مین جرمنی کی تعلیمی حالت کو جو نقصان پہونچا تھا وہ کس تیزی کے ساتھ رفع ہوتا جارہا ہے، اور جرمن قوم آج اپنی قومی صحت اور صنعتی و حرفتی ترقی کے میدان مین کس تیزی کے ساتھ قدم بڑھا رہی ہے نیز غیر ملکی تعلقات اور تجارت کو فروغ دینے مین بھی وہ اپنی پوری توجہ صرف کررہی ہے،

غیر ملکی زبانون کی طرف توجہ

اس کے ساتھ یہ امر بھی قابل لحاظ ہے، کہ جرمنی مین اموات کی شرح برابر گھٹ رہی ہے اور شرح پیدائش مین روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے، ہر شخص کے لئے ورزشی کھیلون مین حصہ لینا لازمی ہے، اگر جرمنی کو صنعت و حرفت اور بین الاقوامی تجارت مین اپنا گذشتہ وقار پھر قائم کرنا ہے تو اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ ایسے ماہرین فن پیدا کرے، جو صنعت و حرفت کے کامون اور دوسرے ملکون کے بازارون پر قبضہ کرنے مین مہارت تامہ رکھتے ہون، اس غرض کے لئے جرمن یونیورسٹیان ایسے اشخاص تیار کررہی ہین جو ان ممالک کی زبانون سے پوری طرح واقف ہوتے ہین، چنانچہ آج اکثر جرمن طلبہ روسی، ہسپانی، چینی، جاپانی، انگریزی، اطالوی، فارسی، ترکی اور ہندوستانی زبانین سیکھ رہے ہین،

ہندوستان مین اعلیٰ تعلیم کا معیار

آئیے ذرا ہندوستان اور جرمنی کی موجودہ تعلیمی حالت کا موازنہ کرین سب سے پہلے ہمین یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ ہندوستان مین اعلیٰ تعلیم کا معیار جرمنی کے معیار سے بہت کم ہے، اس کمی کی ذمہ دار ہندوستانی حکومت، ہندوستانی مدبرین، ہندوستانی ماہرین تعلیم اور تمام جمہور ہے، اگر حکومت اعلیٰ تعلیم کا معیار بلند نہ کرے تو اس صورت مین مناسب ہے، کہ مسلم یونیورسٹی اور ہندو یونیورسٹی جیسی غیر سرکاری یونیورسٹیان اس راہ مین پیش قدمی کرین،

طلبہ کی کمی،

دوسرے یہ کہ ہندوستان کی آبادی جرمنی سے پانچ گنا زیادہ ہے اگر ہندوستان کا تعلیمی معیار جرمنی کے برابر بھی ہوتا تب بھی ہندوستانی یونیورسٹیون مین طلبہ کی تعداد ۴۰۰۰۰۰ ہونی چاہئے اور طالبات کی ۲۸۰۰۰، لیکن بدقسمتی سے ایسا نہین ہے،

فن طب کی ضرورت

تیسری بات یہ کہ ہندوستان کی شرح اموات جرمنی سے دوچند ہے، جرمنی مین ہندوستان کی طرح ملیریا اور طاعون جیسے وبائی امراض نہین ہین جو ہر سال ہزارون لاکھون کی جانین لے لیتے ہین، ہندوستان مین تعلیم طب کی ضرورت تمام متمدن ممالک سے زیادہ ہے، ہندوستان

کے تمام سیاسی مدبر دنکو انگریزی حکومت کا یہ منشور کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ چونکہ ہندوستان میں طبی اشخاص کی کافی تعداد نہیں ہو سکتی، اپنی افیون کی پالیسی نہیں بدل سکتی، اور اس کو کوئی قید نہیں عاید کر سکتی، حکومت برطانیہ کی یہ دلیل ہے کہ چونکہ ہندوستان میں ڈاکٹر اور اطبا کافی تعداد میں نہیں ہیں، اس لئے ہندوستانیوں کو افیون بطور خانگی دوا کے برابر استعمال کرنی چاہیے، اگر صرف یہی تسلیم کر لیا جائے کہ ہندوستان میں طبی اشخاص کی صرف اسی قدر ضرورت ہے، جس قدر جرمنی میں، تب بھی ہندوستان کے طبی کالجوں میں ۳۲۰۰۰ طلبا اور ہونے چاہئیں، لیکن افسوس ہے، کہ ہندوستانی یونیورسٹیوں میں ۴۴۰۰ طلبہ بھی طب اور ڈاکٹری پڑھنے والے نہیں ہیں،

صنعتی علوم سے بے توجہی،

چوتھے یہ کہ ہندوستانی یونیورسٹیوں میں جتنے طلبہ صنعتی شعبوں اور علم السنہ کی تعلیم حاصل کرتے ہیں، انکی تعداد جرمن یونیورسٹیوں کے طلبہ پانچ گنی ہونی چاہیے، لیکن بدقسمتی سے ایسا نہیں ہے، تعلیم کے میدان میں ہندوستان جرمنی سے کوسوں پیچھے ہے، اور اس کمی کو پورا کرنے کے لئے بظاہر کوئی کوشش نہیں کیجا رہی ہے، ایک زمانہ تھا جبکہ ہندوستانی یونیورسٹیوں میں یونان، عرب، ایران، چین، جاپان، اور دیگر ممالک سے طلبہ کھنچے چلے آتے تھے، اور ہندوستانی فضلانے علم وفن کی روشنی کو ہندوستان کے مختلف گوشوں میں حتی کہ سائبیریا تک پھیلا دی تھی یہ ہماری بدقسمتی ہے کہ آج ہندوستانی یونیورسٹیوں میں صنعتی علوم طب اور غیر ملکی زبانوں کی تعلیم کا کوئی معقول انتظام نہیں ہے، ضرورت ہے کہ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے مناسب تدابیر کیجائیں،

جرمنی میں ہندی طلبہ کا انتظام،

جرمن یونیورسٹیوں کی شہرت نے ہمیشہ دور دور کے ممالک سے طلبہ کو اپنے ہاں کھینچکر بلایا ہے، علم وفن کی مختلف شاخوں میں خصوصی تعلیم حاصل کرنے کے لئے امریکہ، انگلستان، فرانس، اٹلی، اور دوسرے ملکوں سے طلبہ یہاں آیا کرتے تھے، پہلے جرمن یونیورسٹیوں میں، روس، پولینڈ، اور وسط یورپ کے ان ملکوں سے طلبہ پڑھنے آتے تھے، جن کے لیے خود ان کے ہاں کوئی انتظام نہ تھا، ۲۶-۱۹۲۵ء کے سہ ماہی سشن میں غیر ملکی طلبہ کی تعداد ۴۸۰۰ تھی لیکن اس سے قبل سشن میں یہی تعداد ۵۰۹۹ تھی

اس کمی کو دیکھکر جرمنی کے تمام ماہرین تعلیم وسیاست کی توجہ اس طرف مبذول ہوگئی ہے، ان کا خیال ہے کہ جرمنی میں ایسے غیر ملکی طلبہ برابر آتے رہنے چاہئیں جو یہاں آکر تحصیل علوم کریں، دوسرے ممالک کے طلبہ جرمنی کے لئے ایسے بیش بہا ذرایع ہیں جن سے جرمن تہذیب وتمدن کے پھیلانے اور جرمنی کے تمدن تجارتی اور سیاسی مفاد کو ترقی دینے کا کام لیا جا سکتا ہے جرمنی ایسے غیر ملکی طلبہ کے لئے بالخصوص مشرقی طلبہ کے استقبال کیلئے ہر وقت تیار ہے، اور بہت ممکن ہے کہ مشرقی طلبہ کیلئے جرمن یونیورسٹیوں میں آئندہ کوئی خاص انتظام بھی رکھا جائے، اسی سلسلہ میں یہ خبر دلچسپی سے خالی نہ ہوگی کہ ریشتاگ نے ۵ لاکھ مارک (جو تقریباً ۳۵۰۰۰۰ روپیہ کے ہوتا ہے) خاص اس غرض سے منظور کیا ہے، کہ اس سے غیر ملکی طلبہ کے استقبال کے لئے جو برلن میں تعلیم حاصل کرنے آئیں، ایک عمارت تعمیر کیجائے،

ہندوستان میں غیر ملکی زبانیں سیکھنے کی ضرورت

اگرچہ ہندوستان کے بہترین مفاد کے خیال سے ہونہار طلبہ کی صرف ایک منتخب تعداد جرمنی بغرض تعلیم آنی چاہئے، پھر بھی جرمن یونیورسٹیوں میں ہندوستانی طلبہ کی تعداد ترکی، جاپان اور چین کے بہ نسبت بہت کم ہے عام طور سے یہ خیال ہے کہ حکومت ہند جرمنی یا امریکہ جانے کے لئے ہندوستانی طلبہ کی کوئی حوصلہ افزائی نہیں کرتی ہے، بلکہ وہ ان طلبہ کو خاص مراعات دیتی ہے جو برطانوی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے جاتے ہیں، پھر اس کے علاوہ ایک دقت زبان کی بھی ہے، ہندوستانی یونیورسٹیوں میں طلبہ کے لئے جرمن زبان سیکھنے کا کوئی انتظام نہیں ہوتا، اگر ہندوستان کو دوسری قوموں کے ساتھ تمدنی، تجارتی، اور سیاسی میل جول رکھنا ہے تو ہندوستانی یونیورسٹیوں کے طلبہ کو چاہیے، کہ وہ غیر ملکی زبانیں سیکھیں اور جرمن، فرنچ، اسپینی، روسی، چینی، اور جاپانی زبانوں کی طرف خاص توجہ کریں، بعض مخالفین یہ کہیں گے، کہ معاشی اسباب کی بنا پر یہ

(دیکھو صفحہ ۱۰ کالم)

مکتوب فرانس

ایک عرصہ کے بعد آج ہمین اپنے عزیز دوست یوسف حسین خانصاحب کا ایک خط ہاتھ آگیا ہے جسے ہم نہایت مسرت و خوشی کے ساتھ ہدیہ قارئین کرتے ہین، اس خط مین ہمارے دوست نے مصری و ترکی نوجوانون کے خیالات فرانس اور یورپ کے موجودہ اقتصادی و سیاسی حالات نہایت ناقدانہ انداز بہتر طریقہ سے بیان کئے ہین، جو پڑھنے سے تعلق رکھتے ہین، "اڈیٹر"

پیرس، ۲۴ر مئی ۱۹۲۶ء

شفیق صاحب، سلام علیکم،

کئی ہفتے ناغہ ہوگئے، آپکے خط کا جواب بہت دیر سے دیر ہا ہون میرا خیال تھا کہ شاید آپ کے خطون سے جامعہ کے مفصل حالات معلوم ہوتے رہا کرینگے لیکن آپ بھی کچھ نہین لکھتے جامعہ کے متعلق میرا ذریعہ معلومات صرف "پیام تعلیم" ہے، اور اس کا انحصار بھی "پیام تعلیم" کے کارکنون کے رحم پر ہے، مین ابتک اسی دھوکے مین ہون کہ پیام تعلیم مہینے مین دو مرتبہ نکلتا ہے حالانکہ مجھے مہینے مین ایک دفعہ بھی مشکل سے ملتا ہے، رہا "جامعہ" تو اس کا ملنا اپنی خواہش سے زیادہ کچھ نہین سب خواہشین پوری تھوڑی ہوا کرتی ہین،

اچھا جامعہ کے متعلق آپ کچھ نہین لکھتے، نہ لکھئے، اپنے حالات تو کم سے کم آپ مفصل لکھ سکتے ہین، وہی لکھئے، آج کل کیا مشغلے ہین؟ کیا دلچسپیان ہین! آپ کے ذمہ کیا کیا کام ہین؟ اکاڈمی مین اب شریک ہین یا نہین؟ آپکو جرمن تو اب خوب آگئی ہوگی، اس ہفتہ "پیام تعلیم" مین سعید صاحب اور احراری صاحب کا جرمن کہانی کا ترجمہ پڑھا، معلوم ہوتا ہے آپ لوگون نے بہت کافی اور بہت کم دنون مین ترقی کر لی، جامعہ کے مطبوعات کی فہرست مین اس سال خوب اضافہ ہوا ہے، بھئی، میرا دل تو بہت چاہتا ہے کہ اون مین سے بعض کتابین دیکھنے کو ملین، لیکن کسی سے فرمائش کرنیکی ہمت نہین پڑتی، مین اتنی زیادہ "فرمائشین" اور اتنے بہت سارے آدمیون سے کر چکا ہون، کہ اب اور کسی چیز کے لئے لکھنے کا کوئی فائدہ نہین نظر آتا جب حشر معلوم ہو تو کیون بیکار آدمی اپنی بات کھوئے، شکایت کا سلسلہ اب ختم کرتا ہون، آپ یہ وعدہ کرتے ہین کہ آئندہ سے آپ کے خط مفصل ہونگے، اگر مین تفصیل سے نہ لکھون تو کوئی حرج نہین کیونکہ یہان کے حالات سارے ہندوستانی اخبارون مین آپ لوگون کو مل جاتے ہونگے لیکن ہندوستان اور جامعہ کا احوال کہین نہین ملتا، تاہم مین کبھی کبھی بلوؤن کی مجمل خبرین ملجاتی ہین، اگر وہ مفصل ہون تو بھی اون سے کوئی دلچسپی نہین، جسے ہندوستان کے لوگون اور اون کے لیڈرون کا تھوڑا بہت بھی علم ہے وہ ان خبرون کو سنے بغیر اپنے تخیل سے ہندوستان کی موجودہ حالت کا بڑی حد تک اندازہ کر سکتا ہے،

سار بون مین مجھے مصری، ترکی اور شامی طالبعلمون سے ملنے کا اکثر اتفاق ہوتا ہے، ان مین بعض بڑے ہونہار ہین، ان لوگون کو ہندوستان کے مسلمانون سے، ان کی جہالت اور ان کی غلط رہبری کے باعث بڑی ہمدردی ہے، ان مین تقریباً سب نیشلسٹ ہین یقین کیجئے اگر آپ ان کے خیالات پین اسلامزم اور خلافت وغیرہ کے متعلق سنین تو بڑے متعجب ہون، یہ ہماری حماقتون پر، مذاق کی ہلین ہمدردی کی ہنسی ہنستے ہین، یہ لوگ وہ ہین جن پر مغربیت کا بے معنی اثر ہوا ہے، لہذا مین ہر ایک وطنیت کے نشہ مین سرشار ہو اور ہر معقول بات مغربیت کا اثر ہے تو یقیناً اس مغربیت پر ہزار مشرقیت اور شالیت اور روحانیت قربان،

گذشتہ مہینے مین نے مولانا عبدالماجد صاحب دریا بادی کو ایک خط لکھا تھا اور ان سے چند باتین دریافت کی تھین، مولانا نے میرے حال پر بڑی مہربانی کی، خط کے جواب کے ساتھ خطبہ خلافت کانفرنس بھی بھیجدیا، مین نے یہ خطبہ اس سرے سے اُس سرے تک پڑھا، اس مین سے بعض باتین مین نے اپنے مصری دوست سے بیان کین، وہ چونک پڑے، مولانا کی اس آمادگی کو دیکھکر کہ حجاز کے ذرہ ذرہ پر سیکڑون ہندوستان اور ہزارون ایران قربان ہین، ان سے نہ رہا گیا اور انھون نے ہنسکر کہا کہ ہندوستان کے مسلمان بڑے سخی معلوم ہوتے ہین، مصری تو پورے جزیرۃ العرب کیلئے قاہرہ کے میونسپل حدود کو بھی شاید قربان نہ کر سکین، اسی بات سے آپ دوسرے اسلامی ملکون کے نوجوانون کی ذہنیت کا اندازہ کر سکتے ہین، آپ یقین کیجئے کہ اگر ہمارے رہنماؤن کی رہنمائی کے یہی ڈھنگ ہین تو وہ دن دور نہین جب مسلمانون ہی مین سے ایک جماعت ہندوستان مین پیدا ہوگی جو متھرا اور کاشی کے ایک بت پر ساری اسلامی دنیا کو قربان کرنے کی آمادگی ظاہر کریگی، اگرچہ میرے نزدیک عقل سلیم اس پر بھی ویسا ہی

ماتم کریگی جیسا کہ آج کل کے موجودہ رہنماؤن کی اندھا دھند باتون پر کرتی ہے، مین جب اسلامی دنیا کے نوجوانون سے اس قسم کی باتین کرتا ہون تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ ذہنی ارتقا مین کس قدر پیچھے ہین، ہمین زندگی کے حقایق کی طرف سے آنکھین موندنے مین نہ معلوم کیا مزہ آتا ہے، ہمین زندگی کی "یک سے لیکر آخر تک ساری قیود کی تلافی کرنی پڑیگی، اگر آج نہین تو کل ہم اس بات پر مجبور ہون گے،

فرانس کے سارے حالات آپ کو اخبارون سے معلوم ہوتے رہتے ہون گے، سیاسی استقلال کے باعث اقتصادی حالت بڑی حد تک سنبھل گئی ہے بیرونی صنعت نے گذشتہ چھ مہینون مین اچھا خاصہ فائدہ اٹھایا،

زرِ مبادلہ اگرچہ ابتک گورنمنٹ نے قانونی طور پر مقرر نہین کیا لیکن عملاً مقرر سمجھئے، اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہے، کہ تجارت کی کساد بازاری، جو آئے دن کے زرِ مبادلہ بدلنے کا لازمی نتیجہ تھی، جاتی رہی، ریاست کے خزانون مین سونا جمع ہونا شروع ہو گیا ہے، اگر کچھ عرصہ یہ گورنمنٹ قایم رہی، جیسا کہ خیال ہے کہ رہیگی تو فرانس شاید قرضہ جنگ کی ادائیگی کی کوئی صورت نکال سکے گا، موجودہ حالت مین امریکہ اور انگریزون کے سود کا فرانسیسی بجٹ پر اتنا بڑا بار ہے کہ سنبھالے نہین سنبھلتا، یہ تو ٹھیک ہے، کہ فرانسیسیون نے لڑائی جیت لی لیکن ان کی قومی زندگی کو ایسا دھچکا لگا ہے، کہ ابھی مدت مین یہ اپنی اصلی حالت پر آ سکیگی اب حال یہ ہے کہ قومی زندگی کے ضروری شعبون کے لئے بھی فرانسیسی بجٹ مین منظوری کی گنجایش نہین، تعلیم ساری دنیا مین روپیہ کی بھوکی ہے محکمۂ تعلیم شاید کسی ملک مین بھی مطمئن نہ ہوگا، لیکن فرانس مین یورپ کے سب ملکون سے زیادہ یہ شعبہ مفلس و غریب ہے، پروفیسرون اور استادون کی گذر بڑی مشکلون سے ہوتی ہے، ان لوگون کی تنخواہین بالکل ناکافی ہین چنانچہ آج کل جبکہ زندگی بہت گران ہو گئی ہے علمی طبقہ مین بڑی بے چینی ہے اور گورنمنٹ کے خلاف احتجاجین ہو رہی ہین، لیکن گورنمنٹ کیا کرے؟ ملک کی اقتصادی حالت سنبھلے تو سب اندرونی محکمون پر توجہ کرین، اسکول کے استادون کی غریبی کا اندازہ آپ اس سے لگا سکینگے کہ حال ہی مین فرانس کے اسکول ماسٹرون کی کانفرنس مین ایک یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ ابتک تو محض علم کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے، کوئی جارحانہ کارروائی نہین کی گئی لیکن اگر ملک اپنے خادمون کی طرف سے ایسی ہی بے اعتنائی برتتا رہا تو شاید پورے ملک

مین اسٹرایک کے اصول پر عمل کیا جایگا اور جس طرح کوئلہ کی کانون اور روئی کے کارخانون کے مزدور اپنے مطالبات پورے نہ ہونے پر سب کام ترک کر دیتے ہین اسی طرح اسکول کے اساتذہ متفقہ طور پر تعلیم و تعلم ترک کر دین گے، اور اس طرح سب مکتب اور مدرسے بند ہو جایئن گے، یہ انتہا ہے، فرانسیسی ان سب باتون کو محسوس کرتے ہین، لیکن ابھی مدتون انھین امریکہ اور انگریزون کا پیٹ، اپنے پیٹ سے پہلے بھرنا پڑیگا،

گذشتہ دو ہفتون سے فرانس ہی مین نہین، بلکہ سارے یورپ کے بچہ بچہ کی زبان پر تین آدمیون کے نام ہین ننگسے، کولی، اور لنڈ برگھ، ہندوستانی اخبارون مین ان لوگون کے حالات نکل چکے ہون گے، ننگسے اور کولی فرانس کے دو مشہور ہوا باز تھے، ان دونون کے جنگی کارنامے بہت مشہور ہین، یہ دونون پیرس سے نیویارک کا فاصلہ ایک اڑان مین طے کرنا چاہتے تھے اطلانٹک کو ایک اڑان مین اب تک کسی نے پار نہین کیا تھا، یہ دونون یہان سے روانہ ہوئے اس کے بعد اب تک کوئی پتہ نہین کیا ہوئے، خیال یہ ہے کہ شمالی کینیڈا کی برفستانی خاموشیون مین یہ دونون بہادر ہلاک ہو گئے، پوری فرانسیسی قوم نے ان دونون کا ماتم کیا ہے، اخبار پڑھتے پڑھتے مین نے لوگون کو روتے دیکھا ہے، فرانسیسیون مین قومی غرور انتہا درجہ کا ہے، ان کا خیال تھا کہ سب سے پہلے جو لوگ اطلانٹک پار کرینگے وہ فرانسیسی ہون گے لیکن ایسا نہین ہوا، ان کی قسمت مین نہ تھا، امریکہ کا ایک نوجوان ہوا باز لنڈ برگ جسے آج سے دو ہفتہ پہلے کوئی نہین جانتا تھا، اس وقت ایک معروف آدمی ہے، پورا امریکہ اور یورپ صرف اسے ہی نہین بلکہ اس کے سارے خاندان سے واقف ہے، یہ شخص اپنی جان پر کھیل کر اکیلا چل کھڑا ہوا اور دوسرے دن پیرس مین آ دھمکا، پیرس والے ابھی اپنے بہادرون کا ماتم کر رہے تھے، لیکن فرانسیسی دل کے بڑے فراخ ہین، لنڈن برگ کا استقبال اس شان سے کیا کہ جیسا چاہئے، صدر جمہوریت اور وزرا نے خود ذاتی طور پر ملکر امریکن نوجوان کو اس کی شجاعانہ ہوا بازی پر مبارکباد دی، کل ایوان مبعوثین مین بھی اسے بلایا گیا، اور پوری فرانسیسی قوم کی عزت مبارکباد دیگئی،

لنڈ برگ خود ننگسے (لاپتہ فرانسیسی ہوا باز) کی مان سے ملنے گیا اس ضعیفہ جو اس کی گفتگو ہوئی، بڑی پر درد ہے، ننگسے کی مان نے اپنی تھرتھراتی ہوئی

اسکاوٹ

پہلا قانون،

از محمود علی خان فرخ آبادی، سابق طالبعلم (جامعہ)

وہ دس قوانین جنکی پابندی ایک اسکاوٹ پر از حد لازم و واجب ہے میں یکے بعد دیگرے یہاں پر مختصراً بیان کرونگا، سب سے پہلے میں آپکی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ نصیحت کرنے کے اس اصول کے مطابق جو پچھلے نمبر میں عرض کر چکا ہوں، یعنی وہی نصیحت پورا اثر رکھتی ہے جو غیر محسوس طریقہ سے کیجائے اور اگر مخاطب کو اس کا احساس ہوگیا کہ نصیحت کیجا رہی ہے، تو دین سے فوراً بغاوت شروع ہو جاتی ہے،، اور وہ نصیحت اس طرح برباد جاتی ہے جیسے ریت میں پانی، اسکاوٹنگ میں قانون بھی اسی طرح ترتیب دیئے گئے ہیں کہ ان پر نصیحت یا حکم کا شک بھی نہ کیا جاسکے،

اسکاوٹ کا سب سے پہلا فرض یہ ہے، کہ وہ سچا ہو اور اگر وہ سچ بولتا ہوگا تو ظاہر ہے کہ ہر شخص اس کی بات کا اعتبار کریگا چنانچہ بجائے اس طرح کہنے کے کہ اسکاوٹ کو ہمیشہ سچ بولنا چاہئے، پہلا قانون اس طرح بنایا گیا ہے، کہ "ایک اسکاوٹ کی بات کا اعتبار کیا جاتا ہے،، گویا کہ اس جملہ میں اسکاوٹ کا سچا کیرکٹر ظاہر کیا گیا ہے،

اسکاوٹ کو کھیلوں وغیرہ کے ذریعہ سے ہمیشہ اسی کی تعلیم دیجاتی ہے کہ اس کی عزت اسی میں ہے کہ دنیا اس پر اعتبار کرے اور اگر ایسا نہیں ہے تو وہ اسکاوٹ نہیں ہو سکتا، اگر ایک اسکاوٹ کوئی بات کہے تو سب کو بغیر کسی خیال کے فوراً مان لینا چاہئے، کہ ہاں ایسا ہی ہوگا، کیونکہ اسکاوٹ کبھی جھوٹ تو بولتا ہی نہیں ہے، اگر کوئی کام ایک اسکاوٹ کے سپرد کیا جائے تو سپرد کرنے والے کو یقین کر لینا چاہئے کہ وہ اس کام کو ضرور پورا کریگا،

بچوں میں سچ بولنے کی عادت پیدا کرنے کیلئے اور ان میں اس بات کا احساس پیدا کرنے کے لئے کہ انکی بات کا اعتبار کیا جائے، مختلف صورتیں اختیار کیجاتی ہیں، انھیں مختلف کھیل کھلائے جاتے ہیں اور ان میں ہار جیت کا فیصلہ محض ان کی زبان پر چھوڑ دیا جاتا ہے، پھر کوئی اس کے خلاف آواز بلند نہیں کرتا ہے، بلکہ بخوشی اسے تسلیم کرتا ہے، اکثر اسکاوٹ ماسٹر رفتہ رفتہ یہاں تک کرتے ہیں کہ ہاکی فٹ بال کی میچ کھلاتے ہیں، لیکن کوئی ریفری مقرر نہیں کرتے، کھلاڑی سے جب کوئی غلطی ہو جاتی ہے، تو وہ یا خود رکجاتا ہے یا پاس والا شخص فوراً بتلا دیتا ہے، اور اس طرح کھیل بڑے لطف کے ساتھ جاری رہتا ہے،

دنیا میں ایسے بہت سے واقعات پیش آئے ہیں جہاں اسکاوٹوں نے محض اس خیال سے کہ ان کا اعتبار نہ جاتا رہے اپنی جانیں تک قربان کر دی ہیں، ان کے نام قصے کہانیوں میں چلے آتے ہیں، اور سب لوگ ان کے کارنامے پڑھ پڑھ کر تعریف کرتے ہیں، اور سبق حاصل کرتے ہیں،

سر رابرٹ بیڈن پاول جب ہندوستان آئے تو آپنے اپنی تقریروں میں اکثر فرمایا تھا کہ ،، ہندوستانی اچھے اسکاوٹ نہیں ہو سکتے کیونکہ جھوٹ انکی فطرت ثانیہ ہے،، ہندوستانی رہنماؤں نے اس کے خلاف بہت سخت آواز اٹھائی، اور اسی وقت سے اس امر کی کوشش شروع کر دی کہ دنیا پر بیڈن پاول کا یہ قول غلط ثابت کر دیا جائے، اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ انھیں بہت بڑی حد تک کامیابی ہوئی ہے، اور آج ایک ہندوستانی اسکاوٹ دنیا کے کسی ملک کے اسکاوٹ سے کم نہیں ہے،

---

۴۴ آواز میں امریکن نوجوان کی اس کی شجاعت پر مبارکباد دی، اسے گلے سے لگایا اور کہا بیٹا تم نے بڑا کام کیا ہے، میری خاطر ایک کام اور کرو، کسی طرح میرے کھوئے ہوئے لخت جگر کو ڈھونڈھ لاؤ اور مجھے اس سے ملا دو، امریکن نوجوان دھاڑیں مار کے رو دیا،

اس شخص نے بڑا کام کیا ہے، جان پر کھیلنا آسان کام نہیں ان لوگوں کی زندگی اسی لئے تو مالامال ہے کہ یہ زندگی کو خطروں میں ڈالنا جانتے ہیں لندبرگ روانہ ہونے کا ارادہ کر رہا تھا تو ،، اڑتے ہوئے احمق ،، کے عنوان سے اس پر اخباروں میں مضامین نکل رہے تھے، آج وہ دنیا کے بڑے عقلا میں شمار ہو رہا ہے۔ دنیا میں کامیابی عجب چیز ہے، کامیاب احمق ناکام عقلمند سے زیادہ وقیع ہے، ٹھیک ہے، دنیا کے سب کامیاب انسان اسی نسبت سے آخر میں جیتے ہیں، جس نسبت سے انھوں نے بازی لگائی ہے، السن برگ آج سے دو ہفتہ قبل معمولی ہوا باز تھا، آج بڑا آدمی ہے سائنس کی تاریخ میں اس کا نام داخل کر لیا گیا ہے،

اچھا اب ختم کرتا ہوں، آپکا یوسف،

روسی قصے

فلسفی اور مالی

از محمد مجیب صاحب بی اے (آکسن) پروفیسر جامعہ

بہار کے موسم مین ایک مالی اپنے باغ کی کیاریون مین پھاوڑا چلا رہا تھا، اور ایسے جوش اور استقلال سے کہ گویا خزانہ کھود رہا ہے، وہ شکل و صورت سے مضبوط اور نہایت تندرست معلوم ہوتا تھا، اگرچہ اسے محنت بہت کرنی ہوئی تھی، صرف کھیرے بونے کیلئے اس نے کوئی ڈیڑھ سو کیاریان کھود کھود کر تیار کی تھین اور پھر بھی دوسری چیزون کے بونے کی ہمت اس مین باقی تھی،

اس کے جھونپڑے سے ملا ہوا ایک شخص کا مکان تھا جو باغبانی اور باغون سے بہت شوق رکھتے تھے، باتون مین بڑے ہوشیار، نیچر کے "دوست" ایک نیم فلسفی جنھون نے فن باغبانی پر ڈھیرون کتابین پڑھ ڈالی تھین، انھون نے اپنی زمین پر بھی کھیرے بونے کا ارادہ کیا، کیونکہ زمین بیکار پڑی تھی، اور ساتھ ہی ساتھ انھون نے اپنے ہمسایہ سے ہنس کر بڑے دعوے سے یہ کہا۔

میان تم چاہے جتنی محنت و مشقت کرو، میرے برابر تم کبھی نہین ہو سکوگے کچھ دنون مین تمھارا باغ میرے باغ کے مقابلہ مین ایک ادنیٰ سا معلوم ہوگا، لیکن پھر بھی مجھے تعجب ہوتا ہے کہ تم اتنے دنون تک کیسے کام چلاتے رہے اور عاجز آکر سب یہ چھوڑ چھاڑ کیون نہین دیا، کیونکہ جہان تک مجھے معلوم ہے تم نے نہ کچھ پڑھا لکھا ہے اور نہ کچھ سیکھا ہے،

"ہان" اور نہ کبھی مجھے اس کی ضرورت ہوگی، محنت، عادت، میرے ہاتھ پیر یہی میرا سارا سرمایہ ہے، انھی کے ذریعہ سے خدا مجھے میری روزی پہونچاتا ہے"

"تم جاہل ہو" فلسفی نے غصہ مین ہو کر کہا، "ورنہ علوم اور فنون کے خلاف کچھ کہنے کی تم مین کبھی جرأت نہ ہوتی"

"نہین صاحب" مالی نے نہایت عاجزی سے کہا "آپ میرا مطلب نہین سمجھے، اگر آپ کبھی کوئی عقلمندی کی بات کرین گے تو مین آپ کی پیروی ضرور کرون گا،

"اچھا، تمھین دکھاؤن گا، ذرا گرمی کو آجانے دو!

"لیکن میان" مالی نے کہا "کیا پھاوڑا ہاتھ مین لینے کا وقت نہین گیا مین نے اپنے یہان تو کچھ نہ کچھ بو دیا ہے، آپ نے اپنے یہان کیاریان تک نہین بنائین"

"ہان، مجھے ابھی تک کھودنے کا وقت نہین ملا، مین کچھ کتابین بونے کے طریقہ پر پڑھ رہا تھا، کیونکہ مجھے یہ نہین معلوم تھا کہ زمین پھاوڑے سے کھودنا چاہئے یا روسی ہل سے یا انگریزی ہل سے، اور اس مین جلدی کی کیا ضرورت ہے، کچھ وقت بھاگا تھوڑی ہی جاتا ہے"

خیر، آپ جو کچھ مناسب سمجھین" مالی نے جواب دیا "مگر ہمارے لئے تو وقت کبھی نہین ٹھہرتا" اور یہ کہہ کر وہ چل دیا، اور پھاوڑا ہاتھ مین لیکر اپنے کام مین لگ گیا،

ہمارے فلسفی نے گھر جا کر خوب کتابین پڑھین، نوٹ لکھے مختلف کتابون کا مقابلہ کیا، کتابون مین بھی کھودا اور زمین مین بھی، دن رات اسی مین مشغول رہے انھون نے بیج کئی مرتبہ بوئے، لیکن جونہی پودے زمین سے باہر سر نکالتے فلسفی صاحب کو کسی نہ کسی رسالہ مین کھیرے بونے کی کوئی بہتر ترکیب ملجاتی اور جو کچھ بویا ہوتا اسے کھود کھاد کر پھینک دیتے، اور اس نئے طریقہ کے مطابق پھر سے بیج بوتے،

بالآخر اس کا نتیجہ کیا ہوا؟

مالی کے یہان کھیرے خوب پھلے پھولے، اور فلسفی صاحب بونے کی بہتر سے بہتر ترکیب ہی کی فکر مین لگے رہے،

کسان اور لومڑی

ایک کسان کی کہین ایک لومڑی سے ملاقات ہو گئی،

"کیون بہن" کسان نے پوچھا "یہ تمھین مرغے مرغیان چرانے کی خراب عادت کیسے پڑ گئی؟ سچ پوچھو تو مجھے تمھارے اوپر بہت رحم آتا ہے، ہم اکیلے ہین، اور کوئی ہماری بات نہین سن رہا ہے، اس لئے جو کچھ مین کہہ رہا ہون اس پر خوب غور کرو، اور مین وعدہ کرتا ہون کہ مین صرف سچی بات کہونگا تمھارے پیشہ مین بھلائی کی ذرا سی بھی بو نہین، علاوہ اس کے کہ چوری کرنا ایک گناہ ہے، اور شرم کی بات ہے، اور ساری دنیا تجھے گالیان دیتی ہے

تمھیں خود بھی تو ہمیشہ یہ ڈر لگا رہتا ہے کہ کہیں کوئی تمھاری کھال نہ کھینچ لے، تم خود ہی بتاؤ کہ ایسی زندگی میں اگر مرغ بھی کھانے کو ملے تو کیا ملے؟

"ایسی زندگی کون برداشت کر سکتا ہے،" لومڑی نے جواب دیا مجھے ان باتوں سے اتنا صدمہ ہوتا ہے کہ کبھی کبھی بھوکے پیٹ پر بھی کھانا بدمزہ معلوم ہوتا ہے، لیکن مجھے یقین معلوم کہ میرے دل میں کس قدر ایمانداری ہے، لیکن میں کیا کر سکتی ہوں؟ غریب ہوں بچے بہت سے ہیں ..... اور اس کے علاوہ کبھی یہ خیال بھی دماغ میں آجاتا ہے کہ دنیا میں کیا میں ہی صرف چوری کرتی ہوں، اگرچہ یہ خیال میرے دل پر تیر کی طرح لگتا ہے،

"خیر" کسان نے کہا "جو کچھ ہوا سو ہوا، اگر تم جھوٹ نہیں بول رہی اور ایمانداری سے رہنا چاہتی ہو، تو میں تمھاری مدد کرنے کے لئے تیار ہوں، میں تمھیں روٹی کمانے کا موقع دوں گا اور گناہ کی زندگی سے تمھیں بچاؤں گا، تم میرے دڑبوں کی چوکیدار بن جاؤ، اور دوسری لومڑیوں سے اس کی حفاظت کرو، لومڑیوں سے بہتر لومڑیوں کی ترکیبیں کون جان سکتا ہے؟ تم سے بہتر چوکیدار مجھے کہاں ملے گا؟ اس کے بدلہ میں میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمھاری ضروریات سب پوری کروں گا، اور میرے یہاں تم گھی اور مکھن میں نہایا کرو گی،

معاملہ طے ہو گیا اور اسی وقت سے لومڑی نے چوکیداری شروع کر دی، کسان خوش حال تھا اور لومڑی اس کے یہاں بیٹھے رہتے خوب موٹی تازی ہو گئی، لیکن بے ایمان وہ اتنی ہی رہی جتنی پہلے تھی، چرایا ہوا نوالہ اس کی حلق سے زیادہ جلدی اترتا تھا، اور اپنے دوست کی مہربانیوں کا شکریہ اس نے اس طرح سے ادا کیا کہ ایک دن اندھیری رات میں اس کی ساری مرغیوں کی گردن مروڑ ڈالی،

جو اپنے آپ سے ایمان دار ہے وہ نہ دھوکا دیگا نہ چوری کرے گا، زندگی میں اس پر چاہے جتنی سختی گذرے مگر چور رکھ پتی بھی ہو جائے تو چوری سے باز نہ آئے گا،

معلومات عامہ

جنگلی کتے

از سید نصیر احمد صاحب متعلم (جامعہ)

ایک دن ہم ان کتوں کا ذکر کر رہے تھے جو اپنا ایک جتھا (گروہ) بنا کر شکار کرتے ہیں یہ کتے وسط ہند کے جنگلوں اور ہمالیہ کے پہاڑوں میں پائے جاتے ہیں ہمالیہ میں یہ "ڈھول" کہلاتے ہیں اور ان کا رنگ سرخ ہوتا ہے، ان کا قد بڑا نہیں ہوتا اور نہ یہ دیکھنے میں خونخوار معلوم ہوتے ہیں، لیکن کہا جاتا ہے کہ یہ شیر کے گوشت کے بہت شائق ہوتے ہیں، یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ وہ کبھی ہاتھی کے شکار میں کامیاب ہوئے ہیں لیکن ان کو نہایت کامیابی سے بھینسوں کا پیچھا کرتے ہوئے اکثر دیکھا گیا ہے، مشرقی اور وسطی یورپ کے بھیڑیئے بغیر کسی طریقہ کے شکار کرتے ہیں اور جب ان کا شکار ذرا زبردست ہوتا ہے تو ان میں سے اکثر مارے بھی جاتے ہیں، مگر ان جنگلی کتوں کے شکار کرنے کا ایسا اچھا طریقہ ہے کہ یہ لڑائی میں بغیر زخم کھائے ہوئے شیر کو بھی بھگا دیتے ہیں، ان کا ایک لیڈر ہوتا ہے، جسکی سب کے سب پیروی کرتے ہیں،

اوائل عمر ہی میں یہ لڑائی کے طریقے سیکھ جاتے ہیں، ایک شکاری کچھ جنگلی بچوں کو جنکی ماں کا وہ پہلے ہی شکار کر چکا تھا بے یار و مددگار دیکھکر گھر لایا اور ایک عرصہ تک ان کی پرورش کرتا رہا، جب یہ ذرا بڑے ہوئے تو آپس میں لڑنا شروع کیا، وہ لڑائی میں فیصلہ کرنا چاہتے تھے کہ ان کا لیڈر کون ہو گا، آخر آہستہ آہستہ سب نے لڑنا ختم کیا مگر دو کتے بدستور لڑتے رہے یہ دونوں نہایت خونخواری سے لڑتے تھے بالآخر ایک نے شکست مان لی اور دوسرا سب کا مسلمہ لیڈر ہو گیا،

یہ نہ تو کبھی بھونکتے تھے اور نہ آدمیوں پر حملہ کرتے تھے، مگر انھوں نے اس پاس کے تمام کتوں کو ختم کر دیا، اور تھوڑے ہی عرصہ کے بعد ایک ایک کر کے سب مر گئے

آیئے اب ہم بتائیں کہ یہ گروہ بنا کر کیسے شکار کرتے ہیں جب کہ کسی شیر کا پیچھا کرتے ہیں تو سب سے پہلے یہ اس کا کان پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں، اگر کسی نے کود کر اس کا کان پکڑ لیا تو بس شیر کا خاتمہ سمجھئے کتا جب ایک دفعہ

کان پکڑ لیتا ہے تو پھر چھوڑنے کا نام نہیں لیتا، شیر کتنا ہی بھاگے لیکن آپ کتے کو اس کے کان میں لٹکا ہوا دیکھیں گے،

جب ان کا کوئی بہادر ممبر شیر کا کان پکڑنے میں کامیاب ہو جاتا ہے تو ایک دوسرا کتا اس کا دوسرا کان پکڑ لیتا ہے اور اس طرح شیر کو مع دو کتوں کے بھاگنا پڑتا ہے، جب شیر کے دونوں کان پکڑ لئے جاتے ہیں تو باقی کتے اس کی دم میں لٹک جاتے ہیں، اب ذرا شیر کی حالت کا اندازہ کیجئے، بیچارہ بھاگا جا رہا ہے، دو کتے اس کے کان پکڑے ہوئے دونوں طرف لٹک رہے ہیں اور کوئی نصف درجن اس کی دم پکڑے گھسٹتے جا رہے ہیں، شیر چاہے کتنے ہی دور بھاگے مگر یہ اپنی گرفت میں ڈھیل نہیں کریں گے، جب یہ کام پورا ہو جاتا ہے تو چند کتے اس کی پشت پر چڑھ جاتے ہیں، اس طرح شیر کو اپنے پنجے استعمال کرنے کا بھی موقع نہیں ملتا اور بیچارہ یونہی ہلاک ہو جاتا ہے،

ایک انگریز ان کتوں کے شکار کا طریقہ ان الفاظ میں بیان کرتا ہے، وہ لکھتا ہے کہ میں ورجینا کے دیہات میں ایک صاحب کے ہاں ٹھہرا ہوا تھا، وہاں مجھے دو جنگلی کتے دکھائے گئے جن کے متعلق صاحب خانہ نے فرمایا کہ وہ اپنی نسل کے بہترین ہیں ان کے نام رومیو اور جولیٹ تھے، یہ بہت ہی خونخوار معلوم ہوتے تھے اور صرف ان کے محافظ ہی انہیں قابو میں رکھ سکتے تھے،

ایک دن صبح کو ایک حبشی بھاگا ہوا مکان میں آیا اور کہا کہ ایک ریچھ گائے کا بچہ مار کر پہاڑوں کی طرف چلا گیا ہے، اس خبر سے سب کے سب چونک گئے اور ہر طرف ہرکارے دوڑائے گئے تاکہ گاؤں کے کسی آدمی کو اگر ریچھ کی نسبت کچھ معلوم ہو تو بتائیں اور سب لوگ یہاں آکر جمع ہو جائیں، اسی اثنا میں ہم نے جلدی جلدی ناشتہ کیا، باہر آکر دیکھا تو صحن آدمیوں اور کتوں سے بھرا ہوا ہے، مگر ان دو کتوں کا کہیں پتہ نہیں تھا، دریافت کرنے پر مجھے بتلایا گیا کہ ضرورت کے وقت وہ خود بخود آجائیں گے، راستہ بالکل صاف تھا اور ہم نے ریچھ کو ڈھونڈھنا شروع کیا، کوئی آدھ گھنٹے میں کتوں کے بھونکنے کی آواز سے ریچھ کا پتہ معلوم ہو گیا،

میں پہلا شخص تھا جو اس جگہ پہونچا، بلوط کے ایک درخت کے نیچے ایک سیاہ ریچھ بیٹھا تھا، اس کا کھلا ہوا منہ اور ابھرا ہوا سینہ بتا رہا تھا کہ وہ بہت پریشان ہے، اس کے پاس ہی آٹھ کتوں کی لاشیں پڑی ہوئی تھیں جن کو یہ مار چکا تھا، پانچ ہی منٹ بعد دوسرے شکاری بھی آ پہنچے ریچھ کے اردگرد نصف دائرہ بنا کر کھڑے ہو گئے، ریچھ نے ہم سے بچنے کی کوئی کوشش نہیں کی، ناگہاں آواز آئی کہ وہ آرہے ہیں اور اتنے میں فوراً ہی وہ کتے دکھائی دیئے مجھے پورا یقین تھا کہ یہ چھوٹتے ہی ریچھ کی طرف لپکیں گے، مگر مجھے بڑی حیرت ہوئی جب وہ بالکل خاموش کھڑے رہے اور کوئی آواز منہ سے نہ نکالی، انھوں نے پہلے ایک دوسرے کو دیکھا اور پھر دائیں بائیں ہو کر ایک دوسرے سے دور کچھ فاصلے پر چلے گئے، اس کے بعد وہ چپکے سے ریچھ کی طرف بڑھے اور اس کے دونوں طرف کوئی بیس فٹ کے فاصلہ پر کھڑے ہو گئے،

تھوڑی دیر کھڑے رہنے کے بعد وہ اپنا بدن نکالتے ہوئے پھر اپنے شکار کی طرف بڑھے جب ریچھ ان سے آٹھ فٹ کے فاصلہ پر رہ گیا تو انھوں نے پہلے ریچھ کی طرف اور پھر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور فوراً ہی اس پر حملہ کر دیا ریچھ نے کوئی تین منٹ تک مقابلہ کیا اس کے بعد جان دیدی،

(بقیہ صفحہ ۴)

ناممکن ہے کہ طلبہ کی ایک کثیر تعداد غیر ممالک میں بالخصوص جرمنی تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے جائے، اس بنا پر یہ اور ضروری ہو جاتا ہے کہ ہندوستان کے ماہرین تعلیم اور اساتذہ ایسے وسائل نکالیں جن سے وہ منتخب طلبہ کو جرمن یونیورسٹیوں میں بھیجا کریں، میرا خیال ہے کہ ہندوستانی یونیورسٹیوں کے کارکنان اگر اس طرف توجہ کریں اور کوئی مناسب صورت نکالیں تو جرمنی اور ہندوستان کی یونیورسٹیوں کے درمیان طلبہ و اساتذہ کے تبادلہ کا ایک اچھا خاصہ طریقہ شروع کیا جا سکتا ہے

مشرق و مغرب کے اتحاد کی صورت

ہندوستان کو ابھی مغربی درسگاہوں سے بہت کچھ سیکھنا ہے، جرمن یونیورسٹیاں ہندوستانی طلبہ کے لئے خاص اہتمام رکھتی ہیں اور وہ ملک غیر ملکی طلبہ کے لینے کے لئے ہر وقت ہاتھ بڑھانے کو تیار ہے، ہماری توقع بیجا نہ ہوگی کہ اگر جرمنی اور ہندوستان کے درمیان یہ تبادلہ اساتذہ و طلبہ قائم ہو گیا تو بہت ممکن ہے کہ مشرق و مغرب کے درمیان اخوت و محبت کی بنیاد پر اشتراک عمل اور اتحاد کار کی ایک مضبوط اور استوار عمارت قائم ہو سکے،

قابل دید کتابین

جو

اردو اکادمی، جامعہ ملیہ اسلامیہ سے ماہ بماہ شایع ہو رہی ہین اور جس کے لیے شایقین علم کو چاہیے کہ پہلے ہی سے اپنے نام درج رجسٹر کرالین، اردو زبان کا کوئی کتبخانہ ان کتابون کے بغیر مکمل نہین ہو سکتا،

۱۔ **مسئلہ چین** انگلستان کے مشہور فلسفی اور سیاست دان برٹرینڈ رسل کی معرکۃ الآرا تصنیف *The Problem of China* کا ترجمہ از اسرائیل احمد خانصاحب سابق جامعہ ملیہ، قیمت ۱۲ر

یہ کتاب مئی ۱۹۲۶ء مین شائع ہونیوالی تھی، لیکن ضخامت کافی ہونیکی وجہ سے اس کی کتابت ابتک ختم نہین ہوئی، انشاء اللہ عنقریب شائع ہو جائیگی،

۲۔ **آزادی**، جان سٹورٹ مل کی شہرہ آفاق تصنیف *Liberty* کا ترجمہ از سعید انصاری صاحب بی اے (جامعہ) رفیق اردو اکادمی و مدیر "پیام تعلیم" جسکے ساتھ پروفیسر محمد مجیب صاحب کا ایک نہایت عالمانہ مقدمہ بھی ہے، کتابت و طباعت ہو رہی ہے، امید ہے کہ بہت جلد شائع ہو جائیگی،

۳۔ **عربون کا تمدن**، فاضل جرمن مستشرق جوزف ہل کی کتاب *Die Kultur der Araber* کا ترجمہ از سید نذیر نیازی صاحب بی اے (جامعہ) قیمت ۱۲ر

۴۔ **عقد اجتماعی**، فرانس کے مشہور فلسفی ژان ژاک روسو کی معروف ترین تصنیف *Social Contract* کا اردو ترجمہ از مولوی محمد مسلم صاحب ایم اے سابق رکن شعبہ تصنیف و تالیف جامعہ مع مقدمہ پروفیسر محمد مجیب صاحب بی اے (آکسن) استاذ تاریخ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی، کتاب انشاء اللہ اگست ۱۹۲۶ء مین شائع ہو جائیگی،

۵۔ **معاشیات قومی**، فریڈرک لسٹ کی کتاب *Das Nationale System der politische Okonomie* کا براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ، از ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب، ایم اے، پی ایچ ڈی (برلن) استاذ معاشیات و شیخ الجامعہ جامعہ دہلی قیمت ۵ر ستمبر ۱۹۲۶ء مین تیار ہو جائیگی،

۶۔ **بانی اسلام**، جرمن مستشرق ولہاوزن کے مضمون کا ترجمہ جو *Mohammad* کے عنوان سے انسائکلوپیڈیا برٹانیکا کی نوین جلد مین ہے اور جو مع حواشی اور مقدمہ کے کتابی صورت مین اکتوبر ۱۹۲۶ء تک شائع ہو جائیگا، از مولوی عبد العلیم صاحب احراری، بی اے (جامعہ) رفیق اردو اکاڈمی قیمت ۴ر،

۷۔ **آزادی کی راہین**، برٹرینڈ رسل کی دوسری تصنیف *Roads to Freedom* کا اردو ترجمہ، از جناب حامد علی خانصاحب، بی اے، (جامعہ) نومبر ۱۹۲۶ء تک چھپ کر شائع ہو جائیگی، قیمت ۴ر،

۸۔ **نفسیات شباب**، جرمنی کے مشہور عالم نفسیات و فلسفہ تعلیم و تمدن کے ماہر پروفیسر ادوارڈ اشپرانگر کی تازہ تصنیف، *Psychologie des Jugendalters* کا براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ از ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب پروفیسر جامعہ

تاریخ فلسفۂ اسلام،

جو

مارچ ۱۹۲۶ء مین اردو اکادمی کی طرف سے شایع ہوئی ہے، ٹ، ج، دی بور کی تصنیف کا براہ راست جرمن زبان سے ترجمہ ہے جسے ڈاکٹر عابد حسین صاحب ایم اے، پی ایچ ڈی نے نہایت خوبی کیساتھ کیا ہے، قیمت ۱۲ر

برہان،

جو

اپریل ۱۹۲۶ء مین اردو اکادمی کی طرف سے شایع ہوئی ہے یہ سورہ نور کی تفسیر ہے جسے خواجہ عبد الحیٔ صاحب فاروقی، استاذ تفسیر و ناظم دینیات جامعہ نے اپنے خاص انداز مین ملک کے سامنے پیش کیا ہے،

قیمت ۴ر

مفصل فہرست مکتبہ جامعہ ملیہ قرولباغ دہلی سے منگایئے،

ملنے کا پتہ:- مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی،

دیوان غالب (پاکٹ ایڈیشن)

مطبوعہ شرکت کاویانی (برلن) خوبصورت ملائم جلد، سنہرے دلفریب نقش و نگار، طلائی اوراق اور مرزا غالب کی رنگین عکسی تصویر،

قیمت صرف للعہ ر

دیوان شیدا

مسیح الملک حکیم حافظ محمد اجمل خانصاحب کے فارسی اور اُردو کلام کا مجموعہ،

پاکٹ سائز، جلد سنہری، نہایت خوبصورت اوراق مطلا، جرمن ہنرمندی کا اعلیٰ نمونہ،

قیمت صرف عہ ر

سلسلۂ تفسیر الفرقان فی معارف القرآن

الخلافتہ الکبریٰ،	(تفسیر سورۂ بقر، مجلد)	صہ ر
الصراط المستقیم،	(تفسیر سورۂ انفال و توبہ)	ع ر
بیان،	(تفسیر سورۂ آل عمران)	۱۲؍ عہ ر
سبیل الرشاد،	(تفسیر سورہ حجرات)	۱۰؍ ر
بصائر،	(حضرت موسیٰ اور فرعون کا قصہ)	۶؍ ر
عبرت،	(تفسیر سورۂ یوسف مجلد)	عہ ر

سلسلۂ تاریخ اسلام

(از مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری)

۱۔ سیرۃ الرسول	عہ ر
۲۔ خلافت راشدہ	ع ر
۳۔ خلافتہ بنی امیہ	عہ ر
۴۔ خلافتہ عباسیہ حصہ اوّل،	ع ر
۵۔ " " " دوم	ع ر

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی،

بحکم جناب شیخ الجامعہ صاحب زیر اہتمام سید عابد حسین صاحب پرنٹر و پبلشر مطبع جامعہ ملیہ میں چھپکر دفتر رسالہ پیام تعلیم سے شایع ہوا

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶

پیامِ تعلیم

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا
قیمت سالانہ عہ
ششماہی ۱۲؍
فی پرچہ ۱؍

پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ
خریداران رسالہ جامعہ کے
صرف ایک روپیہ
نمونہ مفت

ایڈیٹر۔ سعید انصاری بی۔اے (جامعہ)

جلد ۳	۲۱ر جولائی سنہ ۲۷ء	نمبر ۷

جامعہ کے معمل حکمیات کا ایک حصہ

جزیرہ فجی میں ہندوستانیوں کی تعلیم

ابھی کوئی ایک سال کا عرصہ ہوا کہ اس نو آبادی میں گورنمنٹ کی طرف سے ایک کمیشن بدیں غرض بٹھایا تھا۔ کہ تعلیم کو زیادہ سے زیادہ رواج دینے اور موجودہ تعلیمی طریقوں کو بہتر بنانے کی تدابیر بتائے۔ اس کمیشن نے سال گذشتہ کے اختتام پر اپنی رپورٹ پیش کی۔ فجی میں ہندوستانیوں کی آبادی اوسطاً چالیس فی صدی ہے اور اس وجہ سے ہندوستانیوں کے مفاد پر کمیشن کے فیصلہ کا بہت اثر پڑنا چاہئے لیکن تعجب ہے کہ ہمارے ملک میں اس رپورٹ کی طرف سے حد درجہ بے اعتنائی برتی جا رہی ہے ہندوستان کے تمام پبلک کام کرنے والوں کے پاس مشکل سے اس رپورٹ کی ایک دو ہی نقلیں نکلیں گی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فجی بھی تعلیمی معاملات میں عنقریب وہی راہ اختیار کرے گا جو کینیا نے اختیار کی ہے یعنی ہر قوم اپنے بچوں کی تعلیم کے لئے خود روپے کا بندوبست کرے سرکار ہند کینیا کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر چکی ہے اور اس اصول کے مطابق اسے اس فیصلہ کے خلاف بھی آواز اٹھانی چاہئے۔ جو اسوقت فجی گورنمنٹ کے پیش نظر ہے کمیشن کی رپورٹ کے الفاظ یہ ہیں

> ہر قوم کے تعلیمی مدارس کے اخراجات کا کچھ حصہ تو گورنمنٹ برداشت کرے اور باقی وہ قوم اپنے بچوں کی تعلیم پر خود خرچ کرے اور نیز ہر قوم کی تعلیم پر گورنمنٹ کو تقریباً اتنا ہی خرچ کرنا چاہئے جتنا وہ قوم خود فراہم کرے۔

بظاہر اس تجویز میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی لیکن اس قوم کا کیا حشر ہوگا جس کی مالی حالت گری ہوئی ہو۔ سب سے زیادہ تعلیم کی ضرورت انہیں لوگوں کو ہے جو اس کے اخراجات کے کفیل نہیں ہو سکتے۔ وہ تعلیم میں سب سے پیچھے اور تعداد میں سب سے آگے ہیں۔ وہ غریب تعلیم کے اخراجات کہاں سے برداشت کر سکتے ہیں۔ برخلاف اس کے وہ قوم (یورپین) جو خوب مالدار ہے اور جس کے فرزند اکثر تعلیم یافتہ ہیں اسی کی سب سے کم اخراجات کا مطالبہ ہے۔

۱۹۲۱ء کی مردم شماری کے مطابق فجی میں یورپین باشندوں کی تعداد ۳۸۰۰ ہے جن میں سے ۷۷۰ لڑکے ہیں جو اسکول بھیجے جانے کے لائق ہیں ان بچوں کی تعلیم کے لئے دس مدرسے جاری ہیں جن میں سے چار سرکاری تین مشن اور تین سوگر کمپنی کے مدارس ہیں۔ تعلیمی رپورٹ کے مطابق یورپین بچوں کی تعلیم کا بہت معقول انتظام ہے۔ ہندوستانیوں اور فجی کے اصلی باشندوں کی تعلیم کی طرف سے بہت بے توجہی برتی جا رہی ہے ہندوستانیوں کی تعداد ۶۰۶۳۴ ہے جن میں ۱۴۰۰۰ لڑکے پڑھنے کے لائق ہیں۔ ان کی تعلیم کے لئے صرف ایک سرکاری مدرسہ اور تقریباً ۴۲ نیم سرکاری مدارس ہیں یہ مدارس ہندوستانیوں کی کثیر تعداد کے اعتبار سے اس قدر کم ہیں کہ وہ ہر آٹھ میں سے صرف ایک لڑکے کی تعلیم کا انتظام کر سکتے ہیں فجی کے لوگوں کی بابت ہمیں اس قدر معلوم ہے کہ ان کی تعداد ۸۴،۴۷۵ ہے جس میں سے ۱۹۳۹۹ بچے اسکول جانے کے لائق ہیں ہمیں اس کا علم نہیں کہ ان میں سے کتنے اس وقت باقاعدہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ فجی کے باشندوں کی تعلیمی حالت بہر صورت ہندوستانیوں سے بہتر ہے کیونکہ فجی کے طلبہ کی تعداد ہندوستانی طلبہ سے اگرچہ صرف ایک تہائی زیادہ ہے پھر بھی مدرسوں کا تناسب چھ اور ایک ہے فجی کے طلبہ کے لئے مشن کے مدارس بھی کافی تعداد میں ہیں۔ کمیشن کی رائے میں ان طلبہ کی اکثریت گاؤں کے مشن مدارس میں تعلیم حاصل کر رہی ہے۔ ان تمام باتوں کو مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ تمام یورپین بچوں کی تعلیم کا کامل انتظام موجود ہے۔
۲۔ فجین بچوں کی اکثریت تعلیم حاصل کر رہی ہے۔
۳۔ اور آٹھ میں سے صرف ایک ہندوستانی بچے کو مدرسہ جانا نصیب ہوتا ہے!

۱۹۲۵ء میں گورنر نے وزیر نو آبادیات کو لکھا تھا۔ کہ میں اس بات سے بہت متاثر ہوں کہ فجی میں ایسے ہندوستانی بچوں کی تعداد بڑھتی چلی جا رہی ہے جن کی تعلیم کا کوئی انتظام نہیں۔ اور کسی حکومت کو بھی ایسی حالت کو ہرگز جاری نہ رہنے دینا چاہئے۔ خود کمیشن کو اس بات کا احساس ہے کہ ہندوستانی تعلیم کے مسئلہ نے نہایت پیچیدہ صورت اختیار کر لی ہے لیکن سوال یہ ہے کہ اس خطرہ کے احساس کے بعد بھی کہ ہندوستانی سخت جہالت میں مبتلا ہیں کمیشن نے اسکے دفع کرنے کے لئے کیا تدابیر اختیار کیں۔ کیا اس نے گورنمنٹ کو یہ رائے دی کہ ہندوستانیوں کی تعلیم پر بے دھڑک روپیہ صرف کرے برخلاف اس کے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ اس نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ ہندوستانیوں کی تعلیم پر اور بھی کم خرچ کرے ہم اس کے اصولاً

مخالف ہیں جس تجویز پر کینیا کی حکومت نے عمل کیا ہے وہ بالکل غلط ہے ہم یہ نہیں کہتے کہ ہندوستانی تعلیم کے لئے روپیہ دینے میں واجب حصہ نہ لیں لیکن ہم یہ ضرور کہتے ہیں کہ روپیہ لیتے وقت ان کی مالی حالت کو بھی نظرانداز نہ کرنا چاہئے۔

ہندوستانی مدارس کے اخراجات کے متعلق کمیشن کے سامنے بعض سربرآوردہ ہندوستانیوں نے نہایت ہی صائب رائے دی ہے وہ کہتے ہیں ہم اس سے بے خبر نہیں کہ ان تمام انتظامات کے لئے روپے کی ضرورت ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندوستانی اس خرچ کو بخوشی برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جائیں گے جو کسی معقول تجویز کی رو سے ان پر عائد کیا جائے تعلیمی اخراجات کا بیشتر حصہ تو سرکاری خزانہ ہی سے آنا چاہئے اور اس کے بعد بھی اگر ضرورت باقی رہے تو ان پر ٹیکس لگایا جا سکتا ہے۔" (ماخوذ از سرونٹ آف انڈیا)

مژدہ

یہ خیال کرتے ہوئے کہ ہمدردان جامعہ رسالہ جامعہ و پیام تعلیم کے خریدار بنانے میں پوری کوشش سے کام لیں گے حسب ذیل انعام مقرر کئے جاتے ہیں۔ امید ہے کہ ہر ایک شخص ان انعامات کے حاصل کرنے کی کوشش کرے گا۔

(۱) "جامعہ" کے دو خریدار یا پیام تعلیم کے پانچ خریدار بنانے کے لئے } پردۂ غفلت یا مطبوعات جامعہ میں سے اسی قیمت کی کوئی کتاب۔

(۲) جامعہ کے چار خریدار یا پیام تعلیم کے دس خریدار بنانے کے لئے } دیوان شیدا یا مطبوعات جامعہ میں سے اسی قیمت کی کوئی کتاب۔

(۳) جامعہ کے ۵ خریدار یا پیام تعلیم کے ۱۲ خریدار بنانے کے لئے } دیوان غالب یا مطبوعات جامعہ میں سے اسی قیمت کی کوئی کتاب۔

اس سے زیادہ قیمت کے لحاظ سے ۲۵ فی صدی کی کتابیں مطبوعات جامعہ سے دیجائیں گی خاص صورتوں میں نقد کمیشن بھی دیا جا سکتا ہے۔

مینیجر رسالہ جامعہ و پیام تعلیم دہلی

پستلوزی

(از محمود حسین معلم جامعہ)

دنیا کے مشہور ماہرین تعلیم و نفسیات میں "پستلوزی" خاص درجہ رکھتا ہے وہ اپنے ملک سوئزرلینڈ میں اپنی تعلیمی اصلاحات کے ذریعہ اجتماعی بزم کا باعث ہوا۔ امریکہ اور تمام یورپ خصوصاً جرمنی نے اس کے اصول تعلیم کی بہت قدر کی۔ آج ہم اس کی زندگی کا مختصر سا خاکہ پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں جو تعلیمی انسائکلوپیڈیا سے لیا گیا ہے آئندہ انشاءاللہ اس کے تعلیمی نظریوں اور ان کے اثرات سے بحث کی جائے گی۔

جون ہنرش پستلوزی ۱۷۴۶ء میں بمقام زیورخ پیدا ہوا۔ وہ بچہ ہی تھا کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اس کی تمام تربیت اس کی ماں اور ایک نوکر کے ذمہ تھی۔ اپنے لڑکپن کے زمانہ میں وہ کچھ شرمیلا نازک اور عمل سے کسی قدر دور تھا۔ اس نے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد زیورخ کے پبلک کالج میں اپنی تعلیم ختم کی لیکن اس تمام زمانہ طالب العلمی میں وہ کبھی کوئی ممتاز حیثیت حاصل نہ کر سکا۔ کیونکہ اگرچہ وہ اصول کے سمجھنے میں تو بڑا ہوشیار تھا۔ مگر وہ تفصیلات سے گھبراتا تھا۔ ابھی نوجوان ہی تھا کہ اس نے سوئزرلینڈ کی اصلاحی پارٹیوں کی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا۔

پستلوزی پر اس کے دو پروفیسروں بودمر اور برائٹنگر نیز روسو کی تصنیفات کا بہت گہرا اثر ہوا۔ اسی زمانہ میں وہ ہلویٹین سوسائٹی کا ممبر ہو گیا جس کا وہ اپنی آخری عمر میں جا کر صدر منتخب ہوا۔ اور ملک کی تعلیمی اور اجتماعی اصلاح کی جو ضرورت تھی اسے محسوس کر کے اس نے اس سوسائٹی کے رسالہ میں مضامین بھی لکھنا شروع کر دیئے۔ غربا کی خراب حالت بھی اس کے دل پر اثر کئے بغیر نہ رہی۔ اور اس نے یہ ارادہ کر لیا کہ وہ خود گلہ بان کی زندگی گذارے لیکن اس نے یہ ارادہ کچھ دنوں بعد ملتوی کر دیا اور قانون کی تعلیم حاصل کرنی شروع کی تا کہ ملکی و مقامی قانون ساز جمعیتوں کے ذریعہ وطن کی خدمت کرے۔ کچھ تو تعلیم میں بہت زیادہ انہماک اور کچھ ایک عزیز دوست کی مفارقت کی وجہ سے وہ ایسا بیمار پڑا کہ ڈاکٹروں نے اسے تعلیمی زندگی کو خیرباد کہنے اور کھلی ہوا میں رہنے کا مشورہ دیا۔ یوں تو اس معاملہ میں وہ اور روسو کا ہمخیال تھا ہی کہ حالت فطرت کامل سکون

واطمینان کی حالت ہے پسٹلوزی نے عملی طور سے بھی اس زندگی کی طرف اقدام کیا۔ اپنی تمام کتابیں جلا ڈالیں۔ اور قسم کھائی کہ پھر کبھی نہ پڑھے گا۔ دو سال کے بعد آرگاؤ میں کھیتی شروع کی۔ اور شادی بھی کرلی۔ اس کی بیوی اس کے لئے باعث رحمت ثابت ہوئی۔ وہ اُس کے رنج و خوشی ہر حال میں ہمیشہ برابر کی شریک تھی۔

اس کی ذہانت کھیتی میں کچھ زیادہ کام نہ آئی۔ اور سات سال کے بعد اس نے خود اپنی ناکامی کا اعتراف کیا۔ گو تجربہ میں وہ بہت پیچھے رہا لیکن اس ناکامی میں بھی اسے اپنی قوت متخیلہ پر ... چلا تھا۔ وہ کھیتی ہی کی زندگی گزار رہا تھا کہ اس کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا۔ اس نے اپنے بچہ کی تعلیم کو خود اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اور بس یہیں سے اس کی تعلیمی تجربات و نظریوں کی ابتدا ہوتی ہے اس نے اپنے تمام اصول پہلے اپنے بچہ پر منطبق کرکے پرکھے اس کے بعد انہیں باضابطہ صورت میں پیش کیا۔ وہ شروع ہی سے جبکہ اس کا بچہ ساڑھے تین سال کا تھا (۱۷۷۴ء) اپنے تجربات کو قلم بند کرتا جا رہا تھا۔ تعلیم کے متعلق اُس کے جو تخیلات ہیں۔ وہ سب اور بالخصوص بچہ کی ذکاوت اور قوت ادراک کو صحیح تعلیم کی بنیاد قرار دینے کے خیال کی ابتدا اسی زمانہ سے ہوتی ہے۔ وہ خاص طور پر غریب بچوں کی تعلیم پر معاشی نقطہ نظر سے غور و فکر کرنے لگا تھا۔

۱۷۷۴ء میں جب وہ زراعت سے بالکل ناامید ہوگیا تو سوت کاتنا شروع کیا۔ اور اس میں جو آسان کام ہوتا وہ غربا کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیدیتا۔ انہیں اس کے بدلہ میں معاوضہ دیتا۔ اور ان کی تعلیم کی طرف بھی توجہ کرتا۔ اسی زمانہ میں اس نے اس خیال کو رواج دینے کی کوشش کی کہ کارخانہ داروں کو مزدوروں کی تعلیم کا بھی انتظام کرنا چاہئے۔ مگر اُسے کاتنے کے کارخانہ میں بھی خسارہ اُٹھانا پڑا اور قریب تھا کہ وہ بالکل دیوالیہ ہوجائے لیکن خوش قسمتی سے اس وقت آئی لن نے پسٹلوزی سے ہمدردی کا اظہار کیا۔ اور اس کے مدرسہ کے لئے ایک اپیل کی۔ اپیل توقع سے زیادہ کامیاب رہی۔ اور پسٹلوزی کے لئے یہ ممکن ہوگیا کہ مدرسہ نیوہف کے طلبہ کی تعداد میں اضافہ کرے۔ جو اس وقت صرف بیس تھی لڑکوں کو کھیتی کے متعلق ہر قسم کے کام سکھایا جاتا۔ اور لڑکیوں کو باغبانی سینا پرونا اور گھر کے کام کاج کا سبق دیا جاتا تھا۔ دونوں کے لئے مذہبی تعلیم بھی لازمی تھی۔ جو ان کے دلوں کو پاک صاف رکھے۔ مدرسہ میں ۱۷۷۸ء میں سترہ لڑکے اور بیس لڑکیاں ہوگئیں۔ لیکن دو سال بعد پھر پسٹلوزی کو مالی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ اور وہ اور اس کے بال بچے اُن غریب بچوں سے زیادہ مفلس ہوگئے۔ جو اس کے مدرسہ میں پڑھتے تھے۔

اب اس کی معاش کا تمام تر ذریعہ قلم تھا۔ اس نے مضامین لکھنے شروع کئے۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں انشا پردازی کی حیثیت سے کافی شہرت حاصل کرلی۔

۹ ستمبر ۱۷۹۸ء کو استانز کی لڑائی اور قتل عام ہوا۔ پڑوس کے یتیم بچوں کے لئے ایک مکان کی ضرورت پیش آئی۔ پسٹلوزی نے بخوشی اسے منظور کرلیا۔ پسٹلوزی کے تعلیمی نظریوں کا امتحان اس سے بہتر اور کس صورت میں ہوسکتا تھا۔ اسکول کے لئے کوئی عمارت تھی نہ ساز و سامان۔ بچوں کی خدمت کے لئے نہ نوکر نہ چاکر۔ بچے میلے کچیلے اور بیمار تھے۔ پسٹلوزی نے ان سے جسمانی ورزشیں کرانا شروع کیں، اور ساتھ ہی ساتھ انہیں لکھنا پڑھنا حساب کتاب۔ اور اچھی طرح زندگی بسر کرنا سکھایا۔ وہ بڑے لڑکوں سے چھوٹوں کو پڑھانے کا کام بھی لیتا تھا۔ اسے اس کام میں امید سے زیادہ کامیابی ہوئی۔

کچھ عرصہ بعد وزیر تعلیم کی توجہ سے پسٹلوزی کو ایک سکول میں جگہ مل گئی۔ پسٹلوزی اس خدمت کو بحسن و خوبی انجام دیتا رہا۔ یہاں بھی اس کا مدرسہ لائحہ عمل سے بے نیاز تھا۔ اور زبان اعداد سدھانے کے ذریعہ وہ تعلیم دیتا تھا

پسٹلوزی کی خوش قسمتی کہیے کہ اسے فشر سے شرف باریابی حاصل ہوا۔ جو ان دنوں برگورت کے ٹریننگ کالج کا افسر اعلیٰ تھا۔ اس نے پسٹلوزی کو اپنے ہاں جگہ دی۔ جب فشر کا ۱۸۰۰ء میں انتقال ہوا تو پسٹلوزی اور کروسی کے ہاتھ میں اس کالج کا انتظام آگیا۔ انھوں نے ایک ٹریننگ کالج ثانوی کے لئے ایک دارالاقامہ ابتدائی مدرسہ اور ایک یتیم خانہ چلانے کا ارادہ کیا۔ پسٹلوزی اور اس کے ماتحتوں کی وجہ سے برگورت تعلیمی شواہد تجربوں اور نظریوں کا ایسا عظیم الشان مرکز بنگیا۔ جو آج تک دنیا کو دیکھنا نصیب ہوا۔ پسٹلوزی کی مشہور تصنیفات اسی زمانہ میں لکھی گئیں۔

پسٹلوزی ۱۸۲۷ء میں اس جہان سے رخصت ہوا تو وہ تین کام کر رہا تھا۔ مصلح کی حیثیت سے وہ اپنے پرانے مدرسہ نیوہف کو از سر نو شروع کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سیاسی مدبر کی حیثیت سے اس نے مادر وطن اور تعلیم کے نام سے ایک تصنیف شائع کی۔ اور ماہر نے ماہر تعلیم ہونے کا ثبوت اپنے ایک مضمون سے دیا۔ جو اس نے ابتدائی تعلیم کا اصل اصول کے نام سے اسی سال لکھا۔

دولت برطانیہ کی تعلیمی کانفرنس

تقریباً ایک ماہ کا عرصہ ہوا کہ لندن میں دولت برطانیہ کی تعلیمی کانفرنس شروع ہوئی جو قریب تین ہفتہ تک جاری رہی۔ کانفرنس کا افتتاح شہزادہ ویلس نے کیا تھا۔ شہزادہ نے اس موقع پر جو تقریر فرمائی اسکا خلاصہ درج ذیل ہے۔ آپنے شرکائے جلسہ کا شکریہ ادا کرنے کے بعد فرمایا:۔

"یہ تیسرا موقعہ ہے کہ کانفرنس منعقد ہوری ہے اور میرے خیال میں یہ پہلی دو نو کانفرنسوں سے زیادہ بڑی اور نمایاں ہے۔ اب ہم امید کر سکتے ہیں کہ یہ ایک مستقل چیز ہو جائے گی۔ آپ حضرات کو جن مسائل پر غور کرنا ہے اور ان کی حدود جس قدر وسیع ہیں وہ آپ کے ناموں سے ظاہر ہو سکتی ہیں جن میں واقعی دولت برطانیہ کی وسعت اور اختلاف نوعیت کی جھلک معلوم ہوتی ہے۔

تمام ان مسائل پر جو آپ مسلسل تین ہفتہ تک آپ کے زیر غور رہنے والے ہیں میں اس وقت کوئی روشنی نہیں ڈالنا چاہتا۔ لیکن میں صرف ایک مسئلہ پر جو اس وقت وزارت نو آبادیات کی توجہ اپنی طرف مبذول کئے ہوئے ہے۔ دو لفظ کہنے کی اجازت چاہتا ہوں یعنی اساتذہ کے تبادلہ کا مسئلہ ہے ۱۹۲۳ئ میں کانفرنس نے اس قسم کی تجاویز کی تھیں جن سے سلطنت کے ایک حصہ سے دوسرے حصہ میں عارضی اور مستقل طور پر اساتذہ کے تبادلہ میں آسانیاں بہم پہنچائی جاسکیں۔ ان تجاویز پر بیرونی ممالک اور خود برطانیہ میں عمل ہو رہا ہے۔ گذشتہ تین سال میں ۲۱۰ استاد انگلستان اور ویلس سے اور ۳۴ اسکاٹ لینڈ سے کچھ عرصہ کے لئے سمندر پار گئے اور یہاں بھی باہر سے تقریباً اسی تعداد میں اساتذہ آئے۔ تاہم کچھ دقتیں ابھی باقی ہیں مجھے امید ہے کہ یہ تمام مشکلات چند عرصہ میں جاتی رہیں گی اور اساتذہ کے باہر جانے کے لئے راستہ صاف ہو جائیگا۔

"یہ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ سیر و سیاحت بھی تعلیم کا جزو ہے اور میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ وہ اساتذہ جو اس ملک سے باہر صرف تفریح کی غرض سے نہیں بلکہ وہاں قیام کے لئے جاتے ہیں، وہاں نئی آب و ہوا، اور نئے حالات میں رہ کر کام کرتے ہیں ان میں ضرور ایسی وسعت نظر پیدا ہو جاتی ہے جو صرف سیاحت ہی کے ذریعہ ممکن ہے پھر جب وہ واپس آ کر مدارس میں اپنا کام شروع کریں گے تو ذاتی معلومات اور تجربات کی بنا پر اس قابل ہوں گے کہ اپنے شاگردوں کے دماغ میں دولت برطانیہ یا اس کے کسی حصہ کا نقشہ اس طرح بٹھا دیں کہ یہ سلطنت دنیا کے نقشہ پر سرخ نشان ہی سے نہ پہچانی جائے بلکہ انسانوں کی ایک ایسی جماعت سے جس کا طرہ امتیاز اس کی مشترک خدمت اور اس کے لئے مشترک انہماک ہو۔ جو اساتذہ باہر سے اس ملک میں آئے ہیں انہیں بھی یہ فائدہ حاصل ہوگا اور اسکے علاوہ وہ اس قابل ہوں گے کہ سلطنت کی باہمی حصہ داری اور اس ذمہ داری کا احساس جو ان پر آنے والی ہے بچوں کے دلوں میں جاگزیں کر دیں۔

"اگرچہ مجھے یقین ہے کہ منتظمین کی اتنی بڑی مجلس کی کارروائیاں بے سود نہ ہوں گی اور ضرور ان سے نتائج برآمد ہوں گے۔ لیکن اس کانفرنس کو آپس کی ملاقات سے بھی کچھ کم فائدہ نہ اٹھانا چاہئے۔ تبادلہ خیالات اور اپنے ان ساتھیوں سے مل کر کام کرنا جو دوسرے ممالک میں علمی خدمات انجام دے رہے ہیں ضرور بالضرور خیالات کے اتحاد میں بھی مدد پہنچائیں گے۔ جو ہمارے مقاصد میں ایک بہت بڑا مقصد ہے۔ ان الفاظ کے ساتھ میں بڑی خوشی سے کانفرنس کا افتتاح کرتا ہوں اور آپ میں سے ہر ایک کا ایک مرتبہ پھر دل سے خیر مقدم کرتا ہوں۔"

ابتدائی نشست میں کانفرنس کے صدر لارڈ پرسی نے جو تقریر کی وہ کافی اہمیت رکھتی ہے۔ جگہ کی قلت ہمیں پوری تقریر نقل کرنے کی اجازت نہیں دیتی۔ اس لئے ہم ایک مختصر سے اقتباس پر اکتفا کرتے ہیں۔ آپنے دوران تقریر میں فرمایا۔

"آپ حضرات اسوقت ہماری تعلیمی تاریخ کے نہایت ہی دلچسپ موقع پر یہاں تشریف لائے ہیں جبکہ ہم ایک نئی تعلیمی پولیسی کے شروع کرنے کی فکر اور تیاری کر رہے ہیں۔ اس سے میری مراد ابتدائی تعلیم کے بعد کی تعلیم کی ان شکلوں سے ہے جو موجودہ کاروباری زندگی اور صنعتی علم کی ضروریات کا اسی طرح لحاظ رکھیں جس طرح اب تک ہمارے گرامر سکول پیشوں کی تیاری اور اعلیٰ تعلیم کا رکھتے آئے ہیں۔ یہ بہت ہی مشکل امر ہے۔ اس کے لئے ہمیں نہ صرف ابتدائی تعلیم پر دوبارہ غور کرنا ہوگا بلکہ صنعتی تعلیم پر پھر توجہ کرنی ہوگی۔ ہمیں ان تمام حضرات سے جو یہاں تشریف لائے ہیں اس بات سے سبق حاصل کرنا چاہئے۔ برٹش تعلیم نے اب تک مثال کے طور پر اپنے سامنے ریاستہائے متحدہ کی ثانوی تعلیم اور جرمنی کی صنعتی تعلیم کو رکھا ہے۔ لیکن دولت برطانیہ کے لئے جس کی ضروریات بھی نئی ہیں اور اس کے لئے مواقع بھی نئے۔ یہ ممکن ہے کہ وہ کوئی ایسا طریقہ تعلیم ایجاد کر سکے جو آجتک کسی ملک میں رائج نہ ہوا ہو کیونکہ ایک طرف تو ان کے پاس گرامر سکولوں کی شاندار روایات ہیں اور دوسری طرف اسے صنعت پیشہ اور زراعت پیشہ آبادی کا بھی لحاظ رکھنا ہے۔ ان روایات اور ضروریات کا متوازن مجموعہ ہی کوئی ایسا طریقہ تعلیم بنانے میں مدد دے سکتا ہے۔"

اس کے بعد آپنے تبادلہ اساتذہ پر اظہار خیال کیا۔

سکاوٹ

(از [illegible] صاحب فرخ آبادی سابق طالب علم جامعہ)

پچھلے پرچہ میں ہم نے سکاوٹ کا پہلا قانون اور اس کی مختصر تشریح بیان کی تھی۔ اس مرتبہ ہم باقی چار قانون درج کرتے ہیں۔

دوسرا قانون

ایک سکاوٹ اپنے بادشاہ، ملک، افسران بالا، والدین، آقا اور اپنے ملازمین کا وفادار ہوتا ہے۔

اس قانون میں ایک بات اکثر ہندوستانیوں کے لئے پریشان کن ہوتی ہے دراصل یہ قانون ایک آزاد ملک میں بنایا گیا تھا جہاں بادشاہ اور ملک کا مفاد دو چیزیں نہیں ہوتی ہیں لیکن ہمارے غلام ملک میں صورت حال مختلف ہے یہاں ایسا ممکن ہے کہ ملک کا مفاد بادشاہ کی وفاداری کے متضاد واقع ہو چنانچہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسی صورت میں ہمارا کیا فرض ہوگا اکثر لوگوں نے خصوصاً سیوا سمتی بوائے سکاوٹ ایسوسی ایشن نے اس کو مختلف طریقوں سے نبھانے کی کوشش کی ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس مسئلہ کا کوئی صحیح حل نہیں ہے اسی غرض سے بہت سی جماعتوں نے بادشاہ کا لفظ اس قانون سے بالکل اڑا دیا ہے اور اس کی موافقت میں ان کی یہ دلیل ہے کہ اگر بادشاہ کی وفاداری اور ملک کا مفاد ہمارے لئے بھی ایک ہی چیز ہے تو ہم ملک کی وفاداری کا عہد لیکر خود بخود بادشاہ کے وفادار ہو جاتے ہیں اور اس لئے اعتراض کی کیا گنجائش ہے۔

اس قانون میں ایک بات اور دلچسپ ہے اور وہ یہ کہ ایک سکاوٹ اپنے ملازمین کا بھی وفادار ہوتا ہے دنیا میں ملازمین کے ساتھ جس قسم کا برتاؤ کیا جاتا ہے ظاہر ہے۔ لیکن اگر سکاوٹنگ میں جو مساوات کا ایک عملی پیغام ہے اس کا سدباب نہ کیا جاتا تو یقیناً یہ اس کا بہت بڑا نقص ہوتا۔ ظاہر ہے کہ جب ایک سکاوٹ اپنے ملازم کا وفادار ہوگا تو کبھی اس کے ساتھ غیر انصافی برتاؤ نہیں کر سکتا۔ وہ اس سے اچھی طرح پیش آئے گا اور اگر ضرورت پڑے تو اس کی خدمت کرنے کو بھی عار نہ سمجھے گا۔ آپ نے اکثر دیکھا ہوگا کہ ایک ملازم جو دن رات اپنے آقا کی خدمت میں اپنی جان لڑاتا ہے اور پانی کی جگہ خون بہانے کو تیار رہتا ہے اگر بدقسمتی سے کہیں وہ بیمار پڑ جاتا ہے تو سوائے ایک کونے میں پڑے پڑے سڑنے کے کوئی اس کا حال بھی پوچھنے والا نہیں ہوتا۔

..... لیکن ایک سکاوٹ کبھی ایسا نہیں کرتا۔ وہ اس کو دوا پلاتا ہے اس کی خدمت کرتا ہے اور اپنے خاندان کے ایک رکن کی طرح اس کا خیال رکھتا ہے ملازمین سے وفاداری کے یہی معنی ہیں۔

تیسرا قانون

ایک سکاوٹ دوسروں کے لئے مفید اور کارآمد ہوتا ہے اور سب کی مدد کرتا ہے

انسان کی زندگی کا مقصد مختلف مواقع پر مختلف بیان کیا جاتا ہے ان تمام مقاصد میں سب سے زیادہ اہم یہی ہے کہ دوسروں کی خدمت کی جائے ایک سکاوٹ کو ابتدا ہی سے اس کی عملی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ انکو بتلایا جاتا ہے کہ وہ روزانہ کم از کم ایک نیک کام انجام دیں اگر رات کو سوتے وقت وہ یہ محسوس کریں کہ آج انھوں نے ایک بھی کار خیر نہیں کیا تو انہیں اپنی حالت پر افسوس کرنا چاہئے اور دوسرے دن اس کی تلافی کرنے کی کوشش کرنا چاہئے۔

ایک سکاوٹ اگر سڑک پر کہیں جاتا ہو اور اسے کوئی ضعیف شخص نظر پڑے جسکے سامنے ایک بھاری بوجھ رکھا ہو تو وہ فوراً اپنی خدمات پیش کرتا ہے اور اس کام میں اسے ذرا بھی شرم نہیں معلوم ہوتی۔ سڑک پر اینٹیں یا پتھر بے جگہ پڑے دیکھکر وہ ایک کنارے پھینک دیتا ہے تاکہ کسی کو ٹھوکر نہ لگ جائے۔ کہیں آگ پڑی دیکھکر وہ فوراً پاؤں سے روند ڈالتا ہے تاکہ وہ چنگاری زبردست خطرات کا باعث نہ ہو۔ اگر کوئی اس سے راستہ پوچھتا ہے تو نہ صرف وہ اشارہ کرتا ہے بلکہ بشرط فرصت دور تک جاکر اسے ٹھیک راستہ پر پہنچا دیتا ہے۔ اگر آپ ذرا کسی کام کو اس سے کہیں تو وہ دوڑ کر نہایت شوق سے انجام دیتا ہے اور اپنی خوش قسمتی سمجھتا ہے کہ اسے یہ موقع مل گیا۔ اگر چند سکاوٹ کسی جگہ کھڑے ہوں اور آپ کسی خاص شخص سے مخاطب نہ ہو کر کسی کام کو کہیں تو پھر دیکھیں کہ کس طرح وہ ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کی کوشش کرتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ یہ فخر مجھ ہی کو حاصل ہو۔ اس طرح جو

چھوٹے کام کرتے تھے پھر وہ بڑے بڑے کام بھی کرتے ہیں جلتی آگ میں کود پڑتے ہیں اور تڑپتے ہوئے لوگوں کو نکال لاتے ہیں پانی کی گہرائیوں میں غوطہ لگاتے ہیں اور ڈوبتے ہوؤں کو سہارا دیتے ہیں۔ اور کبھی کبھی اس جذبہ صادقہ میں اپنی جان عزیز بھی نذر کر ڈالتے ہیں۔

یہاں پر بےموقع نہ ہوگا اگر میں اپنے شہر کے ایک سکاوٹ ماسٹر مسٹر گوپال کا تذکرہ کروں۔ آپ گورنمنٹ سکول میں ڈرل ماسٹر تھے۔ خدمت کا زبردست جذبہ اپنے قلب کے اندر رکھتے تھے۔ اپریل ۲۶ء میں آگرہ میں زبردست پلیگ پھیلا۔ آپ ایک جماعت لیکر وہاں روانہ ہوگئے اور طرح طرح کی لوگوں کی امداد کرتے رہے حتیٰ کہ مردے بھی اپنے کاندھوں پہ پہنچاتے۔ اسی سلسلہ میں پلیگ نے آپ پر بھی حملہ کیا اور اسی موذی مرض کے آپ شکار ہوگئے۔

چونکہ میلوں وغیرہ میں خدمت کے زیادہ مواقع ملتے ہیں اس لئے اکثر سکاوٹ ماسٹر اپنے ٹروپ میلے کے انتظام وغیرہ کے لئے لیجاتے ہیں۔ میں اس کا سخت مخالف ہوں میرا یہ خیال ہے کہ میلہ میں بمقابلہ خدمت کے نمائشی صورت زیادہ پیدا ہوجاتی ہے اور نمائش کو سکاوٹ سے کوئی سروکار نہیں۔ نہ اس کی خدمت کا کوئی معاوضہ ہے حتیٰ کہ شکریہ کو بھی وہ اپنی تذلیل سمجھتا ہے۔ تاکہ میری رائے کے متعلق غلط فہمی نہ ہو اس لئے اتنا عرض کردینا ضروری سمجھتا ہوں کہ خاص صورتوں میں جلسوں میلوں میں شریک ہونا میں برا نہیں سمجھتا لیکن جہاں سکاوٹ جلسہ کی رونق بڑھانے کے لئے استعمال کئے جائیں وہاں مجھے قطعی اختلاف ہے۔

چوتھا قانون

ایک سکاوٹ سب کا دوست اور ہر سکاوٹ کا بھائی ہے بغیر اس امتیاز کے کہ کون کس مذہب ذات یا فرقے سے تعلق رکھتا ہے۔

آجکل ہمارے ملک کی فضا اس قدر مسموم ہو رہی ہے کہ اس سے نو نہالان وطن کی تمدنی زندگی زبردست خطرے میں معلوم ہوتی ہے۔ اس مہلک اثر کی تلافی کرنے کے لئے یہ قانون خاص اہمیت رکھتا ہے اگر کبھی سکاوٹوں کی جماعت میں آپ کو شرکت کا موقع ہوا ہے تو آپکو اس کا احساس ہوگا کہ کس طرح سکاوٹ آپس میں ایک دوسرے کو بھائی بھائی سمجھتے ہیں اور کس محبت اور پیار سے آپس میں مل جل کے رہتے ہیں۔ اگر ہماری آئندہ نسلوں میں یہ جذبہ صحیح طور پر پیدا ہوجائے تو کچھ امید کیجا سکتی ہے کہ ہمارا ملک آزاد ہو سکے گا اور اس کی فلاح و بہبودی کی کوئی صورت نکل سکے گی ورنہ موجودہ صورت میں تو مایوسی ہی مایوسی ہے اس جذبہ کو پیدا کرنے کے لئے سکاوٹ ماسٹر خاص توجہ دیتا ہے۔ ایک سکاوٹ دوسرے کو ہمیشہ بھائی کہکر پکارتا ہے اور بھائیوں کا سا ہی برتاؤ کرتا ہے تمام دوسرے غیر سکاوٹوں کو وہ اپنا دوست سمجھتا ہے۔ گویا کہ اس کو سکھایا جاتا ہے کہ کسی شخص کے متعلق بھی وہ دشمنی کا خیال اپنے دل میں نہ لائے۔ مانا کہ سب سکاوٹ پورے پورے اس پر عامل نہیں ہوتے لیکن اس میں بھی کوئی شک نہیں کہ کچھ نہ کچھ جذبہ ہر ایک کے دل میں پیدا ہوجاتا ہے گویا ایک نقش قائم ہوجاتا ہے اور اگر پس و پیش کے حالات ایسے مجتمع ہوگئے تو یہی نقش ایک رنگین تصویر کی صورت اختیار کرلیتا ہے اور پھر وہ انسان مرجع خلائق ہوجاتا ہے۔

پانچواں قانون

ایک سکاوٹ خلیق ہوتا ہے۔

سکاوٹ کے لئے سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ عموماً مسکرا کر جواب دے وہ کبھی ترش رو نہیں ہوتا۔ اس کے خلق کا ہر شخص گرویدہ ہوجاتا ہے۔ اس کی صحبت سے کوئی نہیں گھبراتا۔ ہر ایک یہی چاہتا ہے کہ وہ تھوڑی دیر اور بیٹھے اور محظوظ ہو۔ اگر اس کے پاس کوئی ملنے آتا ہے تو وہ بے انتہا خاطر مدارات کرتا ہے۔ وہ مہمان کے آجانے سے گھبراتا نہیں کیونکہ وہ تو بڑا مہمان نواز ہوتا ہے۔ غرضیکہ ایک سکاوٹ کو اپنے دماغ۔ قلب اور زبان پر پورا پورا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

دستور العمل

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی اور مدرسہ جامعہ یکم اگست سے کھلیں گے۔
مدرسہ مذکور کا نیا دستور العمل تیار ہوگیا۔ وہ حضرات جو جامعہ کے حالات معلوم کرنے اور اپنے بچوں کو جامعہ میں داخل کرانے کے خواہشمند ہوں پتہ ذیل سے دستور العمل طلب کرسکتے ہیں۔ دفتر شیخ الجامعہ۔ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ دہلی۔

چینی کہانیاں

چائینا میں لڑکوں اور لڑکیوں پر بہت زور دیا جاتا ہے کہ وہ ماں باپ کی عزت کریں۔ اسکو ان ہی فرائض کی طرح ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اسی بات نے ان کو اپنے آباؤ اجداد کی پوجا کرنا سکھا دیا ہے۔ چینا میں لڑکوں اور لڑکیوں کے لیے چھوٹی کتابیں ہیں۔ ان میں آپ اسی قسم کی کہانیاں پائیں گی جیسی کہ ذیل میں پائیں گے۔

۱۔ ہرنی کا دودھ

"یون" اپنے والدین سے جو بہت ضعیف اور تقریباً اندھے ہوگئے تھے۔ بہت محبت کیا کرتا تھا۔ اس کے ماں باپ کی آنکھیں صرف ہرنی کے دودھ سے ٹھیک ہوسکتی تھیں۔ مگر ان غریبوں کو ایسی گراں چیز کہاں سے میسر آسکتی تھی۔ ایکدن آدھی رات کو "یون" اٹھا اور پہاڑ پر جاکر اپنے تیر کمان سے ایک ہرن کو شکار کیا۔ پھر اسکی کھال پہن کر ہرنوں کے گلہ میں چلا گیا۔ اور ہرنی کا دودھ دھوکر اپنے گھر لے آیا۔ اسطرح اسکے ماں باپ اندھے ہونے سے بچ گئے۔

۲۔ کمسن ہانگ

جب کمسن "ہانگ" کی ماں مرگئی تو اس نے ارادہ کیا کہ وہ پہلے سے زیادہ اپنے باپ کا فرمانبردار اور پیارا بیٹا بنے گا۔ گرمیوں کے دن میں اسکا باپ اپنی چارپائی پر لیٹا کروٹیں لے رہا تھا۔ سخت گرمی کی وجہ سے اُسے نیند نہیں آتی تھی۔ "ہانگ" اپنے بستر سے اٹھا اور پنکھا ہلانے لگا۔ جس سے کہ اسکا باپ آرام سے سوگیا۔ وہ پوری گرمیوں کے موسم میں اسی طرح ساری رات پنکھا ہلاتا رہتا۔ جب سردیوں کا موسم آتا تو وہ اپنے باپ کا بستر گرم کرنے کے لئے ایک گھنٹہ کے لئے اسکی چارپائی پر لیٹ جاتا۔

۳۔ ایک لڑکا اور اوسکی سوتیلی ماں۔

چھوٹے "بسانگ" کو جسکی والدہ کا انتقال ہوچکا تھا۔ اُسکی سوتیلی ماں بہت تنگ کرتی تھی۔ مگر "بسانگ" گھر کے تمام فرائض انجام دیتا۔ وہ ہمیشہ اسی میں رہتا کہ اپنی سوتیلی اماں کو خوش کرے۔ اسکی ماں مچھلیوں کی بہت شایق تھی۔ مگر اس زمانہ میں مچھلیاں کہاں۔ سردی کی وجہ سے جھیلیں اور دریا جم چکے تھے۔ ایک رات بسانگ ایک جھیل پر گیا اور برف پر لیٹ کر زور زور سے سانس لینے لگا اس سے تھوڑی سی برف پگھل گئی۔ اور ایک سوراخ ہوگیا۔ "بسانگ" نے دو مچھلیاں پکڑیں اور ناشتہ کے وقت اپنی سوتیلی ماں کے سامنے پیش کیں۔

ایک بڑے شاعر نے "بسانگ" کا جب یہ قابل عزت کارنامہ سنا تو اس کی تعریف میں ایک نظم لکھی۔

۴۔ مچھر ہٹانے والا لڑکا۔

آٹھ سالہ "ویانگ" کے والدین بہت غریب تھے اور مچھروں سے بچنے کے لئے مچھردانیاں نہیں خرید سکتے تھے۔ ایک رات جب "ویانگ" کے والدین سوگئے تو وہ ان کے قریب جاکر لیٹ گیا۔ جب مچھروں نے اُسے کاٹنا شروع کیا تو اُس نے مچھروں کو اڑایا نہیں بلکہ کاٹنے دیا۔ اس لئے تمام مچھر ہٹ کر اسی کے جسم پر آگئے۔

۵۔ ایک لڑکا جو بادشاہ بن گیا۔

"یوشن" اپنے والدین کا بہت فرماں بردار لڑکا تھا۔ گو اس کے والدین اس کا زیادہ خیال نہیں رکھتے تھے۔ وہ "یوشن" کے بھائیوں سے جو خوبصورت تو اس سے زیادہ تھے لیکن فرماں بردار نہیں تھے محبت کرتے تھے۔ ایکدن اس کے باپ نے اُسے کنوئیں میں گرادیا۔ اور اس کے بھائیوں نے اس پر پتھر پھینکے۔ لیکن وہ کسی نہ کسی طرح باہر نکل آیا۔ ایسے ہی ایک دن اُس کے کمرہ میں آگ لگادی۔ جس سے بیچارے کے سب کپڑے تو جل گئے۔ لیکن خود بچ رہا۔ مگر باوجود ان تمام باتوں کے وہ کھیت پر کام کرتا۔ مچھلیاں پکڑتا۔ جلانے کے لئے لکڑیاں کاٹتا اور گھر کے تمام کام انجام دیتا۔ آخرکار جب بادشاہ "یون" نے اسکی فرمانبرداری کا حال سنا تو اپنی لڑکی کی شادی اُس سے کردی اور کچھ دن بعد خود بھی تخت سے اُس کے حق میں دست بردار ہوگیا۔

سید نصیر احمد

پیام تعلیم
(پندرہ روزہ)

بچوں کے لئے بہترین رسالہ ہے جو ہر ماہ کی ۷ اور ۲۱ تاریخ کو جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی سے شایع ہوتا ہے۔ اس میں بچوں کے لئے سبق آموز کہانیاں اور سائنٹیفک مسائل نہایت آسان زبان میں پیش کئے جاتے ہیں۔

چندہ سالانہ عہر۔ اور رسالہ جامعہ کے خریداروں سے صرف عہ ر۔

مینجر پیام تعلیم۔ قرول باغ۔ دہلی

بارش

از سید محمد عمر صاحب بی۔ ای۔ (ٹوکیو) رکن جمعیت ہندیین المانی (برلن)

بارش کیوں ہوتی ہے؟ یہ سوال بھی آپ کے ذہن میں کبھی آیا؟ آئیے آج کی صحبت میں ہم مختصراً آپ کو بتائیں گے کہ بارش کسطرح ہوتی ہے۔ کھانا پکتے ہوئے دیکھا ہوگا۔ جب ہنڈیا سے ڈھکن اٹھایا جاتا ہے۔ تو دیکھا ہوگا کہ ڈھکن کے اوپر مہین مہین بوندیں جمی ہوئی ہوتی ہیں۔ جب یہ بوندیں موٹی ہوجاتی ہیں اور اس قدر بھاری ہوجاتی ہیں کہ ہوا انھیں نہ سہار سکے تو وہ گر جاتی ہیں۔ بالکل یہی کیفیت بارش کی بھی ہے۔ سمندروں میں پانی بھرا ہے۔ جب آفتاب کی حرارت اسپر پڑتی ہے۔ تو آبی بخارات حرارت کی وجہ سے اُڑکر ہوا میں منتشر ہوجاتے ہیں۔ اور یہ بلندی کی طرف چڑھتے ہیں۔ جہاں ہم کو بادل کی شکل میں نظر آتے ہیں۔ جب یہ بخارات اسقدر کثیف ہوجاتے ہیں۔ کہ انہیں اور زیادہ بخارات کے سہارنے کی طاقت نہیں رہتی اور ہوا انکے بوجھ کی متحمل نہیں ہوسکتی۔ تو یہ گرنے لگتے ہیں۔ اور یہی بارش ہے۔ ہندوستان میں بارش کے دو سرچشمے ہیں۔ یعنی ہندوستان کی مثلث نما شکل کے مشرقی جانب خلیج بنگال اور مغربی جانب بحیرۂ عرب ہے۔ ان دونوں سمندروں سے موسمی ہوائیں (Monsoon) اٹھتی ہیں۔ اور شمال کی جانب چلی جاتی ہیں۔ جیسے جیسے یہ شمال کی طرف بڑھتی ہیں جنوب کے مقابلہ تو زیادہ سردی ملتی ہے۔ اور یہ آبی بخارات منجمد ہوتے ہوئے اور راستہ میں برستے ہوئے جاتے ہیں۔ جب یہ ہمالیہ کے قریب پہونچ جاتے ہیں تو اس کی بلندی کو تو عبور نہیں کرسکتے وہاں سے یہ ہوائیں ٹکراکر پھر واپس آتی ہیں اور یہ ہمالیہ کی ترائی۔ پنجاب وغیرہ میں بارش ہوتی ہے۔

بعض دفعہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ موٹی موٹی بوندیں برستی ہیں۔ بعض دفعہ ننھی ننھی بوندیں۔ یا پھوار پڑتی ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے۔؟ بارش کی ابتدائی موسم میں جو ہمارے ہاں جون جولائی میں شروع ہوتا ہے۔ اکثر بڑی بوندیں برستی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح دیگچی کے اوپر ڈھکن پر بوندیں جمع ہوجاتی ہیں۔ اسی طرح ان آبی بخارات کے لئے بھی کوئی ڈھکن جمنے کے لئے چاہئے۔ محض ہوا کافی نہیں ہوتی۔ اپریل مئی میں اکثر آندھیاں آتی ہیں۔ اور یہ مشہور ہے کہ جس سال زیادہ آندھیاں آئینگی اُس سال زیادہ بارش ہوگی ان آندھیوں اور گرمی کی وجہ سے گرد و غبار آسمان پر چڑھ جاتا ہے۔ اور یہ گرد و غبار وہ کام کرتا ہے۔ جو دیگچی پر ڈھکن کا کام بخارات کے جمع ہونے کا ہوتا ہے۔ اسپر آبی بخارات کو جمع ہونے کا اچھا موقع ہوتا ہے۔ ابتدا میں یہ قطرے اسقدر باریک ہوتے ہیں کہ مشکل سے خوردبین سے نظر آتے ہیں۔ مگر بتدریج اور بخارات انکے گرد جمع ہوکر انہیں موٹا کرتے رہتے ہیں۔ بجلی کے طوفان آنے سے قبل اسی قسم کی موٹی موٹی بوندیں فاصلہ پر گرتی ہیں۔ اس قسم کے طوفان اسی وقت آتے ہیں۔ جب اُس سے قبل فضا کی حرارت میں سخت تبدیلی ہوئی ہو۔ یعنے انتہائی گرمی کے بعد ہوا ٹھنڈی چل جاے اس کی آبی بخارات جلد منجمد ہوجاتے ہیں۔

ایک بوند میں مثبت اور دوسرے میں منفی بجلی ہوتی ہے۔ ابتدا میں تو یہ تھوڑی مقدار میں ہونے کی وجہ سے ادھر اُدھر ہی ہمکو محسوس ہوتی ہے مگر جب ان کی قوت بڑھ جاتی ہے تو چمک اور گرج بھی پیدا ہوتی ہے۔ جب بارش کا موسم شروع ہوجاتا ہے تو بجلی بھی کم چمکتی ہے۔ درجہ حرارت بھی جلد جلد اور زیادہ تبدیل نہیں ہوتا اکثر پھوار پڑتی رہتی ہے۔ یا باریک بوند کا مینہ برستا ہے۔ کیونکہ تمام فضا ایک حالت میں ہوجاتی ہے۔ اور رطوبت ہوا میں بارش نہ بھی ہو تب بھی رہتی ہے۔ یہ رطوبت کا ہی سبب ہے کہ بارش میں نمک اکثر گیلا رہتا ہے۔ بلکہ اگر سوکھا نمک جب خود بخود تر ہوجائے تو سمجھ لیجئے کہ بارش ہونے والی ہے۔

بارش انسان کے لئے کیسی نعمت ہے۔ اور انسان و حیوان کی زندگی کیلئے کیسی ضروری ہے۔ ایسے سوالات ہیں کہ ہر شخص جواب دیسکتا ہے۔ بغیر بارش کے نہ غلہ پیدا ہوتا ہے۔ نہ ترکاری اور گھاس پیدا ہوسکتی ہے۔ نہ چرند و پرند زندہ رہ سکتے ہیں اور نہ ہم کو پانی پینے کے لئے میسر آ سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ریگستانی ممالک میں زندگی دشوار ہے۔ اور وہاں آبادی بہت کم ہوتی ہے۔ بارش خداتعالیٰ کی بڑی نعمتوں میں سے ایک نعمت ہے۔ جس سال بارش نہیں ہوتی قحط سالی ہوجاتی ہے۔ اور لاکھوں آدمی اور جانور بھوک پیاس سے مرجاتے ہیں۔

رسالہ جامعہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا ماہوار علمی و ادبی رسالہ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی اور مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری کی ادارت میں نہایت آب و تاب کے ساتھ شایع ہوتا ہے۔ چندہ سالانہ صہ

مینجر رسالہ جامعہ - قرول باغ - دہلی

مفید کھیل

(از سید نصیر احمد صاحب متعلم جامعہ)

جغرافیہ پڑھنے کے مختلف طریقے ہیں۔ ان میں دلچسپ بھی اور غیر دلچسپ بھی فرض کرو۔ اگر ہم جغرافیہ کی کتاب لیکر ان شہروں کے نام جہاں مصنوعات تیار ہوتی ہیں یاد کرنا شروع کریں تو مضمون نہایت ہی خشک معلوم ہوگا۔ لیکن اگر ہم انہیں شہروں کے بازار سڑکوں مصنوعات وغیرہ کے متعلق کسی کا سفرنامہ پڑھیں تو ہمیں بہت خوشی محسوس ہوتی ہے اور شہروں کے نام یاد ہوجاتے ہیں۔

مختلف ممالک کی حدود ہمیں مطلق یاد نہیں رہتیں ان کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھنے کے لئے بار بار نقشے کھینچنا یہ ایک مشکل کام ہے۔ لیکن آیئے ہم آپ کو ایک آسان طریقہ بتائیں جسکو سبق نہیں بلکہ کھیل سمجھنا چاہئے۔

اٹلس لیجئے اور پنسل سے مختلف ممالک اور جزائر کی حدود کھینچئے اور پھر دیکھئے کہ یہ شکلیں کس چیز سے ملتی جلتی ہیں۔ ہر ملک یا جزیرہ کے سامنے ہی اُس چیز کی شکل کھینچئے۔

آپ حیران ہوں گے کہ بہت سے ممالک اور جزائر کی شکلیں ایسی چیزوں سے ملتی ہیں جنکو آپ روزانہ دیکھتے ہیں۔ اٹلی بالکل ایک بڑے بوٹ کی مانند ہے۔ نیوگنی کی شکل ایک ہنستے ہوئے پرندے کی سی ہے ﷺ جھیل ایرا کی شکل ویل مچھلی کی سی ہے۔ آپ کسی ملک کی حدود کھینچئے اور تھوڑی دیر سوچنے کے بعد اسی کی کوئی ہم شکل چیز بنا دیجئے اس کے بعد آپ قیامت تک اس ملک کی حدود کو نہ بھولنے گا۔

شکلیں بنانے کا کھیل بہت سے لڑکے کھیل سکتے ہیں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ کھیلنے والے بارہ پندرہ ممالک اور جزیروں کے نام لکھیں پھر اٹلس لیکر ان ممالک کے حدود کاغذ پر کھینچکر آپس میں بانٹ لیں، ایک مقررہ وقت دے دیا جائے اور ہر لڑکا ویسی ہی شکل بنانے کی کوشش کرے، جیسی کہ ملک یا جزیرہ کی شکل ہے جب سب کھلاڑی شکلیں بنالیں تو ایک جج کے سامنے پیش کرے جس کی شکل سب سے اچھی ہوگی وہ جیت جائے گا اور باقی کھلاڑی اپنی شکلوں کے لحاظ سے اول و دوم و سوم آئیں گے۔ شکلوں میں تھوڑی سی تبدیلی کی اجازت ہے بشرطیکہ حدود بالکل نہ بدل جائیں

(ماخوذ از بک آف نالج)

شرح اشتہارات پیام تعلیم

آپ کو شاید معلوم نہیں یہ پرچہ جامعہ ملیہ کی اغراض و مقاصد کی اشاعت اور ملک کے اندر تعلیم میں اصلاح کرنے کے لئے نکالا ہے اور اس غرض سے یہ بلا شیر مفت تقسیم کیا جاتا ہے اور ہر مرتبہ نئے نئے حلقوں میں بھیجا جاتا ہے جس سے اسکا حلقہ اشاعت ہزاروں بلکہ لاکھوں اشخاص کی تعداد تک پہنچ گیا ہے پھر ایسی صورت میں کیا آپ کا اس میں اشتہار دینا نفع کا باعث نہ ہوگا؟ اور جبکہ شرح اشتہارات اس قدر کم ہو۔

تعداد اشاعت	پورا صفحہ	پورا کالم	نصف کالم	چوتھائی کالم	⅛ کالم
ایک بار	ے	۸ہ	۶ر	۴ہ	۱۰ ار
دو بار ایک ماہ	لعہ ۸	۱۲ ار	۴ ار	۶ ۳ر	۸ہ
تین بار	۱۲ عہ	۱۲ ار	۱۰ ر	۳ ر	۱۲ ار
۴ بار (دو ماہ)	لعہ ۲۱	عہ ۱۳ ۸ر	۸ہ	للعہ ۲ر	۵ہ
۶ بار (تین ماہ)	۳۰	عہ	عہ ۸ر	ے ر	۶ر
۹ بار	للعہ ۴۲ ۱۲	صعہ ۱۴ ار	صعہ ۳ر	۱۲ ار	للعہ ۱۵ر
۱۲ بار (۶ ماہ)	للعہ	عہ	للعہ ۵ر	لعہ ۱۲ ار	۶ر

نوٹ۔ غیر مہذب اور اخلاق سے گرے ہوئے اشتہارات ہرگز نہ لئے جائیں گے۔

مینجر "پیام تعلیم" قرولباغ دہلی

ﷺ جنوبی امریکہ ایک بوڑھے بندر سے ملتا ہے۔

مفید اور کارآمد کتابیں

تاریخ الامت | تاریخ اسلام کا سلسلہ تحقیق و تنقید کے ساتھ اردو میں پہلی چیز ہے مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری نے اس کی تالیف سے مسلمانوں پر احسان عظیم کیا ہے۔ طرز تحریر سادہ اور زبان سلیس۔

تاریخ الدولتین | حالات خلافت بنی امیہ و بنی عباس از جرجی زیدان۔ مترجمہ مولانا نیاز فتحپوری۔ قیمت عہ

تاریخ ہند قدیم | کے۔ ایم۔ پانیکار صاحب ایم۔ اے (آکسن) کی تصنیف کا ترجمہ۔ ہند قدیم کا ایک جامع خاکہ قیمت عہ

قواعد عربی حصہ اول | عربی صرف کی مستند اور مکمل کتاب۔ ہندوستان کے مشہور عربی ادیب مولانا محمد بن یوسف السورتی استاد جامعہ کی تالیف۔ قیمت ۶ر

انتخاب کلام میر | زبان اردو کے بہترین شاعر کے کلام کا انتخاب۔ ابتدا میں حالات زندگی اور محاسن کلام میر پر دلچسپ مقدمہ۔ از مولوی نور الرحمٰن صاحب بی۔ اے (علیگ) مجلد عہ

اورنگ زیب عالمگیر | مولانا شبلی کی مشہور تصنیف۔ خوبصورت ٹائٹل۔ اعلیٰ کاغذ کے باوجود قیمت صرف عہ

تاریخ فلسفۂ اسلام | ہالینڈ کے مشہور فلسفی ٹی۔ جے۔ دی بوئر کی تصنیف کا جرمن زبان سے براہ راست ترجمہ از ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی (برلن) استاذ فلسفہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قیمت صرف ۶ر

پردۂ غفلت | ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی کا دلچسپ ڈرامہ۔ مطبوعہ شرکت کاویانی برلن جرمنی قیمت صرف ۸ر

مبادی معاشیات | ایڈون کینن کی تصنیف کا ترجمہ از پروفیسر ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی برلن قیمت صرف عہ

تیاتر | فارسی جدید میں مرزا ملکم خاں ناظم الدولہ کے تین ڈراموں کا مجموعہ جس میں گذشتہ صدی کے نظام حکومت ایران کی ابتری کی تصویر کھینچی گئی ہے۔ (مطبوعہ جرمنی) قیمت صرف ۸ر

طہران مخوف | (یادگار یک شب) فارسی ناول (مطبوعہ جرمنی) قیمت ۶ر

مولانا ابوالکلام آزاد کی تصانیف

ایک ماہ کے لئے خاص رعایت

نمبر	نام کتاب		قیمت	نمبر	نام کتاب	قیمت
۱	مضامین ابوالکلام آزاد	حصہ اول	۱۰/۹ر	۱۱	جہاد اور اسلام	۲ر
۲	″	حصہ دوم	۱۲ر	۱۲	الحریت فی الاسلام	۱۲ر
۳	″	حصہ سوم	۱۲ر	۱۳	خطبات سیاسیہ اور مساجد اسلامیہ	۸ر
۴	″	حصہ چہارم	۱۲ر	۱۴	حزب اللہ	۱۲ر
۵	″	حصہ پنجم	۱۲ر	۱۵	خطبۂ صدارت تحریری	۲ر
۶	″	حصہ ششم	۱۲ر	۱۶	″ ″ تقریری	۲ر
۷	بیان مولانا ابوالکلام آزاد		۴ر	۱۷	″ ″ (جلسۂ آگرہ)	۹ر
۸	دعوتِ عمل		۸ر	۱۸	آخری پیغام	ار
۹	دعوتِ حق		۲ر	۱۹	لیلۃ القدر	ار
۱۰	صدائے حق		۸ر	۲۰	تازہ مضامین	۱۰ر

بیس کتابوں کا سٹ اصل قیمت عہ رعایتی قیمت ہے

دیوانِ غالب (پاکٹ ایڈیشن)

مطبوعۂ شرکت کاویانی (برلن) خوبصورت ملائم جلد، سنہرے دلفریب نقش و نگار، طلائی اوراق اور مرزا غالب کی رنگین عکسی تصویر،

قیمت صرف للعہ

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

اتحاد کا سالگرہ نمبر

چونکہ اتحاد صوبہ بہار کا واحد آرگن ہی اور نہ صرف اپنے صوبہ بلکہ ہند اور بیرون ہند میں بھی بکثرت پڑھا جاتا ہے پھر چونکہ اولین روز اشاعت سے ابتک اس کا کوئی خاص نمبر شائع نہونے کے سبب اسکے کثیر التعداد قدردانوں اور شائقینوں کی اسکے لئے سخت فرمائش تھی، لہذا ارکان اتحاد نے فیصلہ کر لیا ہی کہ آئندہ ماہ ستمبر میں عید میلاد النبی کے موقع پر اسکا ایک سالگرہ نمبر نہایت آب و تاب اور شان و شوکت کے ساتھ شائع کیا جائیگا جس میں ملک کے چیدہ چیدہ اہل قلم حضرات اور دیگر مشہور و معروف اکابر ملت کے علمی، ادبی، سیاسی مضامین نظم و نثر درج کئے جائینگے. علاوہ بریں متعدد اعلیٰ درجہ کی رنگین و سادہ عکسی تصاویر، نقشہ جات، کارٹون وغیرہ سے اسکو زینت دیجائیگی۔ سو صفحوں سے زائد کی ضخامت کیساتھ دس ہزار کی تعداد میں چھپے گا اسطرح یہ پرچہ اپنے رنگ کا لاثانی اور کم از کم اردو صحافت میں عدیم المثال ہوگا۔ خریداران اتحاد کو رعایتی قیمت پر ملیگا البتہ اس کی ایک جلد ان خریداروں کی خدمت میں مفت نذر کیجائیگی جو ایک نئے خریدار ہم پہونچائینگے۔ مشتہرین کیلئے اشتہار کا نادر موقع ہی نرخنامہ اشتہار طلب کریں۔ اہل قلم حضرات سے استدعا ہے کہ براہ کرم اپنے اپنے بلندپایہ مضامین نظم و نثر سے آخر جولائی تک سرفراز فرمائیں۔ قیمت فی پرچہ [illegible] رجسٹری و محصول [illegible]

منیجر اتحاد بہار شریف۔

قرآن مجید مترجم

از شیخ المحدثین امام المفسرین حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب

مولائے قادر و توانا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ کامل ڈھائی سال کی مسلسل محنتوں اور عرق ریزیوں کے بعد یہ مبارک اور عظیم الشان کام ختم ہوا حضرات شائقین و خادمان حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ جس بیقراری کے ساتھ اس ترجمہ کا انتظار کر رہے تھے وہ حیطۂ تحریر سے باہر تھا خدا کا شکر ہی کہ تمام مروجہ تراجم قرآنی کے مقابلہ میں یہ ترجمہ زیادہ سہل آسان تحت اللفظ اور مستند ہونیکی حیثیت میں تمام علمائے کرام و فضلائے عصر حاضرہ نے تسلیم فرمایا ہی اس نادر نسخہ کی تیاری میں بے دریغ روپیہ صرف کیا گیا ہی ترجمہ کی عظمت و صحت کے لحاظ سے کتابت اور طباعت بھی اعلیٰ اور دیدہ زیب نہایت صفائی سے مطبوعہ ہی ہر پارہ ۲۴ صفحات پر ختم ہوا ہی جلد مضبوط چرمی ہی وزن قرآن مجید مجلد [illegible] سیر ہی ہندوستان کے اندر محصول ڈاک مجلد کا [illegible] غیر مجلد کا [illegible] فیس رجسٹری و پیکنگ ہو نیکی وجہ سے غیر ممالک میں محصول بہت کم لگتا ہی ممالک غیر کا محصول [illegible] غیر ملکوں سے [illegible] کیساتھ محصول ڈاک بھی آنا چاہئے ہدیہ فی جلد غیر مجلد [illegible] مجلد چرمی منقش نقرئی [illegible] مجلد طلائی [illegible] محصول ہر حالت میں بذمہ خریدار نمونہ مفت

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ

محمد مجید حسن مالک اخبار مدینہ

بجنور (یوپی)

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶

پیام تعلیم

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

قیمت سالانہ عہ
ششماہی ۱۴ر
فی پرچہ ۱ر

خریداران رسالہ جامعہ سے
صرف ایک روپیہ
نمونہ مفت

ایڈیٹر ۔ سعید انصاری بی اے (جامعہ)

نمبر ۸	۷ اگست ۱۹۲۶ء	جلد ۳

شذرات

جامعہ کا نیا سال

جامعہ ملیہ کا نیا تعلیمی سال یکم اگست سے شروع ہوگیا۔ نئے طلبا کثرت سے داخل ہو رہے ہیں۔ تین چار روز کے عرصہ میں ایک معقول تعداد درج رجسٹر ہو چکی ہے اور یہی آئندہ بھی سلسلہ برابر جاری رہیگا۔ ان نئے طلبہ میں اکثر دور دور مقامات کے ہیں۔ اور بعض ایسے لوگوں کے بچے بھی ہیں جن سے بظاہر یہ توقع نہیں ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ایک غیر سرکاری درسگاہ میں داخل کریں گے۔ لیکن اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ جامعہ کی طرف سے ابتک جو سوء ظن اور غلط فہمی لوگوں میں تھی دور ہوتی جا رہی ہے اور اب لوگ سمجھنے لگے ہیں کہ یہ کوئی عارضی اور سیاسی تعلیمگاہ نہیں ہے۔ بلکہ ایک مستقل اور قومی تعلیمی درسگاہ ہے جسکا مقصد طلبہ میں دینی و ملی احساس پیدا کرنیکے ساتھ صحیح تعلیم و تربیت دینا بھی ہے۔ بعض حضرات اپنے ایسے بچے بھی بھیجنا چاہتے ہیں جو سن میں نہایت کم اور انہیں جان سے زیادہ عزیز ہیں اور جنہیں وہ بیتابانہ شوق محبت سے جدا کرنیکے لئے بجز اسکے اور کوئی خواہش نہیں ہے کہ بچہ کی ابتدائی تربیت و تعلیم نہایت عمدہ اور بہتر ہو۔ اس کے علاوہ ایک معقول تعداد ایسے طلباء کی بھی آرہی ہے جو کالج کی تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ ان میں زیادہ تر عربی مدارس کے پڑھے ہوئے طلبہ ہیں جو انگریزی زبان و ادب نیز دوسرے جدید علوم حاصل کرنیکے لئے جامعہ سے بہتر اور کوئی جگہ نہیں دیکھتے ہیں۔ پھر پرانے طلبہ بھی ایک ایک کرکے واپس آرہے ہیں۔ جو اس سے پیشتر بہت کم ہوتا تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ طلبہ میں جامعہ کیساتھ ایک مستقل تعلق اور مضبوط لگاؤ بھی قائم ہوگیا ہے جو انہیں دوسرے سال واپس لائے بغیر چین نہیں لینے دیتا۔ غرض یہ سال طلبہ کی تعداد کے لحاظ سے نہایت خوش آیند اور بہت افزا نظر آرہا ہے۔ خدا کرے دوسری حیثیتوں سے بھی یہ نیا سال جامعہ کے لئے مسعود و مبارک ہو۔ آمین۔

انعامی معمے

۲۱ مئی ۲۶ء کے پرچہ میں جو معمے حل کرنے کے لئے دیئے گئے تھے بحمد اللہ کہ بہت طلبہ نے اس صلائے عام پر لبیک کہا لیکن انعام کے مستحق ہمارے ایک طالبعلم نصر محمد صاحب قرار پائے، اس لئے کہ انہوں نے تمام معموں کا صحیح حل پیش کیا۔ ہم کسی دوسرے صفحہ پر ان معموں کا حل شائع کر رہے ہیں، جو جامعہ کے ایک طالب علم حافظ عابد علی صاحب نے ہمارے پاس بھیجا ہے۔ حافظ صاحب کا اگر آخری معمہ غلط نہ ہوتا تو بلاشبہ انعام کے مستحق وہی قرار پاتے، اس وجہ سے کہ انہوں نے نہایت صاف اور سلجھے طریقہ سے تمام معمے حل کیے ہیں۔ بہرحال ہمیں امید ہے کہ آئندہ انعامی مقابلہ میں اس سے زیادہ طلبہ شریک ہوں گے۔ اور اس سے زیادہ کامیابی کے ساتھ اپنے نتائج پیش کرینگے۔ نصر محمد صاحب کی خدمت میں عمدہ اور مفید کتابوں کا ایک سٹ بطور انعام کے روانہ کیا جا رہا ہے، امید ہے کہ قبول ہوگا ✦

ہندوستان کی جدید تعلیمی تحریک

یعنی

قومی تعلیم

(از جناب عبد الغفار صاحب جونپوری بی اے جامعی)

اپنے نتائج کے لحاظ سے اہم ترین تعمیری کام جو تحریک ترک موالات کے زمانہ میں ہوا وہ قومی درس گاہوں کا قیام ہے،

کیا یہ درس گاہیں اسی تحریک کا نتیجہ ہیں ؟ ۔ نہیں،

قومی درس گاہیں نتیجہ ہیں ان اصلاحی خیالات کا جو تحریک ترک موالات سے پیشتر ہی ملک کے اہل الرائے اصحاب کے ذہن میں آ چکے تھے، کیونکہ رائج الوقت تعلیم بہت سی ضروری عناصر سے خالی تھی، اس کے اندر قومی مذہبی، معاشرتی، صنعتی، فوجی تعلیم کا کوئی جزو نہ تھا، اگر تھا تو برائے نام،

چنانچہ تحریک ترک موالات سے قبل ہی ان اصلاحی خیالات کا عمل شروع ہو گیا تھا، بنارس اور علی گڈھ کی یونیورسٹیاں انھیں اصلاحی مقاصد کو پیش نظر رکھکر قائم کی گئیں، جگہ جگہ "نیم سرکاری" مدارس بھی اسی لئے کھولے گئے، کہ جو کام "سرکاری" مدارس سے نہیں لیا جا سکتا تھا، وہ ان سے لیا جائے، مذہبی تعلیم کے نصاب تیار ہوئے زراعتی، تجارتی اور صنعتی تعلیم گاہیں قائم کی گئیں، "بوائی اسکاوٹس" وغیرہ کی تحریک پھیلائی گئی، بعض بعض جگہ فوجی قواعد سکھانے کا بھی انتظام ہے اسی طرح اور بھی بہت سی ضروری باتوں کے اہتمام ہونے لگے،

یہ سب کچھ برائے نام تھا تاہم ایک عنصر کے لئے برائے نام بھی کہیں جگہ نہ تھی، سرکاری تعلیم گاہوں میں نہ نیم سرکاری تعلیم گاہوں میں، یہ "قومی" عنصر تھا، اس کمی کا احساس بہتوں کو تھا، قومی درسگاہیں اسی احساس کا نتیجہ ہیں،

تحریک ترک موالات سے بس اتنا ہوا کہ قومی درس گاہوں کے لئے موافق فضا پیدا ہو گئی، ورنہ ان کا قیام ایک عرصہ کے بعد ہوتا، مگر ہوتا ضرور، قایم ہونے کے ساتھ ہی ان تعلیم گاہوں کو تنازع البقا میں مصروف ہو جانا پڑا، بعض اس کی تاب نہ لا سکیں، اور ختم ہو گئیں، بعض سخت جان تھیں، اور قائم ہیں، ان میں سے کچھ سنبھالے رہی ہیں، اور کچھ ماحول پر قابو پاتی ہوئی معلوم ہوتی ہیں،

قومی درس گاہوں کا مستقبل

کیا ان کا مستقبل تاریک ہے ؟ ۔ نہیں،

ان کے مقابل سرکاری (اسی تحت میں نیم سرکاری بھی آ جاتی ہیں) تعلیمگاہیں ہیں، مقابلہ سخت ضرور ہے، اب تک کامیابی بھی سرکاری تعلیمگاہوں کو ہوتی رہی ہے، لیکن مایوسی کی کوئی وجہ نہیں، زندگی کے مقابلہ میں وہی جیتا ہے جس میں جینے کی صلاحیت زیادہ ہو، اور اگر غور سے دیکھا جائے تو موجودہ اور امکانی صلاحیت کا مجموعی وزن دونوں تعلیمگاہوں کا یکساں بلکہ قومی تعلیمگاہوں کا زیادہ ہے،

سرکاری تعلیم گاہیں جو اب تک کامیاب ہوتی رہیں وہ محض حکومت کی مدد اور اپنی ساکھ کی بدولت، ان کی ضروریات کی کفیل ایک مستطیع حکومت تھی، اور پبلک کو ان پر پورا اعتماد تھا، یعنی والدین کو اس بات کا یقین ہوتا تھا، کہ ان کے لڑکے یہاں سے (ملک کے موجودہ معیار کے مطابق) لائق اور تعلیمیافتہ ہو کر نکلیں گے، اور باعزت ذریعہ سے معاش پیدا کرنے کے قابل بن سکیں گے، سرکاری کے مقابلہ میں قومی تعلیمگاہیں گویا نئی دوکانیں تھیں، ان کا سودا سستا تھا، مگر ناقابل اطمینان، بازار میں ساکھ قدر نہ تھی، کسی کو اعتماد نہ تھا کہ یہ اپنی عمدگی اور افادہ میں پرانی دوکانوں کے سودے کے مقابل ہو سکے گا،

لیکن اب خود پرانی دکانوں کا سودا پبلک کی نظروں میں ناقابل اطمینان ہوتا جا رہا ہے، ایک طرف ماہرین تعلیم کے اس اعتراض کی اہمیت روز بروز محسوس کیجا رہی ہے، کہ ہندوستان کا عام تعلیمی معیار بہت پست ہے، یہاں کے سند یافتہ بہت ہی سطحی علمی لیاقت رکھتے ہیں اور ان میں تحقیق و تفتیش، ایجاد و اختراع کی صلاحیت بہت کم ہوتی ہے، دوسری طرف جو بری بھلی تعلیم دیجاتی ہے، اس کا افادہ بھی روز بروز گھٹتا جا رہا ہے، کیونکہ یہاں کی تعلیم صرف کلرک پیدا کر سکتی ہے، جب تک ان کے لئے دفاتر میں گنجایش تھی، ان کی تعلیم سود مند سمجھی جاتی تھی

مگر کلرکوں کی کثرت سے اب ان کی کھپت کی گنجائش کم رہتی ہے۔ اور پہلے کی طرح اب سرکاری ڈگریاں روزگار مل جانے کی ضمانت نہیں کرتیں۔ چنانچہ والدین کو بچے کے اسکول میں داخل ہونے کے وقت ہی سے اس کے آئندہ نوکر ہو جانے کا جو یقین رہتا تھا وہ اب کم ہوتا جا رہا ہے۔ اور یہ احساس برابر بڑھ رہا ہے کہ موجودہ تعلیم ناقص اور ضروریات کے لئے ناکافی ہے۔ یہ جو کچھ سکھاتی ہے وہ نوجوانوں میں بہت محدود کارکردگی پیدا کرتی ہے۔ اور ان کے سامنے معاش کا صرف ایک ذریعہ رہتا ہے۔

یہ احساس سرکاری تعلیم گاہوں کی ساکھ کو دن بدن گھٹا رہا ہے۔ آثار بتاتے ہیں کہ عنقریب زمانہ دونوں درسگاہوں کو ایک ہی سطح پر کر دے گا۔ گویا کارکنان قضا و قدر نے ایسے سامان مہیا کر دیئے ہیں کہ جب نئے تعلیمی دور کی تیاریاں کر رہا ہو تو ان میں سرکاری اور قومی درس گاہوں کو برابر موقع کوشش اور کامیابی کا ملے گا۔ ایک سخت مقابلہ ہوگا جس میں کامیابی اسی کو ہوگی جو بہتر نصب العین اور زیادہ استطاعت رکھے گی۔

قومی اور سرکاری تعلیم گاہوں میں فرق

جہاں تک نصب العین کا تعلق ہے، قومی تعلیم گاہیں سرکاری تعلیم گاہوں پر پوری طرح فوقیت رکھتی ہیں، اور ہمیشہ رکھیں گی، کیونکہ ان کا مقصد قوم کی بے لوث خدمت ہے۔ وہ کسی جابر اور خود غرض حکومت کا آلہ کار نہیں ہیں۔ وہ ملک کی ضرورتوں کو سمجھنے کے بعد ایسی تعلیم رائج کرنا چاہتی ہیں جو بلند پایہ اور مفید ہو۔ اور اس کے ساتھ ساتھ نوجوانوں کے اندر وہ غلامانہ ذہنیت نہ پیدا کرے جو سرکاری تعلیم کا خاص مشن ہے۔ نہ ان میں خود غرضی زندگی بسر کرنے اور فرائض سے بے پروا رہنے کی عادت ڈالے جو کسی ملی نصب العین کے نہ ہونے سے ہمارے نوجوانوں میں عام ہیں بلکہ ان کے اندر خلوص، ایثار، ایمانداری اور ملک کی سچی خدمت کے جذبہ کو ترقی دے۔ تاکہ جس وقت وہ تعلیم حاصل کر کے نکلیں تو ایک طرف وہ قابل، دیانتدار اور محنتی پیشہ ور ہوں اور دوسری طرف قوم کے سچے خادم بھی بنیں ◆

لیکن استطاعت میں سرکاری درسگاہوں کا درجہ بہت بڑھا ہوا ہے۔ جس جگہ پر وہ اس وقت ہیں وہاں تک پہونچنے کے لئے قومی درسگاہوں کو کٹھن منزلیں امتحان اور احتساب کی طے کرنی پڑیں گی، اور یہ بالکل قدرتی ہے۔ کیونکہ ان کی مؤید کوئی با اقتدار اور صاحب استطاعت حکومت نہیں ہے۔ اور انہیں میدان کی ایک ایک انچ محنت شاقہ سے پبلک کو اس بات کا یقین دلا کر حاصل کرنا ہے کہ ان کی کامیابی ملک کی فلاح کا باعث ہوگی ◆

دونوں درسگاہوں کا مقابلہ چندے جاری رہے گا۔ ایک طرف بے سروسامانی اور کس مپرسی کے ساتھ ساتھ خدمت کا جذبہ صادق اور آزاد تعلیم کا وسیع میدان عمل ہے دوسری طرف کامل استطاعت اور عالم پر اولعزمی کے ساتھ ساتھ خدمت کا دعاسے غلط اور محدود مقصد و مقرر کی پابند تعلیم کا تنگ دائرہ کار۔ ایک طرف کامیابی کا انحصار پبلک کی ہمدردی حاصل کرنے پر ہے دوسری طرف حکومت کی تائید پر ◆

ابتداءً بے سروسامانی و کس مپرسی کے مقابلہ میں استطاعت و پر اولعزمی کی کامیابی بالکل قدرتی ہے۔ لیکن خاتمہ سچی خدمت اور خیر طلبی کی فتح پر ہوگا۔ وہ دن دور نہیں جب پبلک سرکاری تعلیم کے نقائص کو زیادہ سختی سے محسوس کرنے لگے، اور اصلاح کا مطالبہ جو فی الحال بہت ہی کمزور طرح پر ہو رہا ہے، ایک مضبوط تحریک کی شکل اختیار کرے۔ اسوقت یوں سمجھا ئیے کہ سبھی ضرورت سے مجبور ہو کر پبلک کو انھیں مقاصد کے لئے درسگاہیں قایم کرنی پڑیں گی، جو آج قومی تعلیم کے پیش نظر ہے ◆

اس صورت میں مصلحت کا تقاضا یہی ہے کہ جو لوگ آنے والی ضرورت کا ابھی سے اندازہ لگانے کی صلاحیت رکھتے ہیں، قومی تعلیم گاہوں کو مستحکم کریں۔ یہ ایک نیا تعلیمی تجربہ کرنا چاہتی ہیں۔ انہیں موقع دیں کہ وہ اسے کامیاب بنائیں۔ ان کے پاس ایک زندہ اور مستقل مقصد ہے۔ لیکن وہ اسے لیکر ہوا پر نہیں جی سکتیں دوسروں کی طرح ان کو بھی ضرورت ہے روپیہ کی، طلبہ کی، کام کرنے والوں کی۔ اب تک ایمان اور امید یہ دو چیزیں انکی زندگی کا سہارا رہی ہیں۔ ایمان جو اپنے مقصد کو حق سمجھنے اور امید جو حق کے بالآخر غالب آنے پر کامل الیقین کا نتیجہ ہے۔ یہ دونوں چیزیں اب بھی ہیں اور جبتک قومی درسگاہیں قایم ہیں، رہینگی۔ لیکن انکا فایدہ اسیوقت تک ہے جبتک قومی درسگاہیں صرف بقائے حیات کیلئے دشواریوں کا مجہول مقابلہ کرتی رہیں۔ جبتک ان کا وجود رائج الوقت تعلیم کے خلاف محض ایک خاموش احتجاج ہو جیسا کہ ابتک رہا ہے لیکن فقط اتنا کافی نہیں۔ انہیں ملک کی تعلیمی مسئلہ کا حل بھی پیش کرنا ہے یہ اسیوقت ممکن ہے جب ملک قومی درسگاہوں کیطرف متوجہ ہو اور اس حقیقت کا اعتراف کرے کہ اس کی آزادی، ترقی، اور خوشحالی نوجوانوں کی پست اور غلامانہ ذہنیت کے بدلنے اور ان میں ہر طرح کے پبلک اور پرائیویٹ کاموں کو عمدگی اور ایمانداری سے انجام دینے کی صلاحیت کے پیدا ہونے پر منحصر ہے ◆

کینیڈا مین ابتدائی و اعلیٰ تعلیم

(از سید نصیر احمد صاحب متعلم جامعہ)

شمالی امریکہ کی دو بڑی قومین غلیوت جانے مین بہت سرگرمی کا اظہار کر رہی ہین، اور واقعی ہر ایک قوم کو ایسا کرنا بھی چاہیئے، اگر وہ دنیا مین زندہ رہنے کی خواہش مند ہے۔ دونون قومون مین ابتدائی و ثانوی تعلیم کیلئے درسگاہین اور یہ اس وقت قائم کی گئی تھین جبکہ آبادی کم اور لوگ غریب تھے، اب جبکہ ان کی دولت مین اضافہ ہوگیا ہے، شمالی امریکہ مین بہترین یونیورسٹیان قائم ہوگئی ہین،

ابتدائی مدارس

کینیڈا کے سوا اور کسی ملک نے لڑکون کی تعلیم کے لئے آزادانہ طور سے تدابیر نہین اختیار کی ہین بعض صوبون مین زمین کا یہ حصہ تعلیمی مقاصد کے لئے وقف ہے برٹش کولمبیا مین ۲۰۰۰ ایکڑ زمین ایک یونیورسٹی بنانے کے لئے دیگئی ہے، علاوہ ازین ہر ضلع کے باشندے تعلیم کے لئے ٹیکس ادا کرتے ہین،

کینیڈا مین ہر صوبہ کا نظام تعلیم الگ الگ ہے کیونکہ ہر صوبہ کے حالات ایکدوسرے سے مختلف ہین، مگر دو باتون مین سب صوبے مشترک ہین، ایک تو یہ کہ ابتدائی تعلیم مفت ہے، دوسرے حاضریون کی قید نہین ہے، اونٹیریو مین سب سے زیادہ اسکول ہین اور ان پر سب صوبون سے زیادہ رقم صرف کیجاتی ہے، گو ہر بچے پر اتنا نہین خرچ ہوتا ہے جتنا کہ مغربی صوبون مین ہوتا ہے،

بعض دیہاتون کے ابتدائی اسکول مین ثانوی اور کالج کی تعلیم تک کا انتظام ہے، کیونکہ ان دیہاتون کے نزدیک کوئی ایسا کالج یا اسکول نہین ہے جہان کر تعلیم دیجا سکے،

کوئیبک مین سب سے زیادہ اسکول اور مدارس ہین مگر ان پر اتنا روپیہ خرچ نہین ہوتا جتنا کہ اونٹیریو مین ہوتا ہے،

جزیرہ پرنس ایڈورڈ مین چونکہ کم آبادی ہے، لہذا اسکول مین بچون کی بھی تعداد کم ہے، کوئیبک، انٹیریو، البرٹا اور سسکیچوان (یہ سب صوبے ہین۔) مین رومن کیتھولک کے لئے علیحدہ اسکول ہین،

چند اسکول ایسے بھی ہین، جنکا انتظام گرجاؤن کے وقف سے ہوتا ہے اگر کوئی خاص ضرورت آپڑے تو گورنمنٹ بھی مدد دیتی ہے، کئی صوبون مین ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ وہ والدین جو اپنے لڑکون کو اسکول نہین بھیجنا چاہتے یا تو اسکولون کی مدد کرین یا بچون کو گرجاؤن کے اسکول مین بھیجین،

تعلیم کا انتظام،

ہر صوبے مین ایک شخص اسکولون کا نگران ہوتا ہے، جس کو وزیر تعلیم مہتمم تعلیم یا کوئی ایسے ہی نام سے پکارتے ہین، پارٹی بدلنے سے یہ بدل نہین جاتا بلکہ مستقلاً اپنے عہدہ پر رہتا ہے، اس کے ماتحت کئی نائب ہوتے ہین جو اسکولون کا معائنہ کرتے ہین اور مدرسون اور والدین کو مشورے اور ہدایات دیتے ہین، کوئیبک مین وزیر تعلیم کے دو نائب ہوتے ہین، ایک کیتھولک اسکولون کا اور دوسرا پروٹسٹنٹ اسکولون کا، چند صوبون مین افسر نگران سرکاری ہوتا ہے جو پارٹی کے بدلنے سے بدل جاتا ہے، علاوہ ازین ہر صوبے مین اسکولون کے انتظام کے لئے ایک بورڈ بھی ہوتا ہے،

ہائی اسکول

ابتدائی تعلیم کے اسکولون کے علاوہ ہائی اسکول اور کالیجیٹ انسٹیٹیوٹ بھی ہوتے ہین جن کی مدد باشندے کرتے ہین، اونٹیریو مین ہائی اسکولون کا بہترین انتظام ہے، لیکن دوسرے صوبے بھی ترقی کر رہے ہین، بعض ہائی اسکولون مین تعلیم مفت نہین ہوتی بلکہ بہت کم فیس لیجاتی ہے، اس کے علاوہ گرجاؤن کے اسکول اور پرائیویٹ اسکول ہین جن مین لڑکے یونیورسٹی کی تعلیم کے لئے طیار کئے جاتے ہین، مختلف صوبون مین نارمل اسکول ہین جنکی گورنمنٹ مدد کرتی ہے، تاکہ عورتون اور مردون کو معلمی کے لئے تیار کیا جائے کچھ یونیورسٹیون مین اس مقصد کیلئے علیحدہ انتظام بھی ہے،

کالج،

کینیڈا مین کالج کے وہ معنی نہین ہین جو ریاستہائے متحدہ امریکہ

ہیں ہیں، بلکہ کالج وہ ہے، جہاں لڑکے ہائی اسکولوں کا امتحان پاس کرکے داخل ہوتے ہیں، کالج کی تعلیم تین یا چار سال ہوتی ہے، اس کے بعد وہ لڑکے جو امتحان پاس کرلیتے ہیں انھیں ڈگری دیجاتی ہے، کالج کے لئے ضروری نہیں کہ وہ یونیورسٹی کا جزو ہو، بعض کالج ہیں جو یونیورسٹی کا جزو ہیں اور بعض ایسے ہیں جو یونیورسٹی سے ملحق ہیں، بعض کالجوں میں ڈگری نہیں ملتی بلکہ ان کو یونیورسٹی میں داخل کرلیا جاتا ہے، سب سے بہترین درسگاہ ہرنیڈ کالج کے نام سے ہے۔ جو ٹورنٹو میں ہے یہ بہت ہی مشہور ہے اور ریاستہائے متحدہ امریکہ تک کے لڑکے وہاں آتے ہیں، سنٹ کیتھرین میں بشپ رڈلے کالج نامی درسگاہ بھی بہت مشہور ہے بعض صوبوں میں زراعتی اور حرفتی کالج جداگانہ ہیں اور بعض صوبوں میں یونیورسٹی کا جزو ہیں، اس کے علاوہ ایسے کالج بھی ہیں جہاں خانہ داری سے متعلق تعلیم ہوتی ہے،

یونیورسٹیاں،

کینیڈا میں بیس یونیورسٹیاں ہیں مگر ان سب کو ہم یونیورسٹی نہیں کہہ سکتے کیونکہ بعض تو بالکل گمنام ہیں اور بعض کی عمارات تک نہیں ہیں، کینیڈا کے دولتمند یونیورسٹیوں کی بہت مدد کرتے ہیں، چھ صوبوں میں یعنی برٹش کولمبیا، اونٹیریو، سسکچوان، منیٹوبا، البرٹا اور برٹش کولمبیا میں صوبہ کی یونیورسٹیاں ہیں (جن کا دائرہ عمل صرف اپنے اپنے صوبہ کے اندر محدود ہے میکگل کی یونیورسٹی ایک دولتمند کی ممنون احسان ہے، باقی یونیورسٹیاں گرجوں کی نگرانی میں ہیں، کینیڈا کی مشہور یونیورسٹیوں میں رومن کیتھولک کی ایک یونیورسٹی (لاول کے نام سے) کیوبک میں ہے، جس کی ایک شاخ مونٹریل میں ہے دوسری کنگسٹن میں کوئنس کے نام سے) ہے ان سب میں بڑی اور مشہور ٹورنٹو کی یونیورسٹی ہے،

ان یونیورسٹیوں میں بڑے بڑے لائق اساتذہ پڑھاتے ہیں کچھ باہر سے پڑھ کر آتے ہیں، کچھ ریاستہائے متحدہ امریکہ سے اور کچھ کینیڈا کی یونیورسٹیوں نے پیدا کئے ہیں،

اُستاد یا معلم

دنیا کے بڑے بڑے ماہرین تعلیم نے استاد یا معلم کا مفہوم کیا لیا ہے :-

(۱) کامیاب زندگی اور بہترین دماغ کا پیدا کرنا استاد کا فرض ہے۔ (نفنرگ)

(۲) آئندہ نسلوں کی ترقی و تنزل کی باگ اساتذہ کے ہاتھ ہے (برین)

(۳) بچوں پر قابو پانے سے پہلے اپنے پر قابو پالو۔ (فرینک)

(۴) معلم افعال - اعمال - اقوال میں بہترین نمونہ ہو۔ (کمینی اس)

(۵) خواہ روحانی تعلیم ہو یا جسمانی خواہ اقتصادی ہو یا سیاسی، طرز تعلیم کیسی ہی ہو، نگرانی کیسی ہی اچھی ہو، لیکن استاد کی محنت اور انجام دہی فرائض منصبی کے بغیر سب کچھ ہیچ ہے۔ (ٹنڈل)

(۶) گویا استاد کا مرتبہ خدا سے دوسرے درجے پر ہے۔

(۷) تعلیم کا مقصد کتابوں کا رٹوانا نہیں ہے۔ بلکہ بنی نوع انسان کو کامیاب زندگی بسر کرنے کا طریقہ سکھانا ہے۔ انہیں معلوم ہو کہ جسمانی حفاظت کیسے ہوتی ہے۔ افعال و اعمال کیسے سدھارے جاتے ہیں۔ انفرادی زندگی بہترین کیسے گزرے۔ اجتماعی طور سے ہماری ہستی دوسروں کے لئے کس طرح مفید ہے۔ (ہربرٹ سپنسر)

(۸) تعلیم کا مقصد لوگوں کو صحیح اور درست افعال کا بتانا ہی نہیں ہے بلکہ یہ بتانا ہے کہ وہ اعمال حسنہ سے لذت حاصل کرسکیں صرف محنتی ہی نہ ہوں بلکہ محنت کے شیدائی ہوں۔ عالم ہی نہ ہوں بلکہ علم کے سودائی ہوں۔ نیک ہی نہ ہوں۔ بلکہ نیکی کے دلدادہ ہوں۔ منصف ہی نہ ہوں بلکہ انصاف پر فریفتہ ہوں۔ (رسکن)

معلم کا اصل نصب العین بچوں کی کلی تربیت ہے تعلیم اس کا ادنی سا جزو ہے (مقرنگ)

زندگی ایک کل ہے، تعلیم بھی اس کے مطابق ہو۔ (فروبل)

نیکی اور دانائی معلم کے زیور ہیں۔ (امان جی)

معلم کو مدرس کہنا گناہ ہے۔ اسے مالی کہا کریں۔ فروبل)

معلم وہ ہے جو متعلم کے مستقبل سے واقف ہو۔ (لاک)

جو بیدائش کے وقت نہیں ملتی۔ جوانی میں چاہئے تھی اور بڑھاپے میں کام آئے گی وہ تعلیم ہے جس کا ذمہ دار معلم ہے۔ (روسو)

مرہٹی ادبی کانفرنس

(از جناب معین الدین صاحب [illegible])

"مہاراشٹر ساہتیہ سمیلن" یعنی مرہٹی ادبی کانفرنس کا بارھواں اجلاس امسال مئی کے آخری ہفتے میں پونا میں منعقد ہوا تھا۔ اس اجلاس کے صدر مرہٹی کے ایک مشہور [illegible] ناولیس اور ادیب مسٹر [illegible] کرشن کیلکر تھے۔ مرہٹی ہندوستان کی دیسی زبانوں میں ایک ترقی یافتہ زبان ہے۔ اس کی وجہ [illegible] میں مرہٹی [illegible] یہ ایک ایسی خصوصیت ہے جو ہندوستان کی کسی دوسری زبان کو حاصل نہیں، اس ترقی کا اصلی راز مرہٹی زبان کے خادموں کی وہ ان تھک کوششیں اور بے لوث خدمات ہیں جن کا اظہار ادبی کانفرنسوں کی شکل میں وقتاً فوقتاً ہوتا رہتا ہے، مرہٹی کے مصنفین کو اپنی زبان کی اصلاح و ترقی کا ہر وقت جو خیال رہتا ہے، اس کا اندازہ مسٹر کیلکر کی صدارتی تقریر کے ان اقتباسات سے ہو سکے گا جن کا ترجمہ ہم ذیل میں درج کرتے ہیں ہمیں امید ہے کہ ہماری یہ کوشش ناظرین پیام تعلیم اور اردو کی خدمت میں جو مصروف کوشاں ہیں ان کی نظروں میں مستحسن ثابت ہوگی"

اس سے قبل کہ تقریر کے اقتباسات درج کئے جائیں بعض چیزوں کا سمجھ لینا ضروری ہے، جس سے تقریر کا مفہوم بہت زیادہ صاف ہو جائے گا، مرہٹی ادبی کانفرنس کے گذشتہ اجلاس منعقدہ [illegible] کے صدر مسٹر [illegible] کاشی ناتھ راجواڑے نے جو مشہور محقق تاریخ تھے جن کا بدقسمتی سے اسی سال انتقال ہوا اپنی تقریر میں مرہٹی کی موجودہ حالت کو دیکھکر یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ مرہٹی زبان بجائے ترقی کرنے کے روبہ تنزل ہے اور انگریزی الفاظ کے کثرت استعمال کی رفتار یہی رہی تو بہت جلد وہ زمانہ آئیگا جب خالص مرہٹی زبان کا وجود بھی باقی نہ رہے گا، ممکن ہے راجواڑے نے اس خطرہ کا بہت ہی زوردار الفاظ میں محض اس وجہ سے اظہار کیا ہو کہ مرہٹی کے مصنفین اپنی زبان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں، مسٹر کیلکر نے اپنی تقریر میں اس خیال کی مخالفت کی ہے، اور دلائل کے ساتھ یہ ثابت کیا ہے کہ مرہٹی زبان روبہ تنزل نہیں ہے بلکہ روز افزوں ترقی کر رہی ہے، ایک طرف اگر راجواڑے اور ان کی ہمخیال جماعتیں ہیں جنھیں مرہٹی کا مستقبل بہت تاریک نظر آرہا ہے تو دوسری جانب ایک ایسی جماعت ہے جس کا خیال ہے کہ مرہٹی زبان پوری ترقی پر ہے، اور اس کا ادب اتنا ہی ترقی پا گیا ہے جتنا انگریزی یا دوسری زبانوں کا، مسٹر کیلکر نے اس ثانی الذکر جماعت کے خیال کی بھی تردید کی ہے، اور بتایا ہے کہ مرہٹی زبان اپنا عہد طفلی ابھی ختم کر کے شباب کے میدان میں قدم رکھا ہے، اور اس کو پورا عروج حاصل ہونے کے لئے ابھی بہت [illegible] محنت کی ضرورت ہے،

مرہٹی زبان کے روبہ ترقی یا روبہ تنزل ہونے کے اس خیال کے علاوہ اس کی اصلاح کے لئے جو لوگ کوشاں ہیں ان میں بھی اختلاف ہے، ہندوستان کی دوسری زبانوں کی طرح مرہٹی کی بھی مختلف زبانوں کے الفاظ سے تعمیر ہوئی ہے، راجواڑے کا خیال تھا کہ انگریزی الفاظ کو حتی الامکان مرہٹی سے خارج کرنا چاہئے اس خیال میں اکثر لوگ ان کے ہمخیال ہیں لیکن ایک دوسری جماعت ہے جو صرف انگریزی الفاظ ہی خارج کرنے پر خاموش رہنا نہیں چاہتی بلکہ فارسی اور عربی الفاظ کے ساتھ بھی وہی سلوک کرنا چاہتی ہے، مسٹر کیلکر نے اس خیال کی بھی سختی سے مخالفت کی ہے، جیسا کہ ان کی تقریر سے واضح ہوگا، ان کی تقریر کے اقتباسات سے یہ بھی واضح ہوگا کہ انھوں نے مرہٹی کے متعلق جو خیالات ظاہر کئے ہیں وہ بڑی حد تک ہندوستان کی دوسری زبانوں پر بھی صادق آتے ہیں، اور اسی خیال سے ہم ان کو اردو داں طبقے کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

انگریزی الفاظ کی کثرت اور اس کا اثر زبان پر

"ہندوستان میں جب انگریزوں کی حکومت قائم ہوئی تو انھیں ایسے لوگوں کی ضرورت پیش آئی جو انگریزی زبان سے واقف ہوں چنانچہ حکومت کی ترغیب اور کوشش سے انگریزی داں طبقہ پیدا ہوا، انگریزی سے معمولی واقفیت رکھنے والے بڑی بڑی تنخواہیں پانے لگے، ادھر لارڈ میکالے کی تحریک سے جب مغربی تعلیم کو ہندوستان میں رواج دینے کا فیصلہ ہوا تو ذریعہ تعلیم انگریزی ہی قرار پائی اور اس وجہ سے انگریزی کی ترویج اور زیادہ ہوگئی، انگریزی چوتھے درجہ سے (جو شمالی ہند میں درجہ ششم کے برابر ہے) ہر مضمون کی تعلیم انگریزی میں دیجانے لگی، ان مضامین کی جو کتابیں پڑھائی جاتی تھیں ان کی زبان

سمجھنا طلبہ کے لئے بہت دشوار ہوتا تھا، اس لئے لامحالہ ان کی تشریح مرہٹی میں کی جاتی تھی، لیکن باوجود اس کے طلبہ نفس مضمون سے کماحقہٗ آگاہ نہیں ہوتے تھے، اور سارا بار حافظے پر پڑتا تھا چونکہ امتحان میں جواب انگریزی میں دینا ہوتا تھا، اس لئے طلبہ انگریزی الفاظ ہی رٹتے تھے، انھی الفاظ کو یاد رکھنے کی خاطر روزمرہ کی بول چال میں بھی ان کا استعمال ہونے لگا، اور اس طرح ہماری گفتگو میں کثرت سے انگریزی الفاظ داخل ہو گئے۔ اب اگر پورے جملے میں ایک یا دو ہی انگریزی لفظ ہوں تو اس سے اپنی انگریزی دانی کا کافی اظہار نہیں ہوتا، اس خیال سے الفاظ کا استعمال بکثرت کیا جانے لگا، رفتہ رفتہ یہ حالت ہوئی کہ پورے جملے میں فعل و فاعل کے علاوہ باقی تمام الفاظ انگریزی نظر آنے لگے، اور اب ہماری روزمرہ کی گفتگو کا جو معجون مرکب بنا ہے اس کے متعلق تو یہ کہنا بھی دشوار ہے کہ آیا وہ انگریزی سے مخلوط مرہٹی ہوتی ہے یا مرہٹی سے مخلوط انگریزی۔

مرہٹی کی ترقی میں رکاوٹیں

حکومت اور یونیورسٹی نے ذریعہ تعلیم انگریزی کو قرار دیکر ہماری راہ میں جو رکاوٹیں پیدا کی ہیں انھی کے ساتھ ساتھ دوسرے سیاسی اسباب بھی ہماری زبان کی ترقی میں مانع ہوئے۔ ملک کی قومی جماعت یعنی کانگریس کا مقصد ہندوستان میں سیاسی بیداری پیدا کرکے اس بیداری کے اثر سے حکومت پر زور ڈال کر سیاسی حقوق حاصل کرنا تھا، ہندوستان کے مختلف صوبوں میں چونکہ مختلف زبانیں رائج ہیں اس لئے کانگریس کوئی ایک دیسی زبان اختیار نہیں کر سکتی تھی، مجبوراً اسے انگریزی جو ملک کے ہر حصے میں تعلیم یافتہ طبقہ سمجھ سکتا تھا اختیار کرنا پڑی، کانگریس کے ساتھ جو دوسری کانفرنسیں ہوا کرتی تھیں انھوں نے بھی اپنے اظہار خیال کا ذریعہ انگریزی ہی کو بنایا، ہمارے لیڈر جب قانون ساز مجالس میں حصہ لیتے تھے تو وہاں بھی بحث مباحثہ انگریزی ہی میں ہوتا تھا، انگریزی کو اس طریقے پر جو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوئی اس نے ہماری دیسی زبانوں کو سخت نقصان پہنچایا، کانگریس کا تعلق تو پھر بھی ہندوستان تک محدود تھا، لیکن علم کا تعلق تو کسی طرح محدود نہیں ہو سکتا، علم کی اہمیت اور انگریزی زبان کی عالمگیر وسعت کی وجہ سے اس زمانہ میں یہ

خیال عام ہو گیا ہے کہ ایسی تصانیف جو دنیا کے علم میں اضافے کا باعث ہو سکیں انکی زبان انگریزی ہی ہونا چاہئے چنانچہ انیسویں صدی کے نصف آخر میں ہمارے شعرا میں جو قابل ذکر تصانیف ہوئیں انکی زبان انگریزی ہی تھی مثلاً رانڈے کی

تیلنگ کی

بھانڈارکر کی

اور تلک کی

وغیرہ وغیرہ، ان مصنفین کے مرہٹی میں نہ لکھنے کی ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ انکی مرہٹی زبان سے واقفیت بہت زیادہ نہیں ہوگی لیکن اصلی وجہ یہ تھی کہ اس وقت ہماری قوم ان تصانیف کے سمجھنے کے قابل بھی نہ تھی، اور ان تصانیف کی انگریزی دان طبقے نے جو قدر کی وہ قدر مرہٹی دان طبقہ کبھی نہ کرتا، تاہم اگر یہ تصانیف اصل میں مرہٹی ہی میں ہوتیں تو ان کی وجہ سے مرہٹی زبان کو جو فائدہ پہونچتا وہ اس عارضی قدردانی یا ناقدری سے کہیں بڑھ کر ہوتا۔

اس ابتدائی عہد کے مرہٹی اخبارات و رسائل کا معیار بھی بہت پست تھا اور اسی وجہ سے تعلیم یافتہ طبقہ انگریزی کے مقابلے میں مرہٹی اخبارات و رسائل کی بہت کم قدر کرتا تھا۔ انگریزی کے اس وسیع مطالعہ کا اثر زبان پر پڑنا ناگزیر تھا۔

انگریزی کا اثر بڑھنے کی ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ انگریزی حکومت کے قیام کے ساتھ ساتھ بعض ایسی چیزیں ہمارے زیر استعمال آگئیں جن کے لئے ہماری زبان میں الفاظ نہ تھے، لامحالہ ایسے الفاظ انگریزی ہی سے لیکر انھیں اپنی زبان میں رواج دینے پر ہم مجبور ہوئے مثلاً اسٹیشن، بریک، گارڈ، ٹکٹ، نمبر، ڈاکٹر، فیس، پولس، کورٹ، اپیل، گودام، گٹر، کرکٹ، ہاکی، ٹینس، سرکس، وسکٹ، کوٹ وغیرہ اسی قسم کے الفاظ ہیں، انگریزی کے ان الفاظ کا اثر ہمارے تلفظ پر بھی پڑا۔

انگریزی الفاظ کا اثر تحریر پر

گفتگو میں تو پھر بھی مرہٹی الفاظ کے استعمال کی تھوڑی بہت گنجائش باقی تھی لیکن جب تحریر کا موقع آنے لگا تو ہم مرہٹی کی بجائے انگریزی ہی کو ترجیح دینے لگے، چنانچہ اس ابتدائی عہد میں ہماری آپس کی خط و کتابت زیادہ تر انگریزی میں ہونے لگی، اس کی وجہ وہی انگریزی زبان پر ملکہ حاصل کرنے کی خواہش تھی۔ راجواڑے نے مرہٹی زبان کے متعلق اپنے خیال کی بنیاد صرف علم

گفتگو اور خط وکتابت ہی کو دیکھ کر قائم کی تھی، انھون نے مرہٹی تصانیف پر نظر نہین ڈالی تصنیف کے وقت مصنف کو الفاظ کے تلاش کا کافی موقع رہتا ہے جو گفتگو اور خطوط نویسی کے وقت مفقود ہوتا ہے اسی لئے اکثر تصانیف کی زبان بڑی حد تک خالص ہوتی ہے، علمی اصطلاحات گو اب بن رہی ہین پھر بھی ان کی عدم موجودگی مین انگریزی اصطلاحات کا استعمال کرتے ہین، اس قابل معافی فروگذاشت کو اگر نظر انداز کر دیا جائے تو ہمین یہ ماننا ہوگا کہ مرہٹی مصنفین نے بڑی حد تک اپنی زبان کو انگریزی کے اثر سے محفوظ رکھا ہے اور اس لئے وہ مستحق مبارکباد ہین،

کیا مرہٹی زبان روبہ تنزل ہے؟

کسی زبان کے زندہ یا مردہ ہونیکا فیصلہ مندرجہ ذیل باتون کو پیش نظر رکھکر عام طور پر کیا جاتا ہے،

(۱) زبان بولنے والون کی تعداد،

(۲) زبان مین خط وکتابت کرنے والون کی تعداد،

(۳) اس زبان کی تصانیف کی تعداد،

(۴) ان تصانیف کی زبان کی حالت،

(۵) زبان اور اس کے ادب کا اثر عوام پر اور عوام کا اس کے متعلق خیال،

ان حیثیات سے مرہٹی کی موجودہ حالت حسب ذیل ہے،

(۱) انگریزی الفاظ کا بکثرت استعمال وہی لوگ کرتے ہین جنھون نے انگریزی تعلیم پائی ہے، ایسے لوگون کی تعداد بہت محدود ہے، عورتون مین تعلیم کم ہونیکی وجہ سے اور اگر ہے بھی تو صرف مرہٹی کی تعلیم ہونے کی وجہ سے ان کی زبان خالص مرہٹی ہے، اس حیثیت سے ہمین ماننا ہوگا کہ جہان تعلیم نسوان کی کمی سے ہمارا بہت نقصان ہو رہا ہے، وہان ایک فائدہ ضرور ہوا اور وہ ہماری زبان کی حفاظت ہے، جو لوگ انگریزی الفاظ کا بکثرت استعمال کرتے ہین ان کی زبان بھی مرہٹی ہی ہوتی ہے، صرف بعض الفاظ انگریزی ہوتے ہین، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ اپنی ثانوی اور اعلی تعلیم انگریزی مین پاتے ہین، آئندہ جب ذریعہ تعلیم مرہٹی قرار پائیگا تو یہ نقص رفتہ رفتہ دور ہونے کی امید ہے، آج بھی ہم مین بعض مقرر ایسے ہین جو اپنی پوری پوری تقریر مین ایک بھی انگریزی لفظ نہین بولتے،

(۲) خوش قسمتی سے میرا ذاتی تجربہ ہے کہ لوگون مین مرہٹی ہی مین خط وکتابت کرنے کا شوق بڑھ رہا ہے، کسی غیر زبان پر کتنی ہی قدرت کیون نہ حاصل ہو، جب انسان اپنے دلی جذبات کا اظہار کرنا چاہتا ہے تو اپنی مادری زبان ہی کیطرف متوجہ ہوتا ہے، اس کی ایک تازہ مثال ہمارے مشہور مورخ سر جدو ناتھ سرکار کے اکلوتے بیٹے کا وہ آخری خط ہے جو اس نے جرمنی سے اپنے والدین کو اس وقت لکھا تھا جبکہ وہ بستر مرگ پر پڑا ہوا تھا، شاید ہی کوئی سنگدل شخص ہوگا جس کی آنکھون سے یہ خط پڑھنے کے بعد آنسو نہ جاری ہوتے ہون

(۳) مرہٹی تصانیف کی تعداد روز بروز بڑھ رہی ہے، اور یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ تصانیف ابتدائی عہد کی تصانیف سے کہین زیادہ بلند پایہ ہوتی ہین، جیسا کہ مین اس سے قبل کہہ چکا ہون گذشتہ صدی مین قابل لوگ انگریزی تصانیف کی طرف متوجہ تھے، لیکن اب مرہٹی کا شوق بڑھ رہا ہے اور آئے دن نئی نئی اور بلند پایہ کتابین شائع ہونے لگی ہین،

(۴) تصانیف کی زبان کے لحاظ سے بھی زندہ اور مردہ زبانون مین بڑا فرق ہوتا ہے، ہندوستان کے مختلف صوبون کی کوئی مشترکہ زبان نہین ہے، حالانکہ تبادلہ خیالات کے لئے اس قسم کی ایک زبان ہونا ضروری ہے، آجکل یہ کام انگریزی سے لیا جاتا ہے، اس سے قبل یہی کام سنسکرت سے لیا جاتا تھا، لیکن اس طرح کی مشترکہ زبان صرف تبادلہ خیالات کے لئے مفید ہو سکتی ہے، دوسری زبان والے اس زبان کے ادب لطیف مین کسی قسم کا اضافہ کرنے سے قاصر ہین، چنانچہ یہی حال ہمارے ان مصنفین کا ہوا جنھون نے ابتداءً اپنی توجہ انگریزی کی طرف مبذول کی، لیکن جب انھی لوگون نے مرہٹی مین کچھ لکھا تو اپنا خاص طرز تحریر ایجاد کیا چنانچہ اب ہر لحاظ سے ہماری زبان مین قابل قدر اضافہ ہوا ہے اور ہو رہا ہے،

(۵) مرہٹی زبان کے ڈرامون، مجھنون اور پرانون کا عوام پر جو اثر ہے اس کے بیان کرنے کی چندان ضرورت نہین ہے، اس سے قبل تعلیم یافتہ طبقہ ان چیزون سے اپنی دلچسپی کا اظہار نہین کرتا تھا، لیکن اب حالت بدل رہی ہے، اور تعلیم یافتہ طبقے مین اپنی مادری زبان کی محبت بڑھتی جا رہی ہے، ان امور کو پیش نظر رکھکر یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ ہماری زبان روبہ تنزل ہے،

«باقی، باقی»

محاسن اسلام

(از مولوی سعید انصاری صاحب ندوی، استاد جامعہ)

زکوٰۃ

اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ

نماز قایم کرو۔ اور زکوٰۃ ادا کرو۔

زکوٰۃ ایک قسم کا اسلامی ٹیکس ہے جو امیروں سے وصول کرکے غریبوں کی امداد و اعانت میں صرف کیا جاتا ہے۔

جس طرح نماز کے ذریعہ انسان کے قلب میں اللہ تعالیٰ کی محبت و عظمت سے ایک ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے جو اس کو ہر گھڑی اپنے تمام اعمال و اخلاق میں اس کی خوشنودی پر آمادہ کرتی ہے۔ اسی طرح زکوٰۃ ایک ایسا اسلامی فرض ہے جو اللہ عزوجل کے حکم سے اس کے تمام نام لیوا بندوں میں محبت و اخوت کا ایک ایسا مضبوط اور نہ ٹوٹنے والا رشتہ قایم کر دیتا ہے، جو عملی طور پر ان کی روحانی و جسمانی تمام ترقیوں کا سرچشمہ ہوتا ہے۔ اس امر سے کسی عقلمند کو انکار نہیں ہو سکتا کہ انسانوں کی کوئی جماعت بغیر باہمی امداد و اعانت کے دنیا میں کسی قسم کا رتبہ و شرف حاصل نہیں کر سکتی۔ کسی قوم کی تباہی و زوال کی سب سے بڑی علامت یہ ہے کہ اجتماعی فلاح کے بجائے اس کے افراد میں خود غرضی اور ذاتی کامیابی کے آثار ظاہر ہونے لگیں۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے تمام مصلحین اور تمام مذاہب نے باہم ہمدردی اور بھائی چارہ کا زیادہ سے زیادہ پرچار کیا ہے، لیکن افسوس یہ ہے کہ یہ پرچار زبانی وعظ و نصیحت سے کبھی آگے نہ بڑھا۔ اسلام کے قربان جاؤ! جس نے اس مسئلہ کی اہمیت کا پورا پورا اندازہ کر کر صرف زبانی ترغیب و تحریص پر بس نہیں کیا بلکہ امت اسلامیہ پر اس فرض کو قانون کی صورت میں اس طرح عائد کیا ہے کہ جب تک کوئی شخص اسلام کا حلقہ بگوش ہے ذرہ برابر اس کی ادائگی میں کوتاہی نہیں کر سکتا۔ زکوٰۃ ان ارکان خمسہ میں ہے جن پر درحقیقت عمارت اسلام کی بنیاد ہے، آنحضرت صلعم فرماتے ہیں بُنِیَ الاسلام علیٰ خمس شہادۃ ان لا الٰہ الا اللہ + اسلام کی بنیاد پانچ باتوں پر و ان محمداً عبدہ و رسولہ و اقام الصلوٰۃ و ایتاء الزکوٰۃ ہے، اس بات کی گواہی دینا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمدؐ اس کے بندے اور ایلچی ہیں، نماز قایم کرنا اور زکوٰۃ ادا کرنا۔ قرآن کریم میں جہاں جہاں نماز کا ذکر ہے، اس کے بعد فوراً ہی زکوٰۃ کا بھی ذکر ہے، اور کہیں تو مقدم بھی کر دیا ہے تاکہ اس فرض کی اہمیت اور فضیلت بخوبی مسلمانوں پر روشن ہو جائے۔

اس ٹیکس کی مقدار بھی اسلام نے اتنی مقرر کی ہے کہ جسے اپنی قومی فلاح و بہبود میں معمولی دلچسپی بھی ہے، اس کی طبیعت پر وہ کبھی بار گراں نہیں ہو سکتا۔ نقد مال میں ضروری مصارف کے بعد جو رقم پس انداز ہو کر سال بھر تک جمع رہے، اس کا صرف چالیسواں حصہ سال میں ایک بار واجب الادا ہوتا ہے۔ یہ معمولی رقم جسکو ہر دولتمند بآسانی ادا کر سکتا ہے، اگر پابندی سے ہر سال ادا کرتا رہے تو آج مسلمانوں کے تمام بگڑے ہوئے کام سدھر جائیں۔ سیاسی و تمدنی ضرورتوں کو جانے دیجئے، مسلمانوں کی بیشتر تعداد اسوقت جس افلاس و گداگری میں مبتلا ہے اور جس کی وجہ سے طرح طرح کی اخلاقی خرابیاں ان میں پیدا ہوتی ہیں وہ محتاج بیان نہیں۔ دیہاتوں، قصبوں، اور شہروں میں کونسا ایسا محلہ کوچہ ہے جہاں کچھ مصیبت کے مارے در در ٹھوکریں نہیں کھاتے ہیں۔ کیا اپنے بھائیوں کی اس حالت زار پر ہمارا دل کبھی پسیجتا نہیں؟ کیا مسلسل خود غرضی نے ہمارے دلوں کو بالکل پتھر بنا دیا ہے؟ کیا ہمارے ہر مالدار کو یہ یقین ہے کہ اس کی دولت ہمیشہ اس کے ساتھ رہے گی؟ کیا عیش و عشرت کے خمار میں ہمارے امراء اس حقیقت کو بھول گئے ہیں کہ ان کی یہ فارغ البالی اسوقت تک باعزت اور پایندار نہیں ہو سکتی جب تک کہ مجموعی حیثیت سے ملت اسلامیہ کو کافی قوت و استحکام حاصل نہ ہو۔ یہی وہ عام تباہی ہے جس کی طرف ہم آپ سب آپ بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ قرآن حکیم میں اللہ عزوجل فرماتا ہے :۔

یَا اَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اَنْفِقُوا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ	اے ایمان والو! اللہ کی راہ میں خرچ کرو
وَلَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّہْلُکَۃِ ۵	اور اپنے ہاتھوں کو ہلاکت میں نہ ڈالو۔

ایک اور مقام پر کس طرح اللہ تعالیٰ مال جمع کرنے والوں کو ڈراتا ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَکْنِزُوْنَ الذَّہَبَ وَالْفِضَّۃَ	جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے رہتے ہیں
وَلَا یُنْفِقُوْنَہَا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَبَشِّرْہُمْ	اور اسکو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے
بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ط	ان کو دردناک عذاب کی خوشخبری دیدو۔

زکوٰۃ کے بہترین مصارف جو اسلام نے قرار دیئے ہیں وہ قرآن کریم کے الفاظ میں یہ ہیں

اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسَاکِیْنَ	صدقات فقراء کیلئے ہیں مساکین کیلئے ہیں

وَالْعَامِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ

زکوٰۃ کے کارندوں کے لئے ہیں (نو مسلموں) کی تالیف قلب کے لئے ہیں۔ غلام آزاد کرنے کے لئے ہیں۔ قرضداروں کے لئے ہیں۔ اللہ کے راستہ کے لئے ہیں، اور (حاجتمند) مسافروں کے لئے ہیں۔

زکوٰۃ کے یہ مصارف کسقدر اہم اور قابل تعریف ہیں، اگر یہ جملہ مصارف آج اسی نظم و اہتمام کے ساتھ جس کو تیرہ سو برس پیشتر مسلمانوں نے بیت المال کی صورت میں قائم کیا تھا، ادا کئے جائیں تو مسلمانوں کے تمام وہ قومی و ملی کام سدھر جائیں جو چندے کی کس مپرسی میں دم توڑتے رہتے ہیں، نیز ان مصارف میں فی سبیل اللہ سے علمائے اسلام نے صرف جہاد ہی نہیں مراد لیا ہے، بلکہ امت اسلامیہ کے تمام وہ مذہبی و اصلاحی کام جو مجموعی حیثیت سے اس کی تقویت کا باعث ہیں مراد لیا ہے۔ حضرت عمر فاروقؓ کا مبارک عہد اس خیال کی عملی تفسیر ہے، آپ کے عہد خلافت میں بیت المال سے وہی کام لیا جاتا تھا جو آج کل کسی ترقی یافتہ قوم کے قومی و ملکی خزانوں سے لیا جاتا ہے، جنگی سامان و اسلحہ کے علاوہ تعلیم، اصلاح اور رفاہ عام کے تمام کاموں میں بیت المال سے خرچ کیا جاتا تھا ✤

اسلام نے اس مقررہ ٹیکس کے علاوہ بھی نیک کاموں میں فیاضی و سخاوت کی جسقدر اعلیٰ ترغیب دی ہے، شاید ہی کسی مذہب نے دی ہو، اللہ تعالےٰ فرماتا ہے۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ تم ہرگز بھلائی نہیں حاصل کر سکتے تاوقتیکہ اپنی محبوب چیزیں نہ خرچ کرو۔

ہم نے جہالت و نادانی سے اپنے اس امتیاز وسعت کو بالکل پامال کر دیا ہے لیکن زمانہ گواہ ہے کہ آج وہی قومیں زندہ اور ترقی یافتہ ہیں، جن میں باہم قومی امداد و اعانت کا کوئی باضابطہ نظام موجود ہے۔ اگر اس بیداری کے زمانہ میں بھی ہم اپنی میٹھی نیند سے نہ چونکے، تو وہ زمانہ یقیناً بہت دور نہیں ہے جب مسلمانوں کا قومی وجود بالکل ہی دنیا سے نیست و نابود ہو جائے گا۔ درخت کی زندگی و بہار اسی وقت تک ہے جب تک اس کی جڑیں، شاخیں اور پتے سب شاداب ہوں۔ اگر ان میں کوئی ایک بھی مرجھا جائے تو سمجھ لینا چاہئے کہ دیر یا سویر ایک دن وہ درخت بھی کل کا کل سوکھ کر رہ جائے گا،

میرے پیارے عزیزو! اگر تمہارے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کا سچا درد ہے، تو جامعہ کی اس تعلیم و تربیت سے فارغ ہونے کے بعد تمہارا سب سے پہلا اور اہم فرض یہ ہے کہ اسلام کی کھوئی عظمت کو ان کے بتائے ہوئے طریقوں سے تلاش کرو اور مسلمانوں کی موجودہ رسوائی کو جلد سے جلد دور کرو، قوم کی تمام امیدیں اب صرف تمہیں سے وابستہ ہیں ✤

کوائف جامعہ

(ہمارے کوائف نگار خصوصی کے قلم سے)

ڈھائی ماہ کی تعطیلات کے بعد یکم اگست کو جامعہ دوبارہ کھل گئی۔ نئے طلبہ اس سال کثرت سے آرہے ہیں اس لئے دارالاقاموں کی تعداد میں بھی اضافہ کرنا پڑا۔ اس سال دو نئی کوٹھیاں اسی مقصد سے لی گئی ہیں۔ گذشتہ سال جن کمروں میں تعلیم ہوتی تھی اب وہ طلبہ کی زیادتی کی وجہ سے ناکافی معلوم ہوئیں۔ اور اسلئے جامعہ کی ایک قریبی کوٹھی میں مدرسہ کی بعض جماعتیں منتقل کر دی گئی ہیں۔ طلبہ کی تعداد میں اضافہ جامعہ کی روز افزوں ہر دلعزیزی کا بین ثبوت ہے۔

✤
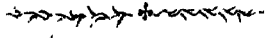
چھٹیوں میں جامعہ کا مدرسہ شبینہ برابر جاری رہا اور طلبہ کی تعداد میں حیرت انگیز ترقی ہوئی۔ چھٹیوں سے پہلے حاضری پچاس سے کم تھی اور اب ماشاء اللہ ڈیڑھ سو کے قریب ہوتی ہے۔ اس ترقی میں مدرسہ کے صدر مدرس اور ان سب مددگاروں کا بڑا حصہ ہے جنہوں نے خود قرولباغ اور قریبی محلوں کا دورہ کر کے لوگوں کو تعلیم کی طرف توجہ دلائی ✤

✤
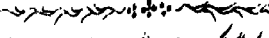
عرصہ سے جامعہ کے لوگوں کی خواہش تھی کہ دولی بھٹیاری (جو غالباً ابو علی بختیاری کی مسخ شدہ صورت ہے) کے تالاب میں نہانے کی اجازت حاصل کریں۔ تعطیلات میں جو طلبہ یہاں تھے انہوں نے کافی تعداد میں اجازت نامے حاصل کر لئے۔ اور ایک وقت تقریباً پندرہ طلبہ تالاب میں نہا سکتے ہیں۔ یہ تالاب نہ صرف دہلی بلکہ قرب و جوار میں بھی اپنی قسم کا ایک ہے

✤

۵؍ اگست کی شام کو مولینا محمد علی مدظلہٗ جامعہ میں تشریف لائے اور طلبہ کیساتھ تالاب نہانے کو تشریف لیگئے۔ شیخ الجامعہ اور خواجہ عبدالحیٔ صاحب مولانا کیساتھ تھے۔ مولانا سب طلبہ اور خصوصاً چھوٹے بچوں کو تیرتے ہوئے دیکھکر بہت خوش ہوئے۔ آپنے آئندہ جمعہ کو طلبہ کیساتھ اوکھلا پر جانے کا وعدہ بھی فرمایا۔

✤

تعطیلات کلاں میں شیخ الجامعہ صاحب نے ڈاکٹر عبدالرحمن صاحب اور میر انوار احمد صاحب کی معیت میں دہلی کے رؤسا اور تجار کے پاس جا کر جامعہ کیلئے ماہانہ امداد کی تحریک کی اور بفضلہ اسمیں کامیابی بھی ہوئی۔ لیکن جامعہ کا حق دہلی پر سب شہروں سے زیادہ ہے، امید ہے دہلی والے اسے اپنی درسگاہ سمجھکر مزید مالی امداد کی طرف توجہ فرمائیں گے ✤

بچوں کا صفحہ

معمّوں کا حل

(از حافظ عابد علی صاحب متعلم جامعہ)

(۱)

محمود جزیرہ پر اس طرح گیا ہوگا کہ اُسنے دو تختوں میں سے ایک تختہ تو جھیل کے اس کنارہ پر آڑا آڑا رکھ دیا ہوگا جہاں پر کہ مربع جھیل کے دو متصلہ ضلعے ایک دوسرے سے مل کر زاویہ قائمہ بناتے ہیں۔ اس کے بعد دوسرا تختہ پہلے تختہ پر سیدھا سیدھا رکھکر جزیرہ کی اس نوک پر رکھدیا ہوگا جہاں جزیرہ کے مربع کے دو متصلہ اضلاع آپس میں مل کر زاویہ قائمہ بناتے ہیں۔ ملاحظہ ہو نقشہ ذیل:-

(۲)

اس شخص کی عبارت کو بدل کر اس طرح پڑھی جا سکتی ہے "میرے بھائی بہن کوئی نہیں۔ لیکن میرے باپ کا بیٹا (یعنی میں خود) اس آدمی کا باپ ہے" اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ آئینہ والا عکس اس شخص کے لڑکے کا عکس ہوگا۔

(۳)

حامد کا جواب غلط ہے۔ اس لئے کہ پہلے ۶ بجنے میں ۳۰ سکنڈ تو ضرور لگے مگر در اصل یہ ۳۰ سکنڈ گھنٹہ کی ۵ چوٹوں کے درمیان کا وقفہ تھے۔ کیونکہ ۶ بجنے کے دوران میں شروع کے پہلے گھنٹہ کے بجنے میں کوئی وقفہ نہ ہوگا اسلئے پہلے ۶ بجنے میں تو ۵ وقفے ہونگے اور دوسرے یعنی آخر کے ۱۲ بجنے میں ۱۱ وقفے ہونگے، اس طرح پر ۱۲ بجنے میں ۱۱ وقفے ہونگے اب چونکہ پہلے ۵ دفعوں میں ۳۰ سکنڈ لگے۔ اسلئے ہر دفعہ میں $\frac{30}{5}$ یعنی ۶ سکنڈ لگیں گے۔ اس لئے کل ۱۱ دفعوں میں یعنی ۱۲ بجنے میں (۶ × ۱۱) ۶۶ سکنڈ لگیں گے۔

(۴)

اس معمے کی عبارت صحیح جواب کی طرف بہت غلط رہنمائی کرتی ہے۔ معلوم یہ ہوتا ہے کہ وہ دونوں بھیڑیں کھیت میں اپنے چہروں کو آمنے سامنے کئے کھڑی ہوں گی۔ اس طرح پر کہ شمال کی طرف کھڑی ہونے والی بھیڑ کا چہرہ جنوب کی طرف ہوگا۔ اور جنوب کی جانب کھڑی ہونے والی بھیڑ کا چہرہ شمال کی طرف ہوگا۔ پس ظاہر ہے کہ ایسی ہی صورت میں وہ بلا مڑے ایک دوسرے کو دیکھ سکتی ہیں۔ ورنہ نہیں۔

(۵)

اختر نے صحیح راستہ کا پتہ اس طرح چلایا ہوگا کہ اُسنے گرے ہوئے کھمبے پر اپنے گھر کے گاؤں کا نام اور سمت دیکھ لی ہوگی۔ پھر اُسنے اسی کھمبے پر اپنے عزیز کے مکان کی طرف جانے والے راستہ کا نام (جو پہلے سے اُسے معلوم ہے) دیکھا ہوگا۔ اس طرح پر اسنے اپنے گھر سے آنے والے راستہ کو ایک مستقل چیز (بلحاظ سمت) بنا کر کھمبے کی راستہ بتانے والی مختلف تختیوں میں سے اپنے عزیز کے مکان کی طرف جانے والی سڑک کا پتہ بھی چلا لیا ہوگا۔ اور یہ کوئی مشکل بات نہیں ہے۔ فرض کیجئے کہ وہ شمال کی طرف سے آرہا تھا۔ یعنی اسکے مکان کی سڑک شمال کیجانب جارہی تھی۔ تو اُس نے کھمبے پر کے اس تختہ کو جو اس کے گھر کا راستہ بتلانے والی تختی پہلی تختی سے بلحاظ سمت بالکل مخالف تھی۔ یعنی پہلی تختی اگر شمال کی طرف رہنمائی کر رہی تھی تو دوسری تختی جنوب کی طرف۔ پس اس نے غور کر کے جنوب کی جانب جانے والی سڑک پر چلنا شروع کر دیا ہوگا۔

(۶)

مینڈک ۳ فٹ روزانہ چڑھ کر ۲ فٹ نیچے گر جاتا تھا، یعنی وہ ایک فٹ روزانہ چڑھتا تھا۔ اسلئے ۳۰ دن میں وہ ۳۰ فٹ چڑھ جاتا۔ مگر کنوئیں کی شکل اور مینڈک کے چڑھنے کے عمل کو خیال کرتے ہوئے یہ جواب غلط ہے۔ صحیح جواب یہ ہو سکتا ہے کہ وہ ۲۷ دن میں ۲۷ فٹ چڑھا ہوگا ۲۸ ویں دن ۳ فٹ اوپر چڑھکر ۲ فٹ نیچے نہ گرا ہوگا کیونکہ ۳۰ فٹ کے بعد

معموں کے لئے ملاحظہ ہو "پیام تعلیم" جلد ۲ نمبر ۳ صفحہ ۵۔

کنویں کی منڈیر پر اٹکی ہوگی اور اس طرح وہ گرنے سے بچ گیا ہوگا۔ اسلئے اس کو اوپر آنے میں کل ۲۸ دن لگے +

(۷)

جس عرصہ میں خرگوش ۳ مرتبہ کودتا ہے اس عرصہ میں شکاری کتا ۲ مرتبہ کودتا ہے یا دوسرے الفاظ میں (دونوں جانوروں کی مذکورہ چھلانگوں کو ۳ سے ضرب دے کر) جتنی دیر میں خرگوش ۹ مرتبہ کودتا ہے اتنی دیر میں شکاری کتا ۶ مرتبہ کودے گا۔ مگر چونکہ وہ فاصلہ جو کتے کی ۳ چھلانگوں میں طے ہوتا ہے وہ خرگوش کی ۷ چھلانگوں میں طے ہوگا۔ اسلئے کتے کی مندرجہ بالا ۶ چھلانگوں کا فاصلہ خرگوش کی ۱۴ چھلانگوں کے برابر ہوگا۔ اس حساب سے شکاری کتے کی ہر ۶ چھلانگوں میں خرگوش کی (۹ - ۱۴ = ۵) ۵ چھلانگوں کا نقصان ہو جائے گا۔ پس ظاہر ہے کہ خرگوش کی ۶۰ چھلانگیں ضائع ہونے کے لئے اُس کی (خرگوش کی) پانچ پانچ چھلانگوں کا ۱۲ مرتبہ نقصان ہونا ضروری ہے۔ اب چونکہ شکاری کتا ۶ چھلانگوں میں خرگوش کی ۵ چھلانگیں ضائع کرتا ہے۔ اس لئے خرگوش کی ۶۰ چھلانگیں شکاری کتے کی (۱۲ × ۶ = ۷۲) ۷۲ چھلانگوں میں ضائع ہو جائے گی۔ یعنی شکاری کتا ۷۲ چھلانگوں کے بعد خرگوش کو پکڑے گا۔

(۸)

نیویارک اور سین فرانسسکو کے درمیان ایک دوسرے کی طرف ہر ۲۴ گھنٹے کے وقفہ کے بعد گاڑی جاتی ہے۔ مگر چونکہ آمنے سامنے کی گاڑیاں ایک ہی رفتار سے چلتی ہیں اسلئے ظاہر ہے کہ ہر گاڑی کو اپنی مخالف طرف سے آنے والی گاڑی ہر ۱۲ گھنٹے کے بعد ملے گی۔ اسلئے کسی شخص کو جو نیویارک سے سین فرانسسکو تک ایک گاڑی میں بیٹھکر ۵ دن کا سفر طے کرتا ہے، راستہ میں (ہر دن کی دو گاڑیوں کے حساب سے) دس گاڑیاں ملینگی۔ اس کے علاوہ دو گاڑیاں اُسکو اور ملیں گی۔ ایک تو وہ ہوگی جو اس شخص کو نیویارک اسٹیشن پر عین اپنی روانگی کے وقت ملی ہوگی اور دوسری وہ ہوگی جو اس شخص کو سین فرانسسکو اسٹیشن پر عین پہونچنے کے وقت ملی ہوگی۔ اس حساب سے اس شخص کو کل ۲+۱۰" ۱۲ گاڑیاں ملی ہوں گی۔ اور اگر ایک اُس گاڑی کو جو اس کے عین پہونچنے کے وقت روانہ ہو رہی ہوگی نکالدیا جائے تو ظاہر ہے کہ ۱۱ گاڑیاں ملی ہوں گی۔ علیٰ ہذالقیاس۔

(۹)

بڑی موم بتی کل ۶ گھنٹے جلتی ہے اور دوسری چھوٹی موم بتی کل ۴ جلتی ہے اور ۸½ بجے دونوں موم بتیاں بالکل برابر ہو جاتی ہیں۔ اسلئے اس کے بعد کے دو گھنٹوں میں (۸½ سے ۱۰ تک) بڑی موم بتی اتنی ہی جلتی ہے جتنی چھوٹی موم بتی ۱½ گھنٹے (۸½ سے ۱۰ تک) جلتی ہے۔ یعنی چھوٹی موم بتی کے جلنے کے دوران میں ہر ۲ گھنٹے کے عرصہ میں آدھ گھنٹہ (۱½ - ۲ = ½ گھنٹہ) کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اسلئے بڑی موم بتی جتنی ۶ گھنٹے میں جلے گی اتنی ہی چھوٹی موم بتی (ہر دو گھنٹے کے عرصہ میں آدھ گھنٹے کے فرق مذکورہ بالا کے لحاظ سے یعنی کل فرق ۱½ - ۶ = ۴½ گھنٹے) ۴½ جلے گی۔ اسلئے ظاہر ہے کہ چھوٹی موم بتی ہر آدھ گھنٹہ میں ایک انچ جلے گی۔ یعنی ۳۰ سکنڈ میں ایک انچ جلے گی۔ اور ۴ گھنٹے یا ۲۴۰ سکنڈ میں (½ × ۸) ۸ انچ جلے گی۔ لہذا چھوٹی موم بتی کی لمبائی جلنے سے پہلے ۸ انچ ہوگی۔ اور بڑی موم بتی کی لمبائی ۹ انچ ہوگی۔

(۱۰)

کم از کم اس جماعت میں چار آدمی تھے۔ یعنی ۲ باپ ماں اور ۲ بیٹا بیٹی۔ اور چونکہ باپ ماں کی شادی چچازاد بھائی بہن میں ہوئی تھی تو اس صورت سے باپ کے دونوں لڑکے لڑکیاں ماں کے دونوں بھتیجے بھتیجی ہوئے۔ اور ماں کے وہ دونوں لڑکے سابق رشتہ سے باپ کے بھانجے بھانجی ہوئے۔ اور وہ دونوں لڑکے لڑکیاں آپس میں بھائی بہن ہیں +

"پیام تعلیم" ہندوستان کے ہر طبقہ اور ہر گوشہ میں جاتا ہے۔ اس میں اشتہار دینا یقیناً کامیابی کی دلیل ہے۔ نرخ اشتہار بھی نہایت کم ہے۔ آپ ایکبار آزما دیکھیں۔
منیجر

مطبع جامعہ قرول باغ دہلی سے شائع کیا

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶

پیامِ تعلیم

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا
پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

قیمت سالانہ عہ
ششماہی ۱۲؎
فی پرچہ ۱؎

خریداران رسالہ جامعہ سے
صرف ایک روپیہ
نمونہ مفت

اڈیٹر- سعید انصاری بی-اے (جامعہ)

جلد ۳ | ۲۱ اگست سنہ ۱۹۲۷ء | نمبر ۹

شذرات

اللھم زد فزد

جامعہ یکم اگست کو کھلی اور نئے پرانے طلبہ اسی تاریخ سے آنا شروع ہوگئے لیکن پرانے طلبہ جتنے کہ آنے چاہئیں اُتنے نہیں آئے اور اکثر کسی نہ کسی وجہ سے ۱۵ تک رُکے رہے ۱۶ تاریخ کو بحمد اللہ کہ صبح و شام کی مختلف گاڑیوں سے تقریباً تمام طلبہ آگئے اور اُسکے دو ایک روز بعد تک بھی آتے رہے اب قریب قریب سب آگئے ہیں ان پر مزید اضافہ نئے طلبہ کا ہو رہا ہے جن کا تانتا اب تک نہیں ٹوٹا ہے اور ہر روز دو چار کا داخلہ برابر ہوتا رہتا ہے، گذشتہ سال جامعہ کے پاس بڑے چھوٹے مل کر کل تین دار الاقامے تھے جن میں بھی اگر کوئی نیا طالب علم آتا تو اُس کی گنجایش نکل سکتی تھی، لیکن اس سال شروع ہی میں تین سے چار دار الاقامے کرنے پڑے اور ایک عشرہ بھی مشکل سے گذرنے نہیں پایا تھا کہ چار سے پانچ ہوگئے، اب یکبارگی پرانے طلبہ کی آمد نے ان پانچ کو بھی تنگ بنا دیا ہے، اور جدید داخلہ کا اگر یہی حال رہا تو کوئی دن جاتا ہے کہ چھٹے کی فکر کرنی پڑے گی۔

جامعہ میں شروع ہی سے دو مسئلے نہایت اہم ہیں، ایک سرمایہ کا، دوسرا طلبہ کا۔ بعض لوگوں کا یہ خیال ہے کہ سرمایہ ہو تو طلبہ خوب آنے لگیں گے اور بعض یہ سمجھتے ہیں کہ اگر طلبہ کافی ہوں تو پھر سرمایہ بہت ملے گا۔ غرض طبیعات کے اس ناحل شدہ مسئلہ کی طرح کہ "آیا مرغی انڈے سے پیدا ہوئی یا انڈا مرغی سے؟" یہ مسئلہ بھی اب تک طے نہیں ہو سکا ہے کہ آیا سرمایہ پر طلبہ کا دارومدار ہے یا طلبہ پر سرمایہ کا؟ بہرحال اگر یہ صحیح ہے کہ طلبہ کی کثرت پر مالی حالت بہتر ہونے کا انحصار ہے، تو ہمیں خوش ہونا چاہیئے کہ جامعہ کا دامن امید اب عنقریب بھرنے والا ہے۔

لیکن اہل دہلی کی طرف سے جو اس مہاجر جامعہ کے اصل میزبان ہیں، اس نئے سال میں ابھی تک بہت کم توجہ کی گئی ہے۔ گزشتہ سال جس طرح اُنھوں نے جوق در جوق اپنے بچے داخل کئے تھے، اس سال اب تک شہر کے بچوں کا بہت کم داخلہ ہوا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو غالباً یہ ہو سکتی ہے کہ مدرسہ جامعہ کی ایک شاخ ابتدائی سوم تک صدر بازار میں کھل گئی ہے جس سے اکثر لوگوں نے اپنے بچوں کو وہیں (بقیہ ص۳ کالم ۲)

محاسن اسلام

(مولوی سعد انصاری صاحب نئی دہلی استاد جامعہ)

روزہ

يا ايها الذين امنوا كتب عليكم الصيام كما كتب على الذين من قبلكم لعلكم تتقون

رمضان کا مہینہ وہ مبارک و مسعود مہینہ ہے، جس میں اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں کے لیے اپنی سب سے بڑی رحمت قرآن کریم کو نازل فرمایا، قرآن کریم رہنما ہے انسان کی کامل فلاح و بہبود کا، قرآن کریم شفا ہے انسان کے ظاہری و باطنی امراض کا، قرآن کریم ایک ایسا نور ہے جس سے انسان کا دل و دماغ اُسی طرح روشنی حاصل کرسکتا ہے، جس طرح آنکھیں آفتاب سے، اللہ تعالےٰ فرماتا ہے، لقد جاءكم من الله كتاب ونور مبين الخ

اللہ تعالےٰ نے اگر ایک طرف اپنے بندوں کو قرآن کریم جیسا ایک مکمل دستور العمل زندگی کا عطا کیا تو دوسری طرف اُس پر عمل پیرا ہونے کے لیے مختلف طریقہ بھی ساتھ ہی ساتھ مہیا کر دیئے ہیں۔

نماز میں جب انسان اپنے اعمال کی بُرائی بھلائی کو محسوس کرتا ہے، تو فوراً اُس کے دل میں عمل کی ایک تڑپ پیدا ہوتی ہے، لیکن وہ اتنا کمزور ہے کہ نفس کی بیجا خواہشات اس کی تڑپ پر غالب آجاتی ہیں، لہذا اللہ تعالےٰ نے اپنی مہربانی سے ایک ایسا سہل اور قوی توڑ روزے کی صورت میں اس کو عطا کیا ہے جس کی مدد سے انسان کی تمام وہ بڑھتی ہوئی خواہشات سرد پڑ جاتی ہیں جن کی معمولی ڈھیل سے انسان کے اس زبردست عزم و ارادے کا جو اس نے اپنے دل میں کسی اعلیٰ مقصد کی محبت میں قائم کیا تھا، بیدردی سے خون ہو جاتا ہے یہ وہ باتیں ہیں جو ہر شریف اور حوصلہ مند انسان کو ہمیشہ اپنے مقاصد کی تکمیل میں پیش آتی ہیں۔

لہذا روزے کا سب سے بڑا منشا یہ ہے کہ انسان اپنے میں ضبط نفس کی صفت پیدا کر کے نیک کاموں کا عزم کرے،

اگر ایسا نہ کرے گا تو وہ اپنے اس بلند مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا، جو اللہ تعالےٰ نے قرآن پاک میں اس کے لیے قرار دیا ہے، یعنی کامل تقویٰ اور پرہیزگاری، ہم روزے کے اندر صرف اپنے پروردگار کی طلب اور مرضی سے جب اپنی ایک بہت بڑی اور جائز خواہش کو روکتے ہیں، تو کیا ہمارے لیے یہ شرم اور تعجب کی بات نہ ہوگی، کہ ہم اس کی مرضی کے خلاف اس کی حرام اور منع کی ہوئی باتوں کو آزادی سے اختیار کریں۔ ہماری سمجھ پر یقیناً تف ہے اگر ہم روزے کا مقصد صرف فاقہ خیال کریں۔

روزے کے اندر خصوصیت کے ساتھ ہم کو کھانے پینے سے صرف اس لئے روکا گیا ہے، کہ اس ضروری اور جائز خواہش میں اگر اعتدال قائم نہ رہے، تو یہی سب سے زیادہ بُرائیوں کا سرچشمہ ہے۔ زبان کے معمولی چٹخارے کے لیے نہ جانے انسان کیا کیا کرتا ہے، جھوٹ، چوری، خیانت، ظلم، حسد، کینہ، مکر و فریب سب زیادہ تر اسی کی بدولت دنیا میں پھیلتے ہیں، لہذا روزے کے ذریعے اگر ہم اپنی جسمانی لذتوں پر کچھ قابو پانا سیکھ لیں، تو دنیا میں ہم بہت سے اچھے کام کرسکیں گے، لیکن افسوس ہے کہ جس طرح ہم نے نماز کی صورت مسخ کی ہے، اسی طرح ہم نے روزے پر بھی ایک کاری ضرب لگائی ہے۔ ہم ایک وہ وقت شرماشرمی میں کسی طرح اگر فاقہ کر لیتے ہیں، تو دوسرے وقت اس کی ایسی کسر پوری کرتے ہیں کہ خدا کی پناہ! اس بارے میں تفصیل کی ضرورت نہیں ہے، افطار و سحر کی دلچسپیوں سے ہر ایک ہم میں سے نہ صرف واقف ہے بلکہ ماشاء اللہ خوبی کے ساتھ اس پر عامل بھی ہے۔

اگر ہم خدا کے حکموں کا مذاق نہیں اُڑانا چاہتے، تو ہمیں دل سے یہ بات سوچنی چاہیے کہ ہم روزے کا حقیقی مقصد کیونکر پورا کریں، اگر ہم کھانا پینا چھوڑنے کے علاوہ اور بھی بہت سی پابندیاں اپنے اوپر عائد نہ کریں تو ہمارا روزہ ہرگز خدا کی بارگاہ میں مقبول نہ ہوگا، ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی آنکھوں کو بُری اور مذموم باتوں کی طرف دیکھنے سے روکیں، ہمیں چاہیے کہ ہم اپنی زبان کو جھوٹ، غیبت، چغل خوری، اور گالی گلوج سے محفوظ رکھیں، ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے کانوں کو ہر قسم کی بُری باتیں سُننے سے بچائیں، اسی طرح ہاتھ پیر اور تمام اعضا کو حتی الامکان گناہوں سے دور رکھنا چاہیے۔ اگر ایسا نہ ہوگا تو روزے سے بجز فاقے کی تکلیف کے کچھ حاصل نہ ہوگا۔ لوگ روزے کا مقصد بجز فاقہ کشی کے اور کچھ نہیں سمجھتے، محض رسم کی پابندی کرتے ہیں، اور بارہ چودہ گھنٹوں کے لیے دانہ پانی چھوڑ دیتے

نبی صلعم نے فرمایا ہی،

کم من صائم لیس لہ من صومہ الا الجوع والعطش

ایک بات یہاں اور سوچنے کی ہی کہ اللہ تعالےٰ نے نزول قرآن کے مہینہ کو اس عبادت کے لیے کیوں منتخب کیا ہی، اس میں سب سے بڑی مصلحت یہی معلوم ہوتی ہی کہ اس عظیم الشان احسان الٰہی کو یاد کرکے زیادہ سے زیادہ اس مہینہ میں قرآن کریم کا درد رکھیں، اور اپنی زندگی کو اس کے موافق بنانے کی کوشش کریں۔ لہذا جس قدر بھی ہوسکے قرآن کی تلاوت غور و فکر کے ساتھ اس ماہ میں ہونی چاہیے، تراویح کا اصلی مقصود یہی ہی کہ لوگ حقیقی توجہ اور کامل خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا پاک کلام سنیں اور اپنے اندر ایمان وعمل کی روح تازہ کریں۔

اس ماہ کی سب سے مقدس عبادت اعتکاف ہی جو آخری عشرہ میں انجام پاتی ہی، اس میں انسان دنیا کی تمام چپقلش اور ہنگاموں سے الگ ہوکر مسجد کے ایک گوشہ میں تنہا اپنے مولیٰ کی یاد میں مشغول رہتا ہی، زیادہ سے زیادہ قرآن کی تلاوت کرتا ہی اور زیادہ سے زیادہ راتوں کو نماز میں کھڑا ہوکر اپنے پروردگار سے راز و نیاز کی باتیں کرتا ہی۔ یہ اس پاک ارشاد الٰہی کی ادنیٰ جھلک جس کا ذکر قرآن پاک میں ان الفاظ کے ساتھ ہے۔

واذکر اسم ربک وتبتل	اپنے پروردگار کا ذکر اور سب کو
الیہ تبتیلا	چھوڑ کر اس کے ہو رہو۔

چونکہ اس عبادت میں عام معیار کے مطابق صرف تھوڑی سی سختی ہی، اس لیے یہ عام نہیں ہی، بلکہ صرف انہی کے لیے ہی جن کے عشق کا پیمانہ اپنے پروردگار سے فرائض و سنن ادا کرنے کے بعد کچھ اور چاہتا ہی۔ کس قدر خوش قسمت اور قابل مبارکباد ہیں وہ لوگ جنھیں سچائی کے ساتھ یہ عبادت نصیب ہو۔

کیا ان تمام باتوں کے بعد اب اس بات میں کوئی شبہ رہ جاتا ہے؟ کہ صرف ایک مہینہ اگر کوئی شخص خدا اور رسول کے حکم کے مطابق ٹھیک طور پر روزے رکھے، تو سال بھر تک اس کے ایمان وعمل کی روح زندہ رہیگی۔ رمضان کے فرض روزوں کے بعد کچھ مسنون اور نفلی روزے بھی ہیں جو ہر مہینہ اور ہر ہفتہ میں نفس کی عام اصلاح کی خاطر رکھے جاتے ہیں۔ روزوں کے یہ فضائل معلوم ہونے کے بعد اپنے پروردگار سے بس یہی التجا ہی کہ وہ ہر مسلم کو اپنی مرضی کے مطابق حقیقی طور پر روزہ رکھنے کی توفیق عطا کرے۔ آمین۔

داخل کردیا ہوگا، لیکن اس کے باوجود ابھی کتنے بچے ہیں جو وہاں داخل نہیں ہوئے ہیں، یا وہاں کی جماعتوں سے اونچی صلاحیت رکھتے ہیں، یا جو سواری کا انتظام کرکے خود جامعہ کے مرکزی مدرسہ میں تعلیم دلانا زیادہ پسند کرتے ہوں گے، یہ لوگ آخر کس دن کا انتظار کررہے ہیں، یہ صحیح ہی کہ اہل دہلی کوئی کام شروع کرتے ہیں تو دیر میں شروع کرتے ہیں، لیکن جب کرنے پر آجاتے ہیں تو پھر پیچھے نہیں ہٹتے۔ ممکن ہی کہ جامعہ کے معاملہ میں ان کی تعویق اسی فطری خصوصیت کا نتیجہ ہو، دیر آید درست آید۔

انگریزی سکھانے کی نئی ریڈریں

ڈھاکہ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر نے ابھی حال میں انگریزی سکھانے کی ریڈروں کا ایک جدید سلسلہ تصنیف کیا ہی جو معلمین اور اساتذہ کے ذاتی تجربات پر مبنی ہی اور جسمیں مبتدیوں اور طالبعلموں کی تمام ابتدائی دشواریوں اور مشکلات کا بہت کافی لحاظ رکھا گیا ہے، یہ سلسلہ چار ریڈروں پر مشتمل ہی اور جسمیں ابتدا عام دستور کے خلاف تمام حروف تہجی یکبارگی سکھا کر نہیں کی جاتی ہی بلکہ شروع میں بچہ کو صرف تین حرفوں سے (اور وہ بھی ابتدائی میں) آشنا کرایا جاتا ہی اور انہی کے باہم جوڑ توڑ سے چھوٹے چھوٹے الفاظ بنوائے جاتے ہیں۔ حرفوں کی شناخت کی مشق کے لیے الٹ پھیر کے بار بار وہی حروف بڑے اور چھوٹے دونوں لائے جاتے ہیں تاکہ بچہ کی آنکھیں ان کی صورتوں سے اچھی طرح آشنا ہو جائیں۔ اسی طرح ایک سبق ختم ہونے کے بعد دوسرا نئے حرفوں سے شروع ہوتا ہی اور انکی مشق اور ان سے الفاظ اور فقرے بھی اسی طرح بنوائے جاتے ہیں۔ علیٰ ہذا یکے بعد دیگرے ہر سبق کے ختم ہونے پر حروف اور الفاظ کا ذخیرہ رفتہ رفتہ بڑھتا جاتا ہی نیز ہر لفظ کے ساتھ اس کے معنی کے اعتبار سے چھوٹی چھوٹی تصویریں اور شکلیں بھی ہوتی ہیں، یہاں تک کہ حالت اور کیفیت کو سمجھانے کی بھی انہی تصویروں اور شکلوں کی مدد سے کوشش کی جاتی ہی۔ ہر ریڈر کے ساتھ طالبعلم کے لیے ایک "رفیق" بھی ہی جو اصل "ریڈر" کی مدد سے تیار کی گئی ہی، نیز استاد کی ہدایات کے لیے ہر ایک کے ساتھ علیحدہ کتابیں ہیں۔ سردست اس جدید اور مفید سلسلہ کے تعارف کے لیے اس قدر کافی ہوگا، کسی قریبی اشاعت میں انشاءاللہ ہم اس پورے سلسلہ پر مفصل ریویو شائع کریں گے جس میں اس کی خوبیوں اور اس کے ساتھ بعض کمزوریوں پر بھی نظر ڈالیں گے۔

مکتوب فرانس

حسب معمول اس خط میں عزیز دوست نے پیرس لائبریری کے بعض نادر قلمی نسخوں کا ذکر کیا ہے اور ایک اُردو مثنوی کا ایک حصہ بھی نقل کر دیا ہے۔ نیز فرانسیسی زندگی اور اخلاق کے متعلق جگہ جگہ جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے، وہ انھی جیسا نقاد طبع کر سکتا ہے جس نے حالات بچشم خود دیکھ کر نتائج اخذ کیے ہوں۔ اڈیٹر

سعید صاحب۔ آداب عرض ہے۔

آپ کے مفصل خط کا شکریہ، آپ نے جو ہندی کی چوپائیاں لکھ بھیجی ہیں بڑی دلچسپ معلوم ہوتی ہیں ممکن ہے اس دلچسپی کی وجہ یہ ہو کہ یہ پیاری زبان یہاں بہت کم سننے میں آتی ہے۔ دوری سے شوق بڑھتا ہے اکی سے قیمت بڑھتی ہے" اُردو میں بات چیت کا کم موقع ملتا ہے خواہ مخواہ اس زبان کی ہر بات بھلی معلوم ہوتی ہے' یہ واقعہ ہے کہ اگر آپ کسی نوجوان کو محب وطن بنانا چاہیں تو کچھ عرصہ کے لیئے اسے جلا وطن کر دیجئے' یہ دوری محبت کی ان ساری پنہاں قوتوں کو اُبھار دیگی جو اس کی فطرت میں مخفی ہیں' وطن کی محبت' زبان کی محبت' عزیزوں دوستوں کی محبت' سب کی سب جو پہلے دبی ہوئی تھیں اُبھر آئیں گی؛ اور جن جن لوگوں کا اس قسم کا کلام آپ نے جمع کیا ہے تھوڑا، تھوڑا کر کے بھیجتے رہیئے۔

آج کل پیرس کی زندگی زیادہ دلچسپ نہیں' یونیورسٹی بند ہے' پروفیسر اور طالب علم سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے ہیں یا سیر تفریح کے لیے سمندر کے کنارہ یا کسی پہاڑ پر براج رہے ہیں' اگست کا مہینہ پیرس میں بڑی گرمی کا ہوتا ہے اگرچہ یہاں کی گرمی کا ہندوستان کی گرمی سے کوئی مقابلہ نہیں لیکن پھر بھی فرانس میں گرمی اچھی خاصی پڑتی ہے' خصوصاً پیرس میں چونکہ آبادی گھنی ہے اس لیے ہوا میں ایک عجیب طرح کا بھاری پن رہتا ہے؛

میرا ارادہ ہے ایک مہینہ کے لیے سوئیزرلنڈ جاؤں' شوکت (ڈاکٹر انصاری صاحب کے بھانجے) آجکل وہیں ہیں' وہ میرے لیے ایک کمرہ ٹھیک کر دیں گے؛ میں نے اس سال کافی محنت کی ہے' ہندوستان میں امتحانوں کے ڈر سے محنت کی لیکن یعنی سچے اس سال شوق سے محنت کی اور اُس سے زیادہ کی جو امتحانوں کے ڈر سے ہندوستان میں کرتا تھا' مہینہ ڈیڑھ مہینہ سیر و تفریح میں صرف کروں تو اس کا مستحق ہوں' اور اکتوبر میں پھر دوبارہ کام شروع کرنے کے لیے ضروری ہے کہ ایک مہینہ کم سے کم اس وقت آرام کر لیا جائے' آپ لوگ اپنی چھٹیاں ختم کر کے جب جامعہ واپس آچکے ہوں گے اس وقت سے یہاں میری چھٹیاں شروع ہوں گی؛

آپ کو شاید یاد ہو میں نے ایک دفعہ آپ سے دریافت کیا تھا کہ آیا اُردو میں داراشکوہ کی کسی کتاب کا ترجمہ ہوا ہے؟ حال ہی میں میں نے ایک فہرست میں دیکھا ہے کہ داراشکوہ کی ایک کتاب کا ترجمہ لاہور میں چھپ کر عرصہ ہوا شائع ہوا تھا' میں نے ہندوستان میں اس کے متعلق کبھی نہیں سُنا' ذرا دریافت کیجئے۔ میں داراشکوہ کے متعلق زیادہ چھان بین کر رہا ہوں چنانچہ پیرس لائبریری میں اپنشد اور سفینۃ الاولیا کے قلمی نسخے میں نے دیکھے' اپنشد کا مقدمہ جو خود اس کا لکھا ہوا ہے (کیونکہ باقی حصہ غالباً دوسرے پنڈتوں سے ترجمہ کرایا گیا تھا) بہت دلچسپ ہے' اس میں اس نے قرآن کی عجیب عجیب تاویلیں کی ہیں' مثلاً 'سر مکنون' جہاں جہاں قرآن میں استعمال ہوا ہے وہ اس کے خیال کے مطابق' ہندو فلسفہ اور مابعد الطبعیات کے لیے استعمال کیا گیا ہے؛ اسی طرح اسلام اور کفر کو دو جوڑواں بہنیں' کہہ کر پکارتا ہے تصوف اور جوگ کی اصطلاحات بہت ہی دلچسپ انداز میں بیان کی ہیں؛ سفینۃ الاولیاء میں کوئی خاص بات نہیں' اس کا انداز تقریباً وہی ہے جو جامی کے نفحات الانس اور عطار کی "تذکرۃ الاولیاء"۔ ایک بڑی دلچسپ چیز "ملاقات لاہور" کے عنوان سے میرے پروفیسر مسیو میسون "جورنال ایشیاتک" میں شائع کرنے والے ہیں' یہ "ملاقات لاہور" اس مکالمہ پر مشتمل ہے جو داراشکوہ اور بابا لال داس کبیر پنتھی کے درمیان ۱۶۵۳ء میں ہوا' یہ مکالمہ ستر سوالوں اور جوابوں پر مشتمل ہے اور غالباً ہندی زبان میں ہوگا لیکن داراشکوہ کے منشی چندربن نے انھیں فارسی میں قلمبند کیا' چنانچہ اس کے فارسی نسخوں کا مقابلہ کر کے مسیو میسون ایک ٹکسٹ شائع کریں گے' میں انشاء اللہ اس ٹکسٹ کو ان کی اجازت سے جامعہ کے لیے بھیجوں گا؛

اسی چھان بین کے دوران میں ایک اُردو مثنوی پر نظر پڑی اس مثنوی کی زبان اچھی خاصی پُرانی ہے اور غالباً دکنی ہے' مجھے معلوم نہیں کہ ہندوستان میں اس مثنوی سے لوگ واقف ہیں یا نہیں' میرا اُردو ادب کا مطالعہ بہت محدود ہے' ممکن ہے میرے لیئے یہ نئی ہو لیکن دوسروں کے لیے نہ ہو۔ بہر حال اس مثنوی کے شروع اور آخر کے اشعار لکھتا ہوں آپ مختلف جگہوں سے دریافت کر کے لکھیئے کہ آیا یہ شائع ہو چکی ہے یا نہیں' مثنوی چھوٹی ہے' زبان میں ہندی

لفظوں کی شیرینی بڑی بھلی معلوم ہوتی ہے۔ میں بعینہ ساری غلطیوں کے ساتھ یہاں نقل کر رہا ہوں:-

اساڑھ آیا لگا بادل گرجنے — اندھیری رین میں بجلی چمکنے
للن پر برق میں مینگا چمکتا — میری شوقوں سین ہے دل تڑپتا
اندھیری رات اور کاری گھٹا ہے — چمک سین اسکی مری ہوش جا ہے
پیا بن میں بھری برسات روؤں — نہیں برسات کیونکر سات سوؤں
مری انکھونکی سین بیت جوڑی — کہ بھر برسات جیون چوہے ادھری
ہرا جنگل ہوا پانی میں اور روکھ — میرا ہر وا اگیا برسات میں سوکھ
پیا پردیس مجکون دکھ کاہی کاج — اکیلی کیون ٹکی بیوپن ہوں آج

———※———

میرا خورشید جب مجسیں ملے گا — میرا دل کا کنول تد ہیں کھلے گا
ہوا مدت نہ آیا کو کلا کر — گیا ساون چڑھا بھادوں سر اوپر
برہ رہ رہ کے دیتا ہے جھکوڑا — میرے شیشے کا دل ہے اوتے توڑا

———※———

تیرے منتکروں ہوں تجسیں رمال — پیا کے آدے کی دیکھ لکھ فال
جو پر ہوتا تو میں اوڑ کرکے جاتی — پیا کون جاکے اپنے دکھ دکھاتی

———×———

دیوالی میں کریں روشن چراغاں — قمار عشق کھیلیں عشقباز اں
دیا لاکھوں جلاؤں گھر کے اندر — پیارے بن اندھیرا ہے میرا گھر

———×———

جپوں میں رات دن آنسو کی مالا — ہوا کنچن بدن لوہو سا پالا
پھنسا آہو مرا در کون سے دام — کہ گھر آنے کا لیتا ہیں کدھوں نام

———×———

بیت کے رات بھاری دن مرا کال — ہر ایک ساعت مجھے بیتے ہو ہر سال
کروں کیا اپنے دل کے غم کو میں سر — ہوئے اوراق جمعیت کے سب ابتر

———×———

پیا آئے سہاگن میرا نا تو — میں اپنے زور قسمت کی قسم کھاؤں
تمام .... بتاریخ .... دہفتم شہر شوال روز جمعہ در مقام کلکتہ

تاریخ وغیرہ میری سمجھ میں اچھی طرح نہیں آتی ہے، شکستہ پڑھنے کا بہت کم اتفاق ہوا ہے، میں نے ہو بہو نقل کر دیا ہے، آپ لوگ شاید اس کا کچھ مفہوم نکال سکیں، اگر یہ مثنوی غیر شائع شدہ ہو تو میں رسالہ "جامعہ" کے لیے بھیج دوں۔

———※———

گذشتہ ہفتہ پیرس کی زندگی کے سب سے زیادہ دلچسپ اوقات میں سے تھا، چودھویں جولائی کو "فتح بستی" کا جشن منایا جاتا ہے، دریائے سین میں آتشبازیاں چھوڑی جاتی ہیں۔ دو دن اور دو رات متواتر سڑکوں پر ناچ ہوتا ہے، اس دفعہ موسم اچھا تھا یہاں گرمی کی راتیں خوشگوار ہوتی ہیں، لوگوں نے خوب جی کھول کے خوشیاں منائیں، وہی بستی کا قید خانہ جس میں ہر آزاد خیال آدمی بند کر دیا جاتا تھا اب ناچ کا سب سے بڑا چوک ہے، اور اس چوک پر آزادی کی دیوی نصب ہے، میں نے فرانسیسی مزاج میں یہ خاص بات دیکھی، کہ یہ لوگ جو کام کرتے ہیں انتہا کو پہونچا دیتے ہیں، باوجود انتہائی تہذیب شائستگی کے ان میں ریاکاری نہیں، اگر ناچتے ہیں تو دنیا کے سامنے سڑکوں پر، انقلاب پر آمادہ ہوتے ہیں تو جڑ بنیاد سے ہر چیز میں انقلاب کرنے کی کوشش کرتے ہیں، انگریز بھی یہ سب کچھ کرتا ہے جو یہ کرتے ہیں لیکن چھپے چوری اور چپ چاپ، انگریز بھی ناچتا ہے لیکن چھپے چھپے، اپنے معاشرتی اور سیاسی نظام میں تبدیلیاں کرتا ہے لیکن ڈر ڈر کے اور آہستہ آہستہ، اسی لیے اس کی ہر بات میں مصلحت ہوتی ہے اور ریاکاری، برخلاف اس کے فرانسیسی ڈنکے کی چوٹ سے اور دن کی روشنی میں کرتا ہے۔ ان دونوں قوموں کے ان فطری خصائل میں ان کی بڑائیاں بھی پوشیدہ ہیں اور کمزوریاں بھی۔ مجھے فرانسیسیوں کی یہ ادا بہت پسند ہے۔

چودھویں جولائی فرانسیسیوں کے قومی تیوہار کا دن ہے، ہر شخص چاہے وہ کسی مذہب کا ماننے والا ہو، اس تیوہار میں شرکت کرتا ہے، اس تیوہار کے بعد پیرس خالی ہونا شروع ہوتا ہے، اور دو مہینے کے لیے لوگ باہر چلے جاتے ہیں، ستمبر میں جب لوگ واپس آتے ہیں تو پھر رونق شروع ہو جاتی ہے، مدرسے کالج کھل جاتے ہیں اور سب محلے آباد ہو جاتے ہیں۔

سب لوگوں کو سلام کہیے، حسب معمول یہ خط ڈاک کے آخری وقت پر ختم کر رہا ہوں:

نیازمند، یوسف

مرہٹی اَدبی کانفرنس

(۲)

مرہٹی ادب کی اصلی حالت

لیکن جہاں اجوارڈے کا یہ خیال صحیح نہیں ہو کہ مرہٹی زبان رو بہ تنزل وہیں ان کی مخالف جماعت کا یہ خیال بھی صحیح نہیں ہو کہ ہماری زبان کافی ترقی کر چکی ہے اور اب ہمارے ادب کا مقابلہ انگریزی ادب سے کیا جاسکتا ہے انگلستان کے علم و ادب سے مہاراشٹرہ کے علم و ادب کا مقابلہ کرنا اور یہ سمجھنا کہ دونوں ہم رتبہ ہیں ایک خطرناک غلطی ہو۔ انگریزی زبان کی ترقی پوری پانچ صدیوں کا پھل ہے۔ مرہٹی کی عمر ابھی صرف ڈیڑھ سو سال کی ہو۔ انگریزی کو ترقی کے جو وسائل حاصل تھے ان کا عشر عشیر بھی مرہٹی کو حاصل نہیں۔ انگریزی داں طبقہ دنیا کے ہر حصے میں پایا جاتا ہو اور اس کی مالی حالت بھی اچھی ہوتی ہو نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ جب انگریزی میں کوئی اچھی کتاب شائع ہوتی ہو تو اسکی لاکھوں جلدیں فروخت ہوتی ہیں اور مصنف کو شہرت کے ساتھ مالی فائدہ بھی کافی ملتا ہے انگلستان میں مصنفین کی تعداد بہت کافی ہو اور ان میں باہم مقابلہ رہتا ہو۔ ساتھ ہی پڑھنے والوں کی قابلیت بھی بڑھی ہوئی ہوتی ہے نتیجہ یہ ہو کہ عام طور پر انگریزی تصانیف بلند پایہ ہوتی ہو اور ان کی تیاری میں مصنفین کو کافی دقت صرف کرنا پڑتا ہو۔ ہمارے ہاں چونکہ مصنفین کا طبقہ بہت محدود ہو اور پڑھنے والوں کی قابلیت بھی واجبی ہوتی ہے اس لیے مصنف کو وسیع مطالعے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی عام طور پر زبان و ادب سے معمولی واقفیت رکھنے والے لوگ اس کام کی طرف توجہ کرتے ہیں۔ ایسے لوگوں سے ہم بلند پایہ تصانیف کی امید کیسے رکھ سکتے ہیں؟ مغربی ممالک میں بچے کا فطری شوق اور استطاعت دونوں کو شروع ہی سے پیش نظر رکھا جاتا ہے اور اس لیے پیشے کے انتخاب میں بڑی آسانی پیدا ہوتی ہو۔ ہمارے طلبہ کو جس طرح اپنی رفیقۂ زندگی کے انتخاب میں دخل نہیں ہوتا اسی طرح پیشے کے انتخاب سے بھی ان کا بہت کم تعلق ہوتا ہو نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ جس شخص میں بہادر سپاہی بنکر دشمنوں کو تہ تیغ کرنے کی قابلیت ہو وہ شاعر بن کر عروض و قوافی کا خون بہاتا ہے ایک شخص جو بہت اچھا معمار بن سکتا ہو اینٹ اور گارے سے عمارت تعمیر کرنے کی بجائے افسانوں کی تعمیر میں مصروف ہوتا ہو۔ ایک ایسا شخص جو ایک ایک تصویر پر ہفتے اور مہینے خرچ کرکے فن مصوری میں کمال حاصل کرسکتا ہو کسی روزانہ اخبار کا ایڈیٹر بن کر دنیا بھر کے مسائل پر رائے زنی کرنے لگتا ہو اور مرہم پٹی کے ذریعے زخموں کے بھرنے کی جس شخص میں قابلیت ہوتی ہے وہ پیشہ ور نقاد بن کر اپنی نوک قلم سے ہونہار مصنفین کے دلوں کو مجروح کرتا ہو۔ آخری امتحان ختم ہونے تک ہمارے طلبا یا ان کے والدین کو یہ خیال بھی نہیں آتا کہ وہ آیندہ زندگی میں کیا کام کریں گے۔ تعلیم ختم ہوتے ہی جہاں والدین اپنے بیٹے کے لیے بیوی کا انتخاب کرتے ہیں وہیں اس کے لیے کوئی پیشہ بھی تجویز کرتے ہیں۔ عام طور پر آبائی پیشے ہی کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اگر خوش قسمتی سے ہمارے طلباء کو اپنے پیشے کے انتخاب کا موقع حاصل رہا تو بجائے اپنے فطری ذوق کو ترجیح دینے کے وہ ایسے پیشے کا انتخاب کرتا ہے جس میں کم سے کم محنت سے زیادہ مالی منفعت کا امکان ہو اور جو سوسائٹی میں عزت بخش ہو۔ عموماً وہ اس کام میں غلطی کرتا ہو۔ کچھ دنوں کے بعد اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ اب حالت ناقابل اصلاح ہوتی ہے۔ غرض پیٹ پالنے کا کام اور فطری خواہش دونوں میں باہم تضاد کی وجہ سے وہ کسی پر بھی پوری توجہ صرف نہیں کرسکتا۔ اختیار کردہ کام میں جی نہیں لگتا اور اپنی خواہش کے مطابق کام کرنے کا موقع نہیں ملتا غرض وہ دونوں میں ناکام رہتا ہو۔ اگر دونوں میں کامیابی حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہو تو اس کے تو اور بھی بار پڑتا ہو اور اسے قبل از وقت بڑھاپا آجاتا ہو۔ پیشوں کے انتخاب میں غلطی ہی کی وجہ سے ہمارے ملک میں ایسے لوگ بہت کم نظر آتے ہیں جنھوں نے اپنے کام میں پوری توجہ صرف کرکے کامیابی حاصل کی ہو۔

انگریزی مصنفین کے مقابلے پر اس قسم کی متعدد رکاوٹوں کی موجودگی میں یہ سمجھ لینا کہ ہمارا ادب انگریزی ادب کا مقابلہ کرسکتا ہے ایک خطرناک غلطی ہوگی ہمارے ادب کے متعلق غیر ضروری شکوک اور بیجا خود اعتمادی دونو ہمارے حق میں یکساں مضر ہیں۔ گذشتہ صدی میں باوجود رکاوٹوں کے ہم نے جو ترقی کی ہے وہ بلاشبہ قابل اطمینان ہو تاہم ابھی ہمیں بہت کچھ کرنا ہو۔ نہ تو ہمارا ادب اتنا پیچھے ہے کہ اس کی ترقی سے ہم مایوس ہوجائیں اور نہ اتنا ترقی یافتہ کہ ان کی اصلاح و ترقی کی طرف سے ہم مطمئن ہوجائیں

مرہٹی ادب اپنا عہد طفلی ختم کرکے جوانی کی زندگی میں قدم رکھ رہا ہو ہماری زبان میں ہر سال جو کتابیں شائع ہوتی ہیں انھیں اگر ہم پیش نظر رکھیں تو یہ ماننا ہوگا کہ ہمارا عہد طفلی ابھی ختم نہیں ہوا۔ عہد طفلی میں انسان کو

دوسروں کی غلامی کی شرم نہیں آتی لیکن جوانی میں پہنچ کر یہ حالت بدل جاتی ہے۔ اپنا عہد طفلی ختم کرکے جوانی میں قدم رکھنے والے مرہٹی زبان کے ادیب غیروں کی غلامی تو کرتے ہیں لیکن اس غلامی کے اظہار سے انہیں شرم آتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ترجمہ اور تصنیف میں بڑا فرق ہے۔ تصانیف اگر بہت کم ہوں تب بھی ان کی وجہ سے قابل اور ہونہار لوگوں کو اپنی قابلیت کے جوہر دکھانے کا موقع ملتا ہے اور اگر تصنیف بہت ہی اچھی ہو تو خود اسے اور اس ملک کو جہاں کی وہ تصنیف ہو دنیا بھر میں شہرت حاصل ہوتی ہے۔ دوسری جانب تراجم سے یہ کام نہ ہوا تب بھی ان کے ذریعے سے بہت تھوڑے عرصے میں ادب میں نمایاں اضافہ ہوتا ہے اور لوگوں کو مختلف زبانوں کی تصانیف کے نمونے پیش نظر رکھنے کا موقع ملتا ہے۔ ترجمے کی زبان اگر اچھی ہو تو اس سے زبان کی بھی اصلاح ہوتی ہے اس لیے ترجمہ کرنے والوں کو اس کام سے شرم نہ آنی چاہیے۔ ترجمہ یا ایسی کتاب جس کا بڑا حصہ کسی دوسری زبان کی کتاب سے ماخوذ ہو شائع کرتے وقت اپنی ذاتی تصنیف ثابت کرنے کی خاطر لوگ جو چالیں چلتے ہیں انہیں دیکھ کر یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہی ذہانت تصنیف میں صرف کی جاتی تو کہیں بہتر ہوتا۔

اُنیسویں صدی کے مرہٹی مصنف اس امر کا فخریہ اعلان کرتے تھے کہ ان کی کتاب کا ماخذ کوئی غیر زبان کی تصنیف ہے آج ہمارے مصنفین اس واقعے کے اظہار سے شرماتے ہیں لیکن تصنیف کی قدر و منزلت کا اظہار اپنے ماخذ کا پتہ نہ دینے کی بجائے اگر واقعی طبعزاد تصنیف کرکے کیا جائے تو بہتر ہوگا جب ہمارے مصنفین میں یہ خیال پختہ ہو جائے گا کہ سرقے سے بھی وہ مصنف بن سکتے ہیں تو وہ تصنیف کی دقت کیوں اٹھانے لگے؟ غیر زبانوں کی مدد سے بہت تھوڑے عرصے میں بلا خاص محنت کے جب شہرت و ناموری کی منزل مقصود تک پہنچنے کا یقین ہو تو وہ کون شخص ہوگا جس میں یہ خواہش پیدا ہوگی کہ خود اپنے ہی پیروں پر کھڑا ہو کر اس منزل کو اپنی آنکھ سے عرصۂ دراز تک اوجھل ہونے دے؟

سرقہ اور اس کے اظہار سے بچنے کی اس عادت سے نہ صرف ہم میں دھوکہ دہی کی عادت بڑھ رہی ہے بلکہ بیکاری کی وجہ سے ہمارے قوائے ذہنی کی ترقی رک گئی ہے اور وہ رو بتنزل ہیں۔ غیر زبانوں سے ہم جو کچھ لے رہے ہیں ان کی ادائیگی ہم نے ایک فیصدی کے حساب سے بھی نہیں کی۔ یہ قابل افسوس حالت اگر یونہی جاری رہی تو وہ وقت دور نہیں جب مرہٹی زبان کو دیوالیہ بننا پڑے۔ اس سے انکار ممکن نہیں کہ دوسری زبان کی اچھی کتابوں کا ترجمہ مرہٹی میں ہونا ضروری ہے لیکن اب ضرورت اس امر کی ہے کہ جہاں ایک ترجمہ ہو تو اس کے ساتھ کم از کم پانچ تصنیفیں ہوں۔ بخلاف اس کے اگر ایک تصنیف کے ساتھ سو ترجمے شائع ہوتے رہے تو یہ حالت ہمارے لیے شرمناک ہوگی۔

فارسی اور عربی الفاظ

راجواڑے نے صرف انگریزی الفاظ کی مخالفت ہی پر اکتفا کی اور مشرقی زبانوں کے جو الفاظ ہماری زبان میں داخل ہو گئے ہیں ان کے متعلق وہ خاموش رہے۔ اس خاموشی کی وجہ یہ ہے کہ فارسی اور عربی الفاظ ہمارے گرامر کے قوانین کی لفظ بلفظ پابندی کرتے ہیں۔ بخلاف اس کے انگریزی الفاظ اس پابندی سے جی چراتے ہیں۔ عربی اور فارسی الفاظ بآسانی اپنائے جا سکتے ہیں انگریزی الفاظ میں یہ بات نہیں پائی جاتی۔ فارسی اور عربی الفاظ کو ہماری زبان میں داخل ہوئے پانچ صدیاں گزر چکی ہیں۔ انگریزی الفاظ کے داخلہ کو ابھی پورے سو سال بھی نہیں ہوئے۔ سینکڑوں فارسی اور عربی الفاظ جو ہماری زبان میں رواج پا چکے ہیں ان کے لیے مرہٹی یا سنسکرت میں ہم معنی الفاظ نہیں ہیں۔ اس لیے ہمیں لامحالہ ان کا استعمال کرنا ہوگا۔ (اس کے بعد سر بجت کو لھٹکر نے تقریباً ڈیڑھ سو فارسی و عربی الفاظ صرف مثال کے طور پر پیش کیے ہیں جن کے لئے مرہٹی الفاظ موجود نہیں)

فارسی اور عربی الفاظ مرہٹی زبان کی بہت بڑی کمی کو پورا کرکے اس کی خوبیوں میں اضافہ کرتے ہیں باوجود اس کے ان الفاظ کو اپنی زبان سے خارج کرنے کی غرض سے ایک تحریک شروع ہوئی ہے۔ ہندو مسلمانوں کا موجودہ اختلاف اس مخالفت کا اصلی باعث ہے۔ گو آج یہ اختلاف بہت بڑھ گیا ہے پھر بھی اسے دائمی نہیں کہہ سکتے۔ ہندو اور مسلمان دونو قوموں کی تعداد اتنی کافی ہے اور ان کا دامن ایک دوسرے سے اس طرح پر بندھا ہوا ہے کہ تعاون کار کے بغیر انہیں چارہ نہیں۔

تیس سال قبل اسی قسم کے جھگڑے دونوں قوموں میں جاری تھے لیکن بہت جلد ان کا خاتمہ ہو گیا تھا۔ اسی طرح موجودہ اختلافات بھی بہت جلد رفع ہو جائینگے ان دقتی باتوں سے اور جزوی مسائل سے متاثر ہو کر علم و ادب کی دنیا میں جسکی زندگی لامحدود ہے اپنی خیالات کو رواج دینا کسی طرح بھی دانشمندانہ فعل نہیں ہو سکتا کل کو اگر ہمارے کرناٹکی بھائیوں میں اور ہم میں اسی قسم کا اختلاف ہو تو کیا ہم اپنی زبان سے کرناٹکی الفاظ خارج کر دینگے؟ ہماری زبان کے ابتدائی عہد کے شعرا کی سنسکرت پنڈتوں سے شدید مخالفت کی لیکن کیا اس مخالفت کی بنا پر ان شعرا نے سنسکرت الفاظ کا استعمال ترک کر دیا؟

دراوڑی، سنسکرت، فارسی اور عربی زبانوں کے الفاظ سے مرہٹی کی تعمیر ہوئی ہے۔ ان میں سے کسی ایک زبان کے الفاظ کو بھی خارج کرنے سے مرہٹی زبان ہمیشہ کے لیے ناقص بن جائے گی اور اتنا نقصان عظیم برداشت کریگی جس کی تلافی ناممکن ہوگی۔ مسلمانوں کی جارحانہ مذہبی پالیسی سے ہمیں شدید اختلاف ہو سکتا ہے لیکن اس کے کیا معنی کہ اس اختلاف کی سزا ان بے گناہ الفاظ کو دی جائے جو ہماری گرامر کے قوانین کی پوری پوری پابندی کرتے ہیں۔ ہمارے اس غیر دانشمندانہ فعل سے مسلمانوں کا تو کسی قسم کا نقصان نہ ہوگا لیکن ہم اپنا نقصان ضرور کریں گے۔ مسلمانوں کے افعال کی سزا اگر آپ ان کے زبان کے الفاظ ہی کو دینا چاہتے ہیں تو انہیں جلاوطن نہ کیجئے بلکہ انہیں قید بامشقت کی سزا دیکر ان سے اپنا کام لیجئے۔ متعدد فارسی و عربی الفاظ کی ہماری زبان کو حد درجہ ضرورت ہے اس کا صحیح اندازہ انہی الفاظ کے مرادف الفاظ جو اس تحریک کے حامیوں نے پیش کیے ہیں ان پر ایک ایک سرسری نظر ڈالنے سے ہو سکے گا۔

مسلمانوں کی دی ہوئی ہر چیز کا اپنی زندگی سے اخراج اگر اس تحریک کا مقصد ہے تو یہ تحریک صرف الفاظ تک محدود نہیں رہ سکتی۔ فی زمانہ مہاراشٹرہ میں علم موسیقی نے جو رواج پایا ہے وہ مسلمانوں ہی کے ذریعے سے پایا ہے اس لیے ہمیں اس علم کو ترک کرنا ہوگا۔ اسی طرح ہم میں بہت سے خاندانوں کے نام صاف صاف اسلامی ہیں ان خاندانوں کو اپنے نام بھی تبدیل کرنا ہوں گے۔ یہی نہیں بلکہ جن مسلمان سلاطین نے اپنے عہد میں اور خاص کر حیدرآباد نے ہمیں جاگیریں عطا کی ہیں ان سے جلد ہمیں دست بردار ہونا ہوگا۔

زبان ہی کے لحاظ سے دیکھا جائے تو صرف یہی کافی نہیں کہ آئندہ کیلئے ہم ان الفاظ کا استعمال ترک کر دیں بلکہ اب تک جن تصانیف میں ان کا استعمال کیا جا چکا ہے ان میں سے انہیں نکالنا ہوگا۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ اپنے سارے ادب کی ہم دوبارہ تدوین کریں۔ اور یہ ناممکن ہے مزید لطف یہ ہو کہ یہ الفاظ خود بخود ہماری زبان میں داخل نہیں ہوئے بلکہ ہمارے پیش روؤں نے بڑی دقتوں سے انہیں اپنا کیا ہے اور صدیوں کی محنت سے یہ چیز ہمارے ہاتھ آئی ہے۔ غرض محض مذہبی جوش اور جذبات کے پاس کی خاطر اس نعمت کو اپنے ہاتھوں سے کھو دینا کسی طرح بھی قرین مصلحت نہیں کہا جا سکتا۔

معین الدین حارث بی۔ اے (جامعہ)

پیام تعلیم
کا
تاسیس نمبر

۲۹ر اکتوبر جامعہ ملیہ کے قیام کی تاریخ ہے اور اس تقریب میں ہر سال پیام تعلیم کا "تاسیس نمبر" خاص اہتمام سے نکلتا ہے۔ چنانچہ اس مرتبہ بھی اس یوم سعید کو یہ مبارک نمبر نہایت آب و تاب کے ساتھ نکل رہا ہے، جس کے لیے ابھی سے تیاریاں شروع کر دی گئی ہیں۔ اس نمبر میں تعلیم اور اس سے متعلق مباحث پر نہایت مفید اور مستند مضامین ہوں گے، بزرگان دین کی طالب علمانہ زندگی کے حالات، مختلف نظامات تعلیم کے خاکے، دنیا کے دلچسپ تعلیمی کوائف، بچوں کے لیے سبق آموز قصے اور اس کے علاوہ بہت سی دوسری مفید اور دلچسپ چیزیں ہوں گی۔ متعدد اور مختلف تصاویر کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔

چونکہ یہ نمبر غیر معمولی تعداد میں چھپے گا اور ہندوستان کے ہر حلقہ اور ہر گوشہ میں بھیجا جائے گا، اس لیے اشتہار دینے والوں کے لیے بھی اچھا موقع ہے۔ نرخ اشتہارات بلا مزید اضافہ کے وہی رکھے گئے ہیں جو دفتر سے معلوم ہو سکتے ہیں۔

نوٹ:۔ مضمون نگار یا اشتہار دینے والے حضرات اپنے مضامین اور اشتہارات آخر ستمبر تک بھیجدیں۔ (مینیجر)

بچوں کا صفحہ

پہاڑی مقامات سرد کیوں ہوتے ہیں

یہ سوال نہایت دلچسپ ہے، لیکن بہت کم لوگ اسے حل کرسکتے ہیں۔
ہمیں معلوم ہے کہ ہمیں جتنی حرارت پہنچتی ہے سب آفتاب سے پہنچتی ہے، اور ہمارا یہ بھی عقیدہ ہے، کہ محشر کے روز آفتاب زمین کے اس قدر قریب آجائے گا، کہ اس کی شدید حرارت سے تمام زمین جھلس اُٹھے گی۔

گویا ہم جس قدر آفتاب کے قریب ہوجائیں، اُسی قدر ہمیں گرمی زیادہ محسوس ہوگی۔ پہاڑ میدانوں سے بلند ہوتے ہیں ایسی صورت میں ظاہر ہے کہ میدان کی نسبت ہم آفتاب سے زیادہ قریب ہوجائیں گے۔

اس کا نتیجہ تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ پہاڑ جتنے زیادہ بلند ہوتے، اُتنے ہی زیادہ گرم ہوتے۔ لیکن حالت اس کے بالکل برعکس ہے دنیا کو معلوم ہے کہ پہاڑی علاقے گرمی کے موسم میں بھی اتنے سرد ہیں کہ وہاں گرم کپڑوں کے بغیر نہیں رہا جاسکتا، پھر اس کی وجہ کیا ہے؟ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ آفتاب کی شعاعیں جب آسمان سے زمین تک آتی ہیں تو راستے میں براہ راست کسی چیز کو گرم نہیں کرسکتیں۔ تاوقتیکہ یہ کسی ٹھوس چیز پر پڑکر منعکس نہ ہوں ہمیں ان کی حرارت محسوس نہیں ہوسکتی۔ ہوا خواہ کتنی ہی صاف کیوں نہ ہو اس میں گرد و غبار ہمیشہ اُڑتا رہتا ہے گرد و غبار کے نہایت ہی چھوٹے چھوٹے ذرّے ہر وقت ہوا میں تیرتے پھرتے ہیں آفتاب کی حرارت جب زمین پر پہنچتی ہے تو وہاں سے منعکس ہوکر گرد و غبار کے ذروں پر پڑتی ہے اور وہ گرم ہوجاتے ہیں ان کے گرم ہونے سے ہوا بھی گرم ہوجاتی ہے گویا ہوا کو گرم کرنے کے لیے پہلے ذروں کا گرم ہونا ضروری ہے۔

لیکن ذرّے زیادہ تر زمین ہی کے قریب ہوتے ہیں۔ اس لیے زمین کے قریب کی ہوا زیادہ گرم ہوتی ہے۔ جوں جوں بلندی ہوتی جاتی ہے توں توں یہ ذرّے کم ہوتے جاتے ہیں۔ اور ہوا ٹھنڈی ہوتی جاتی ہے۔ یہی باعث ہے کہ جتنا بلند پہاڑ ہوتا ہے اُتنا ہی زیادہ وہ سرد ہوتا ہے۔

کیا ہم رات کی بہ نسبت صبح کو زیادہ لانبے ہوتے ہیں؟

بظاہر یہ سوال بالکل مضحکہ خیز معلوم ہوتا ہے لیکن اس کی کچھ نہ کچھ اصلیت ضرور ہے۔

ہماری پشت کے درمیانی حصہ میں گردن سے لیکر کمر تک ایک استخوانی عمود ہے جسے ریڑھ کہتے ہیں۔ یہ عمود بہت سی گول گول ہڈیوں سے بنا ہے ان ہڈیوں کو "فقرات" کہتے ہیں۔ ہر دو فقرات کے درمیان ایک ایک لچکدار ہڈی ہوتی ہے ان لچکدار ہڈیوں کا فائدہ یہ ہے کہ جب ہماری کمر مڑتی تڑتی ہے تو ریڑھ ٹوٹ نہیں جاتی۔ اگر یہ ہڈیاں موجود نہ ہوتیں تو ہم اپنی کمر کو کبھی خمیدہ نہ کرسکتے۔ اگر خمیدہ کرنے کی کوشش بھی کرتے تو کوئی نہ کوئی "فقرہ" ٹوٹ جاتا اور ہم ہمیشہ کے لیے کوزپشت ہوجاتے گو اس میں شک نہیں کہ قدرت کی اس احتیاط کے باوجود بھی اکثر آدمیوں کی کمر ٹوٹ جاتی ہے!

اب دن بھر کام کرتے رہنے سے، اور کمر کو موڑتے توڑتے رہنے کی وجہ سے وہ لچکدار ہڈیاں اوپر سے نیچے کی طرف دب جاتی ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ تمام "فقرات" پہلے کی نسبت ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہوجاتے ہیں اور کمر کا طول نسبتاً کم ہوجاتا ہے پس جب کمر ہی چھوٹی ہوجائے تو ضروری ہے کہ جسم کی لمبائی بھی کم ہوجائے۔

جسم سردی سے کیوں کانپتا ہے؟

یہ ایک مسلّم اصول ہے کہ سردی سے چیزیں سکڑتی اور گرمی سے پھیلتی ہیں سوائے پانی کے کہ وہ سردی سے بھی پھیلتا ہے اور گرمی سے بھی۔ جس وقت ہمیں شدید سردی محسوس ہوتی ہے اُس وقت ہمارا جسم اینٹھ جاتا ہے اور اس کے ساتھ تمام عضلات و اعصاب بھی متشنج ہوجاتے ہیں۔

لیکن چونکہ جسم زندہ ہے اور خون پوری طاقت سے حرکت کررہا ہے اسلئے خون کی حرارت سے اعصاب گرم ہوکر پھر پہلی حالت پر آنا چاہتے ہیں۔ اب وہ کبھی تو اندرونی حرارت کی وجہ سے کھلتے ہیں اور کبھی باہر کی سردی سے سکڑتے ہیں اور یہ عمل اتنا جلدی ہوتا ہے کہ جسم لرزنے لگتا ہے۔

دیا سلائی

بچو! تم روزانہ دیا سلائی جلاتے ہو لیکن کبھی یہ خیال بھی کیا ہے کہ یہ جلتی کیوں ہے۔ آؤ ہم تمہیں بتائیں۔ ہم جب دیا سلائی کو رگڑتے ہیں تو یہ گرم ہو جاتی ہے اور اسی واسطے جلتی ہے۔ اپنی انگلی اپنے کوٹ پر رگڑو تو وہ گرم ہو جائیگی

دیا سلائی میں جو سمجھنے کی بات ہے وہ اس کا سرا ہے جہاں مصالحہ لگا ہوتا ہوتا ہے۔ یہ مصالحہ بہت سی چیزوں سے مرکب ہوتا ہے اور جب تک اس کو کسی چیز پر رگڑا نہ جائے وہ کبھی نہیں جلتا۔ جب ہم اس کو گھستے ہیں تو اتنا گرم ہو جاتا ہے کہ آگ نکل آتی ہے یا دوسرے الفاظ میں یہ چیزیں جب آکسیجن سے ملتی ہیں تو جلتی ہیں۔

پہلے پہل دیا سلائیوں کا رواج نہ تھا۔ لوگ پتھروں سے آگ نکالتے تھے۔ تقریباً سو برس کا عرصہ ہوا کہ دیا سلائی بنائی گئی مگر اس میں ایک تکلیف دہ وہ بات تھی اور وہ یہ کہ اسے زیادہ عرصہ تک گھسنا پڑتا تھا۔ اسی تکلیف سے بچنے کے لیے فاسفورس کا استعمال کیا گیا جس کے معنی "روشنی دینے والے" کے ہیں موجودہ دیا سلائیاں اُس زمانہ کی دیا سلائیوں سے بہت ملتی جلتی ہیں

فاسفورس کی دو قسمیں ہیں زرد یا سفید اور سرخ فاسفورس۔ اس کی ایک خاصیت یہ ہے کہ ہوا میں رکھنے سے فوراً جلنے لگتا ہے۔ اسلیے یہ دیا سلائیاں خطرہ سے خالی نہ تھیں۔ کبھی ایسا ہوتا کہ دیا سلائی خود بخود جلنے لگ جاتی۔ یا معمولی رگڑ لگنے سے جلنا شروع ہو جاتی۔ جس سے بہت سے حادثات پیش آئے کسی کا کوٹ جل گیا اور کسی کا کچھ۔

مزید برآں زرد فاسفورس جو دیا سلائیوں میں استعمال کیا جاتا تھا سخت زہریلا ہوتا ہے۔ ایک گرین کھانے سے آدمی مرجاتا ہے۔ بچے اکثر جیسا کہ ان کی عادت ہوتی ہے دیا سلائی منہ میں ڈال لیتے اور مرجاتے تھے۔ لوگ اس سے خودکشی کا بھی کام لیتے تھے۔ علاوہ ازیں دیا سلائیاں بناتے وقت فاسفورس سے جو دھواں نکلتا تھا وہ مزدوروں کیلئے سخت نقصان دہ تھا۔ اس سے اُن کے جبڑوں کی ہڈیاں خراب ہو جاتی تھیں۔ اس مصیبت کو دور کرنے کیلئے برن میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں تمام ممالک کے نمائندے شامل تھے اس کانفرنس میں یہ طے پایا کہ زرد فاسفورس کا استعمال ترک کر دیا جائے۔ اسکے بعد انیسویں صدی کی ابتدا میں دیا سلائیاں بنائی گئیں جنہیں ہم "سیفٹی میچ" کہتے ہیں اور جو آج کل رائج ہے۔

کوائف جامعہ

(ہمارے کوائف نگار خصوصی کے قلم سے)

نتیجہ امتحان بی۔ اے

اس ہفتہ بی۔ اے کے امتحان کا نتیجہ شائع ہو گیا۔ کامیاب طلبہ کی فہرست حسب ذیل ہے۔

معین الدین حارث	درجہ دوم	نمبر اول
عبدالحمید زبیری	" "	
عبدالباقی خاں	" سوم	

ہم کامیاب طلبہ کی خدمت میں ہدیہ مبارکباد پیش کرتے ہیں۔

کوشش کی جارہی ہے کہ جامعہ کے مدرسہ شبینہ کے لیے قرول باغ میں کوئی زمین حاصل کر لی جائے۔ بعض مخیر حضرات نے عمارت بنوانے کا وعدہ کیا ہے مدرسہ کے نگراں خواجہ حافظ فیاض احمد صاحب قابل مبارکباد ہیں جن کی کوشش سے مدرسہ روزافزوں ترقی کر رہا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ خبر بھی دلچسپی کے ساتھ پڑھی جائیگی کہ دہلی میونسپلٹی نے مدرسہ شبینہ کے لیے [illegible] روپے ماہوار منظور کیے ہیں یہ رقم اگرچہ بہت ناکافی ہے لیکن اس سے یہ ضرور معلوم ہوتا ہے کہ جامعہ نے اپنے کام کی وجہ سے میونسپلٹی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا ہے۔

جامعہ کی گوناگوں خصوصیات میں ایک قلمی رسالہ "جوہر" بھی ہے جسے طلبہ خود ہی مرتب کرتے ہیں، خود ہی اس کا انتظام کرتے ہیں، حتیٰ کہ خود ہی کتابت بھی کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ سے یہ رسالہ خاموش تھا، لیکن ۱۵ تاریخ کو اس کا پہلا نمبر بہت شان کے ساتھ نکلا ہے امید ہے کہ اس کا یہ دور اپنے پہلے دوروں کی طرح کامیاب ہوگا، اور وہ اپنی جماعت کے طلبہ کی صحیح خدمت کر سکے گا۔

جامعہ میں طلبہ کے آنے کا سلسلہ برابر جاری ہے۔ دارالاقاموں کی تعداد میں پہلے ہی اضافہ کیا جا چکا تھا لیکن اب پانچ کوٹھیاں بھی ناکافی معلوم ہوتی ہیں اور ایک اور دارالاقامہ حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ خدا کرے وہ بھی ناکافی [illegible]

حیرت انگیز رعایت

پندرہ روپے کی تین گھڑیاں

صرف دس روپے میں

محصول ڈاک اور پیکنگ بھی معاف

آپ کے لئے + آپ کے گھر کے لئے + بیوی کے لئے

قابل دید گولڈن رسٹ واچ	میکو گیٹر پاکٹ واچ	مشہور عالم بی ایم ٹائم پیس جرمن میڈ
گارنٹی ۵ سال — ۱۵	گارنٹی ۵ سال	گارنٹی ۵ سال
نئے ڈیزائن کی خوشنما فینسی ... قیمت معہ ... سنہری ... آٹھ آنے محصول ڈاک پیکنگ منی آرڈر فیس	نکل ملمع کیس خوبصورت مضبوط ڈائل نہایت صحیح بتانے والی قیمت صرف پانچ روپیہ آٹھ آنہ محصول ڈاک پیکنگ منی آرڈر فیس ۸	دیکھنے میں خوبصورت چال کا اچھا پندروں کا مضبوط ٹائم کا سچا بہت سستا قیمت ۴ روپے محصول ڈاک پیکنگ منی آرڈر فیس ۹

یہ تینوں گھڑیاں اگر آپ یک مشت طلب فرمائیں تو صرف دس روپے میں بھیجی جائینگی یہ رعایت محض مال کی نکاسی اور ... کی شہرت کی وجہ سے ہے اور یہ رعایت اسی وقت تک رہیگی جب تک یہ گھڑیاں اسٹاک میں رہیں گی۔ اسکے بعد قیمتیں بڑھ جائیں گی لہذا آپ فوراً ہی آرڈر بھیجدیں ایسا نہ ہو کہ اسٹاک ختم ہو جائے اور آپ کی فرمایش کی تعمیل نہ ہو سکے +

نوٹ :- ایک یا دو گھڑیوں کے خریدار کے لئے کوئی رعایت نہیں ہے اُنسے پوری قیمت مندرجہ بالا لی جائیگی۔ اور محصول ڈاک و پیکنگ وغیرہ بھی اُن کو ادا کرنا ہوگا +

ملنے کا پتہ :- امریکن واچ ہوس۔ ایسٹ اینڈ ویسٹ واچ کمپنی۔ مقام دہلی

صرف چھ آنے میں گھڑی

نہایت خوشنما۔ پائیدار۔ سچا وقت بتانے والی

سوئس میڈ رسٹ واچ یا اصلی ریگولیٹر پاکٹ واچ یا امریکن انسونیہ الارم ٹائم پیس اگر آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں تو آج ہی ایک روپیہ چھ آنہ بذریعہ منی آرڈر ہم کو بھیجدیں۔ منی آرڈر ملنے پر آپکی خدمت میں ایک انعامی ٹکٹ اور چار ٹکٹ قیمتی فی عدد چھ آنہ بھیجدینگے۔ انعامی ٹکٹ آپ اپنے پاس رکھیں اور چاروں ٹکٹ اپنے دوستوں عزیزوں میں چھ چھ آنہ فروخت کر کے (۱۸) ایک روپیہ آٹھ آنہ وصول کریں اور ہر خریدار سے ہدایت کریں کہ وہ ایک روپیہ آٹھ آنہ بذریعہ منی آرڈر ہم کو بھیجدیں یا آپ خود ہر ایک سے وصول کر کے کل چھ روپے بھیجدیں اور جو گھڑی پسند فرمائیں وہ بھی لکھدیں۔ روپے وصول ہونے پر آپ کی خدمت میں پسند شدہ گھڑی بذریعہ پارسل محصول ڈاک خود ادا کر کے بھیجدینگے اس صورت میں یہ گھڑی آپ کو صرف چھ آنہ میں حاصل ہو گی۔ اور آپکے چاروں خریدار بھی آپکے خریداروں کے خریدار اور تمام سلسلہ خریدار بھی اسی طرح چھ چھ آنہ میں پسند شدہ گھڑی ہاتھ کی یا جیب کی یا انسونیہ امریکن الارم ٹائم پیس پسند شدہ حاصل کرتے رہیں گے +

جلدی کیجئے اور آج ہی منی آرڈر اور اطلاعی کارڈ معہ مفصل پتہ کے روانہ کیجئے + اس زرین موقعہ سے آپ بھی فائدہ اٹھائیں اور دوستوں کو بھی فائدہ پہنچائیں

ملنے کا پتہ :- امریکن واچ ہوس نمبر ۸۷ دہلی

اُردو زبان میں پہلا اخلاقی ڈراما

"پردۂ غفلت"

مصنفہ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی (برلن)

اگر آپ مسلمان خاندانوں کی معاشرت کی سچی تصویر تعلیم نسواں۔ آزادی نسواں اور پردہ پر مفید اور محققانہ بحث، فن ڈراما نویسی کا اعلیٰ نمونہ اور دلچسپ ظرافت آمیز قصہ ملاحظہ فرمانا چاہتے ہیں تو "پردۂ غفلت" کو پڑھیے۔ مطبوعہ شرکت کاویانی برلن حجم ۱۴۶ صفحات۔ سائز ۱۸×۲۲ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ عہ

ملک کے مشہور ارباب صحافت نے جن تبصروں میں اس ڈرامے کا شاندار خیر مقدم کیا ہے ان میں سے بعض کا اقتباس درج ذیل ہے۔

رسالہ نگار رقمطراز ہے۔ اس وقت اردو میں حقیقتاً "پردۂ غفلت" ہی ایک ایسا ڈراما ہے جسکو ہم صحیح معنی میں اس لفظ سے موسوم کر سکتے ہیں۔ ... ڈراما پڑھنے والا ایسا محسوس کرتا ہے کہ تمام باتیں واقعی اس کے سامنے ہو رہی ہیں، مسائل معاشرت پر ایسے عمیق خیالات ظاہر کیے گئے ہیں جن سے زیادہ نفسی تجربہ ہیں۔ ... ایک مزاحی کیرکٹر بھی ہے اور وہ بھی کم دلچسپ نہیں۔

ہمارا ہمدرد لکھتا ہے۔ واقعی مفید اور صحیح معنوں میں مصلح ڈراما ... مصنف کی اس جرأت پر حیرت ہوتی ہے ... سید عابد حسین صاحب نے "پردہ غفلت" تصنیف فرما کر حقیقت ادب اردو کی ایک گراں بہا خدمت کی ہے وہ اصحاب جنہیں قدرت نے ذوق سلیم عطا فرمایا ہے ضرور اسکی قدر کرینگے خدا وہ دن لائے کہ اس قسم کی تصانیف ملک میں رواج پا کر عام مذاق کی بھی اصلاح کر دیں۔

ملنے کا پتہ :- مکتبہ جامعہ ملیہ۔ قرول باغ دہلی

مفید اور کارآمد کتابیں

تاریخ الامت :- تاریخ اسلام کا سلسلہ تحقیق و تنقید کے ساتھ اردو میں پہلی چیز ہے۔ مولانا حافظ محمد اسلم صاحب جیراجپوری نے اس کی تالیف سے مسلمانوں پر احسان عظیم کیا ہے طرز تحریر سادہ اور زبان سلیس :- (۱) سیرۃ الرسول ؏ (۲) خلافت راشدہ ؍ (۳) بنی امیہ ؏ (۴) بنی عباس جلد اول ؏ (۵) جلد ثانی ؏ ۔

انتخاب کلام میر :- زبان اردو کے بہترین شاعر کے کلام کا انتخاب۔ ابتدا میں حالات زندگی اور محاسن کلام میر پر دلچسپ مقدمہ از مولوی نور الرحمن صاحب بی اے (علیگ) مجلد ؏

مسدس حالی :- مجلد ؏

دیوان غالب :- طلبہ اور عام شائقین کے روزانہ استعمال کے لئے مجلد ۸؍

اورنگ زیب عالمگیر :- مولانا شبلی کی مشہور تصنیف خوبصورت ٹائیٹل اعلیٰ کاغذ کے باوجود قیمت صرف ۸؍

تاریخ فلسفہ اسلام :- ہالینڈ کے مشہور فلسفی ٹی۔ جے ڈی بوئر کی تصنیف کا جرمن زبان سے براہ راست ترجمہ۔ از ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم۔ اے۔ پی ایچ۔ ڈی (برلن) ؏

پردۂ غفلت :- ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب کا دلچسپ ڈرامہ مطبوعہ شرکت کاویانی برلن قیمت ؏ ۔

محشر خیال :- سجاد علی انصاری بی۔ اے۔ ایل ایل۔ بی (علیگ) کے مضامین کا مجموعہ طباعت و کتابت کی جملہ خوبیوں سے آراستہ۔ نہایت خوبصورت جلد۔ قیمت صرف ۱۲؍

تیاتیر :- فارسی جدید میں مرزا ملکم خان ناظم الدولہ کے تین ڈراموں کا مجموعہ جس میں گذشتہ صدی کے نظام حکومت ایران کی تصویر کھینچی گئی ہے، مطبوعہ جرمنی قیمت ؏ ۔

طہران مخوف :- (یادگار یک شب) فارسی ناول مطبوعہ جرمنی قیمت دو روپیہ آٹھ آنے ۸؍۲

ملنے کا پتہ :- مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ دہلی۔

علامۃ الانام مولانا ابوالکلام آزاد

کی

بیس کتابوں کا سٹ

اصل قیمت ؏ رعایتی قیمت ؏

---

(۱) مضامین ابوالکلام آزاد حصہ اول ۱۰؍ (۲) حصہ دوم ۱۲؍ (۳) حصہ سوم ۱۲؍ (۴) حصہ چہارم ۱۲؍ (۵) حصہ پنجم ۱۲؍ (۶) حصہ ششم ۱۲؍ (۷) لیلۃ القدر ۱؍ (۸) الحریت فی الاسلام ۱۲؍ (۹) دعوت حق ۶؍ (۱۰) دعوت عمل ۸؍ (۱۱) صدائے حق ۸؍ (۱۲) حزب اللہ ۱۲؍ (۱۳) جہاد اور اسلام ۶؍ (۱۴) بیان مولانا ابوالکلام ۴؍ (۱۵) خطبات سیاسیہ ۶؍ (۱۶) مولانا کا آخری پیغام ۱؍ (۱۷) خطبہ صدارت نویری ۶؍ (۱۸) خطبہ صدارت تحریری ۶؍ (۱۹) خطبہ صدارت جلسہ آگرہ ۵؍ (۲۰) تازہ مضامین مولانا ابوالکلام آزاد ۱۰؍

ملنے کا پتہ :- مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ۔ قرولباغ۔ دہلی۔

رسالہ جامعہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ کا یہ ماہوار علمی و ادبی رسالہ چار سال سے ملک و قوم کی خدمت کر رہا ہے اور اپنے سنجیدہ اور بلند پایہ مضامین کی بدولت ملک کے بہترین رسائل میں شمار کیا جاتا ہے۔ اس کو یہ فخر حاصل ہے کہ اسے ایسے مواقع بھی حاصل ہیں کہ شباب حاضرہ اور علوم جدیدہ کے متعلق علمی وغیرہ مضامین شائع کر سکے۔ اس طرح یہ رسالہ ایک بہت بڑی کمی کو پورا کر رہا ہے جو اردو زبان کو کوئی رسالہ طلبہ کیلئے ایسے مفید اور عمدہ مضامین ملسکتے ہیں کسی پرچے میں نہیں مل سکتے۔ پرچہ کی کتابت نہایت بہتر اور دیدہ زیب ہوتی ہے ضخامت ۸۰ صفحے ہے۔ چندہ سالانہ صرف پانچ روپے

ملنے کا پتہ :- منیجر رسالہ جامعہ قرولباغ۔ دہلی

بحکم جناب شیخ الجامعہ صاحب زیر اہتمام سید عابد حسین صاحب پرنٹر و پبلشر مطبع جامعہ ملیہ میں چھپکر دفتر "پیام تعلیم" سے شائع ہوا

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶۱

پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا

پیامِ تعلیم

خریداران رسالہ جامعہ سے
صرف ایک روپیہ
نمونہ مفت

قیمت سالانہ عہ
ششماہی ۱۴ر
فی پرچہ ۱ر

اڈیٹر۔ سعید انصاری بی۔ اے (جامعہ)

جلد ۳ ۔۔۔ ۷ر ستمبر سنہ ۱۹۲۷ ۔۔۔ نمبر ۱۰

طلبہ شام کے وقت ہاکی کھیل رہے ہیں

شذرات

دنیا تو ہم میں تعلیم کی یونہی کمی ہے لیکن تھوڑی بہت تعلیم ہی اس درجہ ناقص ہے اور بے کار ہے کہ ایک حقیقی تعلیم یافتہ میں جو منافع اور فوائد ہو سکتے ہیں، وہ آج کل ہمارے نوجوانوں میں ہرگز نہیں پائے جاتے۔ ہم نے چند کتابوں کے پڑھ لینے یا ٹوٹے پھوٹے چند جملے لکھ لینے کا نام تعلیم رکھ چھوڑا ہے۔ اس سے بحث نہیں کہ اس تعلیم کا اثر کہاں تک ہمارے دل و دماغ اور جسم و روح پر ہوتا ہے اور کہاں تک یہ تعلیم ہم کو مکمل انسان بننے میں مدد دیتی ہے

دل و دماغ پر جیسا اثر اس موجودہ تعلیم نے ڈالا ہے وہ اظہر من الشمس ہے آج ہماری تعلیم گاہوں سے کتنے ہیں جو اعلیٰ اخلاق اور اسوۂ حسنہ کا ایک پیکر بن کر نکلتے ہیں؟ کتنے ہیں جو ایجاد و اختراع، اجتہاد و تفقہ کا ذوق لے کر پیدا ہوتے ہیں؟ ان درسگاہوں سے رخصت ہونے سے قبل ہمارے دل و دماغ ہم سے رخصت ہو چکتے ہیں۔ لے دے کے جسم رہ جاتا ہے۔ بہ بانگ دہل کہا جاتا ہے کہ ہمارے ہاں انواع و اقسام کے کھیلوں کا انتظام ہے، طرح طرح کی ورزشوں کا سامان ہے۔ لیکن سچ بتائیے کہ کیا یہ کھیل اور ورزش کسی طرح بھی آپ کے بچوں کی صحت جسمانی اور نشو و نمائے بدنی میں مدد دیتے ہیں؟ آپ کے بچے جب اسکولوں اور کالجوں سے نکلتے ہیں تو کیا وہ صحت ور اور تنومند ہوتے ہیں؟ کیا ان میں معدہ اور سینہ کے امراض کی ایک نہیں ہزارہا شکایتیں نہیں ہوتیں؟ کیا وہ ضعف بصارت، ضعف سماعت، ضعف دماغ، ضعف دل وغیرہ سے نالاں نہیں ہوتے؟ کیا یہ بوڑھے نوجوان بہ حیثیت مجموعی ایسے نہیں ہوتے کہ ان کی جوانی کو ان سے ننگ آتا ہو؟

ہمارا قدیم طریقہ تعلیم جس میں ممکن ہے بہت کچھ عیب و نقص نکالا جائے لیکن کم سے کم اس عیب سے تو وہ بالکل پاک تھا۔ اس زمانہ میں طلبہ ہنستے کھیلتے قوی ہیکل اور تنومند ہوتے تھے۔ ان کے ہاں کھیل کوئی آرٹ نہیں سمجھا جاتا تھا جس سے صرف دماغی تعیش مقصود ہو، بلکہ وہ جسم اور اعضا کے ترقی اور نشو و نما کا ایک ذریعہ خیال کیا جاتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس زمانے کے طلبہ مختلف کھیلوں کے علاوہ پانی میں تیرنا، گھوڑے کی سواری، کشتی لڑنا، لکڑی چلانا وغیرہ وغیرہ ہزاروں قسم کے ایسے فنون سے واقف ہوتے تھے جو صحت جسمانی کو قائم رکھنے اور اس کو ترقی دینے میں مدد و معاون ہوتے تھے۔

آج بھی انگلستان میں "پبلک اسکولوں" کے نام سے ایسی درسگاہیں ہیں جہاں بچوں کو مروجہ کھیلوں کے علاوہ ان فنون سے واقف کیا جاتا ہے۔ ان تعلیمگاہوں میں بچوں کو گھوڑے کی سواری، پانی کا تیرنا اور اسی قسم کے دوسرے فنون سکھائے جاتے ہیں۔ لوگ اپنے اپنے بچوں کو ہزاروں روپے خرچ کر کے ان اسکولوں میں بھیجتے ہیں، تاکہ وہ علم و کمال کے ساتھ جسم اور صحت کے لحاظ سے بھی اعلیٰ اور افضل ہوں اور وہ جب دنیا میں قدم رکھیں تو دماغی علوم ہی کے زیور سے آراستہ نہ ہوں بلکہ ان جسمانی فنون سے بھی مرصع ہوں۔

جامعہ ملیہ کی اپنے محدود بساط کے اندر جہاں یہ کوشش ہے کہ اس کے بچے دل و دماغ کے زیورات سے آراستہ ہو کر نکلیں وہاں وہ اس کے لیے بھی ہر وقت بے چین رہتی ہے کہ صحت جسمانی اور طاقت بدنی کے اعتبار سے بھی وہ کسی طرح پیچھے نہ رہیں۔ چنانچہ باوجود محدود ذرائع ہونے کے جامعہ نے بہت سی اس قسم کے کھیلوں کا انتظام رکھا ہے اور اس کی یہ کوشش نہیں ہو [illegible] دو سو میں سے گیارہ کھلاڑیوں کی ایک اچھی ٹیم تیار ہو جائے، بلکہ تمام طلبہ زیادہ سے زیادہ اور پابندی و التزام کے ساتھ ان کھیلوں میں برابر حصہ لیا کریں اور دوسری تعلیم گاہوں کی طرح یہ نہ ہو کہ ٹیم سب سے اچھا کھلاڑی جسم و صحت کے اعتبار سے سب سے زیادہ [illegible] بے کار ہو بلکہ اس کا ہر لڑکا کھیل کے فن سے واقف ہونے کے ساتھ [illegible] صحت ور اور تنومند بھی ہو کیونکہ ورزش جسمانی کا اہتمام [illegible] اس کے علاوہ ہے تاکہ جو لڑکے ہاکی، فٹ بال، اور کرکٹ وغیرہ کی [illegible] بچ رہیں، یہ تو نہ ہو کہ انھیں ہاتھ پاؤں ہلانے کی کبھی نوبت ہی [illegible] وہ اور نہ سہی تو کم سے کم دن رات میں نصف گھنٹہ، پون گھنٹہ [illegible] میں اپنے اعضا اور جوارح کو حرکت دے لیا کریں۔

لیکن جامعہ نے صرف اسی پر بس نہیں کیا ہے، بلکہ وہ اس فکر میں بھی رہتی ہے کہ ہمارے قدیم طریقہ تعلیم میں یا آج بھی (دیکھو صفحہ ۲ کالم ۲)

امریکہ میں ابتدائی تعلیم

(از ڈاکٹر سدھیندر ناتھ بوس پی - ایچ ڈی)

غالباً امریکہ میں عوام کو مفت تعلیم دینے کا جو نظام ہے اس سے وسیع نظام تعلیم دنیا کے کسی اور ملک میں نہ ہوگا۔ ممالک متحدہ امریکہ کے ایجوکیشنل کمشنر کی رپورٹ سے جو حال ہی میں شائع ہوئی ہے معلوم ہوتا ہے کہ اس ملک کے ابتدائی مدارس کے طلبا اور اساتذہ کی تعداد اور سالانہ اخراجات دوسرے تمام ملکوں کے تمام مدارس کے طلبا و اساتذہ کی مجموعی تعداد اور اخراجات سے بڑھ کر ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس سے زیادہ وسیع نظام تعلیم دنیا کے کسی اور ملک میں موجود نہیں۔

ممالک متحدہ کی تمام ریاستوں میں یہ ضروری خیال کیا جاتا ہے کہ ہر شخص کم از کم ابتدائی تعلیم پوری پوری حاصل کرے چنانچہ ہر ریاست میں ابتدائی مدارس میں طلبا کی حاضری لازمی ہے امریکہ میں تہذیب و تمدن کے مرکز یعنی بڑے شہروں سے کوئی مقام خواہ کتنے ہی فاصلے پر ہو اور اس مقام کی آبادی خواہ کتنی ہی کم ہو اس مقام پر ابتدائی تعلیم کا انتظام ضرور ہوگا۔ اس ملک میں بھی جہاں انکی آبادی بہت ہی کم ہے ابتدائی مدارس موجود ہیں ان کے اخراجات عوام برداشت کرتے ہیں۔ ان مدارس میں اوقات طلبہ کی تعداد ... سے زائد نہیں ہوتی۔ امریکہ کا یہ وسیع تعلیمی نظام امریکہ کے لیے ... خیال میں واقعی باعث ناز و افتخار ہیں۔

طلبا کی صحت جسمانی

امریکہ کے ماہرین تعلیم نے عام طور پر اس اصول کو تسلیم کر لیا ہے کہ تعلیم مکمل اسی وقت ہو سکتی ہے جب اس سے طلبا کے دل، دماغ اور جسم، تینوں کی پوری پوری تربیت ہو سکے۔ کمسن طلبا کے ذہن میں یہ خیال رائج کرایا جاتا ہے کہ صرف دماغی اور اخلاقی تربیت کافی نہیں ہے بلکہ جسمانی تربیت یا بالفاظ دیگر صحت بھی ضروری ہے۔

طلبا کی جسمانی صحت کے مسئلے کو امریکہ میں بہت زیادہ اہمیت دی گئی ہے اور اس اہمیت کو عوام کے ذہن نشین کرانے کے خیال سے امریکہ کی تمام ریاستوں میں یکم مئی کا دن "یوم صحت اطفال" (Child Health Day) قرار دیا گیا ہے۔

امریکہ کا ہمیشہ سے یہ مقصد رہا ہے کہ بلحاظ صحت جسمانی اس کا درجہ بہت بلند رہے عام طور پر امریکن لوگ چست و چالاک ہوتے ہیں اور ان کی صحت بہت ہی اچھی ہوتی ہے لیکن یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ ان میں یہ خوبیاں خود بخود یا بلا کوشش کے پیدا ہو گئی ہیں امریکہ والے یہ محسوس کرتے ہیں کہ ایسے بچوں سے جن کے دانت اور آنکھیں کمزور ہوں اور جن کی کمر خمیدہ ہو آئندہ زندگی میں ان تمام ترقیوں کی توقع نہیں کی جا سکتی جو ایک تندرست اور توانا انسان سے ہو سکتی ہے اسی لیے بچوں کے امراض جسمانی کے علاج کو وہ تمام چیزوں پر مقدم سمجھتے ہیں جوانی اور بڑھاپے میں صحت اسی صورت میں اچھی رہ سکتی ہے جب اس کی بنیاد عہد طفلی میں پڑی ہو۔ پورے ملک میں ... سے زائد شفاخانے بچوں کے امراض کے علاج کے لیے قائم ہیں۔ ان شفاخانوں میں ماہر معالج مدارس کے طلبا کے صحت کی نگرانی کا فرض انجام دیتے ہیں، ڈاکٹری معائنہ سے جو بلا فیس کیا جاتا ہے بعض اوقات بچوں میں ایسے امراض کا پتہ چلتا ہے جن کا بظاہر شبہ بھی نہیں ہو سکتا ہے ان امراض کا اگر بر وقت علاج نہ کیا جائے تو بسا اوقات اس سے بچے کی زندگی بیکار جانے کا خوف ہوتا ہے۔ بدنصیب ہندوستان میں محض بچوں کے علاج کے لیے ایسے کتنے شفاخانے ہیں؟ ایسے بچوں سے جو کمزور اور امراض میں مبتلا ہوں ہم ... امید نہیں کر سکتے ... وہ اپنی آئندہ زندگی میں قوی اور تندرست ہوں گے۔

تعلیم کی قدر فلزاتی

دس سال سے زیادہ عرصہ سے امریکہ کے نظام تعلیم سے میرا عملی تعلق ہونے کی وجہ سے مجھے اس کا علم ہے کہ امریکہ میں تعلیم بہت گراں ہے۔ لیکن اس تعلیم کا طالب علم کی دولت پیدا کرنے کی قوت پر جو اثر پڑتا ہے اسے دیکھ کر میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ اس لحاظ سے بھی یہ تعلیم فائدہ بخش ہے۔ اب اس امر میں شبہ نہیں ہو سکتا کہ کسی شخص کی تعلیم جتنی زیادہ ہو اسی نسبت سے اس کی دولت پیدا کرنے کی قوت میں بھی اضافہ ہوتا ہے آج سے چند سال قبل بوسٹن (Boston) یونیورسٹی کے پروفیسر لارڈ نے اپنی وسیع تحقیقات سے یہ ثابت کیا تھا کہ اوسطاً ایک گریجوایٹ کے اختتام

تعلیم کے زمانے سے لے کر ۶۰ سال تک کی عمر میں روپیہ پیدا کرنے کی قوت میں دو لاکھ سولہ ہزار روپے کا اضافہ ہوتا ہے اور اس اضافہ کی وجہ اس کی اعلیٰ تعلیم ہے جو وہ کالج میں حاصل کرتا ہے۔ اسی طریقۂ اعداد و شمار سے یہ اندازہ لگایا گیا تھا کہ ہائی اسکول کی تعلیم سے اس قوت میں ۹۹۰۰۰ روپے کا اضافہ ہوتا ہے گویا ابتدائی تعلیم کے مقابلے میں امریکہ میں اعلیٰ تعلیم کی قدر فلزاتی تین لاکھ پندرہ ہزار روپیہ ہے۔

بعض حضرات یہ اعتراض کر سکتے ہیں کہ تمدنی یا تعلیمی ترقی کی قدر فلزاتی کا تعین ناممکن ہے اور اس لحاظ سے تعلیم کی قدر فلزاتی کے تعین کی کوشش بے سود ہے۔ یہ اعتراض ایک حد تک صحیح ہے اور خود پروفیسر لارڈ نے بار ہا اس امر کا اعتراف بھی کیا ہے کہ تعلیم کی قدر کا اندازہ بلحاظ زر محسوس نہیں کیا جا سکتا اور واقعی تعلیم اس سے بالاتر چیز ہے مگر اس کے ساتھ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ تعلیم اور انسان کی دولت پیدا کرنے کی قوت دونوں میں بہت قریبی تعلق ہے اور یہ ممکن ہے کہ روپیہ پیدا کرنے کی اس قوت کا اندازہ بلحاظ زر کیا جائے۔ دنیا کے روزانہ کے کاروبار میں تعلیم کی بلاشبہ ایک قدر ہے اور ایسی تعلیم جو اس کاروبار میں عملی مدد پہنچا سکتی ہو موجودہ زمانے کے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے بہت زیادہ کارآمد ہے۔

مدارس کے اساتذہ

اس نظام تعلیم کی کامیابی بڑی حد تک مدارس کے اساتذہ کی کوششوں کی رہین منت ہے۔ اساتذہ کوشش کرتے ہیں کہ ہر طالب علم کی پوری قوت کام میں لائی جائے وہ ہر طالب علم کو ایک "جاندار ستے" خیال کرتے ہیں نہ کہ "بے جان مشین"۔ استاد کا طالب علم کے ساتھ برتاؤ ہمدردانہ ہوتا ہے اور اس کا مقصد طالب علم کی امداد۔ استاد کا یہ دوستانہ اور آزاد سلوک طالب علم کو استاد کا گرویدہ بناتا ہے اور اس کے قویٰ کو کام میں لاتا ہے اور اس طریقے پر دونوں اپنی زندگی کا لطف حاصل کرنے لگتے ہیں۔ یہ تمام باتیں اسی لیے ممکن ہوتی ہیں کہ استاد اپنے آپ کو طالب علم کا "قابل اعتماد دوست" ثابت کرتا ہے اور اسے یہ خیال نہیں ہوتا کہ رعب یا دھمکی سے کام لے کر شاخ سبز کی طرح طالب علم کو جس طرح چاہے موڑ دے۔

قدرتی طور پر امریکہ والے جن کے ہاں ہر سال اساتذہ کو انتخاب ہوتا ہے اس میں غیر معمولی احتیاط برتتے ہیں۔ میں یہ نہیں کہتا کہ اس انتخاب میں ہمیشہ اساتذہ کی علمیت اور معلمی کی مہارت ہی دیکھی جاتی ہے جہاں تک مجھے علم ہے امریکہ کا کوئی پبلک اسکول کسی غیر ملکی شخص کو استاد نہیں مقرر کرے گا خواہ اس کی علمیت کتنی ہی بلند پایہ کیوں نہ ہو مدارس کے عہدہ دار صرف غیر ملکیوں ہی کے مخالف نہیں ہیں بلکہ ان میں نسلی اور مذہبی تعصب بھی پایا جاتا ہے۔ مجھے علم ہے کہ بہت سے قابل اساتذہ محض اس وجہ سے کہ وہ رومن کیتھولک یا یہودی ہیں پروٹسٹنٹ فرقے کے مدارس میں ملازمت حاصل نہ کر سکے ایک عرصہ ملازمت کرنے کے بعد یہ ممکن ہے کہ انہیں اسسٹنٹ امریکنوں کا درجہ حاصل ہو لیکن یہ ایک لمحے کے لیے بھی ممکن نہیں کہ ان کا درجہ وہی ہو جائے جو پروٹسٹنٹ فرقے "امریکن سیکسن" کو حاصل ہے کیونکہ ان امریکن سیکسن لوگوں کے متعلق عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ امریکیوں کے نسلی، تعلیمی، مذہبی اور ملکی اصولوں کے محافظ ہیں۔ کسی ایسے پبلک اسکول میں جس کا انتظام پروٹسٹنٹ فرقے کے ہاتھ میں ہو کسی غیر ملکی یا غیر پروٹسٹنٹ کا تقرر خدائی قانون کی خلاف ورزی اور گناہ عظیم شمار کیا جاتا ہے۔

جب اساتذہ کا تقرر عمل میں آتا ہے تو انہیں اسکول کے عہدہ داروں کے ساتھ ایک معاہدہ کرنا پڑتا ہے جس کی رو سے استاد اپنا کام ایمانداری کے ساتھ کرنے اور اپنی نج کی زندگی بہت ہی پاکبازی کے ساتھ گزارنے کا عہد کرتا ہے اگر استاد نے اس معاہدہ کی پابندی نہ کی تو وہ اپنی ملازمت بھی کھو بیٹھتا ہے اور اس کی تنخواہ بھی ضبط ہوتی ہے۔ شمالی کیرولینا کے ایک شہر میں اساتذہ کو جو معاہدہ کرنا پڑتا ہے اس کی چند شرائط حسب ذیل ہیں (غالباً یہ شرائط کسی ایسے معاہدہ کی ہیں جو استانیوں کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ مترجم)

"میں عہد کرتی ہوں کہ نہ کبھی کسی ناچ گھر میں جاؤں گی اور نہ ایسا لباس پہنوں گی جس سے بے حیائی کا اظہار ہوتا ہو اور نہ کوئی ایسا فعل کروں گی جو ایک عورت یا معلمہ کے شایان شان ہو۔

"میں عہد کرتی ہوں کہ نہ کبھی کسی کی محبت میں گرفتار رہوں گی اور نہ کسی سے خفیہ طور پر نسبت یا شادی کروں گی۔

"میں عہد کرتی ہوں کہ مدرسے کے کام کے علاوہ اپنا سارا وقت اپنے رہنے کے کمرہ میں یا مدرسے ہی کے حدود میں گذاروں گی۔

میں عہد کرتی ہوں کہ روزانہ رات کے وقت کم از کم آٹھ گھنٹے سویا کروں گی، غذا احتیاط برلوں گی اور اپنی صحت اچھی رکھنے کے لیے امکانی کوشش کروں گی تاکہ اپنے طلبا کی اچھی طرح خدمت کرسکوں۔

"میں عہد کرتی ہوں کہ اس امر کو کبھی فراموش نہ کروں گی کہ شہر والوں کی جو لبی تنخواہیں لیتے ہیں خدمت کرنا میرا فرض ہے اور اسکول کے عہدہ داروں کی اور سپرنٹنڈنٹ کی جنھوں نے مجھے ملازم رکھا ہے، عزت کرنا میرا فرض ہے۔ میں ہر وقت اپنے آپ کو شہر والوں کی اور اسکول بورڈ کی فرمانبردار خادمہ سمجھوں گی اور ہر اس کام میں جو شہر والے یا طلبا یا مدرسے کی بہبود کے لیے کیا جائے حتی الامکان مدد پہنچاتی رہوں گی۔"

بظاہر یہ معاہدہ بہت سخت معلوم ہوتا ہے لیکن باوجود اس سختی کے مدرسے کی تمام حالت پر اس کا اچھا اثر ضرور پڑتا ہے۔ میری رائے ہے کہ اگر ہم بھی کوئی ایسا طریقہ اختیار کریں جس سے عوام اور مدرسہ میں گہرا تعلق پیدا ہو تو یہ ہندوستان کی تعلیمی ترقی میں ہمارا بہت اہم قدم رہے گا۔ اس طریقے کے اختیار کرنے کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہمارے ملک کے حصے جو اب تک بہت پستی کی حالت میں ہیں بہت جلد تہذیب و تمدن سے آشنا ہو جائیں گے۔ ہندوستانیوں سے میری یہ درخواست ہے کہ وہ اس طریقہ پر عمل پیرا ہوں۔

۲۹ر اکتوبر ۱۹۲۶ء کو "پیام تعلیم" کا تاسیس نمبر نہایت آب و تاب کے ساتھ نکلے گا۔ مضمون نگار اور اشتہار دینے والے حضرات اپنے مضامین اور اشتہارات آخر ستمبر تک بھیج دیں۔

نوٹ۔ اشتہار دینے والوں کے لیے یہ ایک نادر موقع ہے۔

نرخ اشتہارات کے لیے وہ پتہ ذیل پر خط و کتابت کریں۔

منیجر "پیام تعلیم" قرول باغ۔ دہلی

قومی تعلیم

(از مہاتما گاندھی)

"یہ مضمون "ینگ انڈیا" میں ترک موالات کے زمانہ میں نکلا تھا جو اپنی حقیقت و صداقت کے لحاظ سے آج بھی وہی اہمیت اور دلچسپی رکھتا ہے" (اڈیٹر)

میری رائے میں موجودہ نظام تعلیم قطع نظر اس کے کہ اس کا تعلق ایک ایک سراپا ظالم اور ناانصاف حکومت سے ہے تین حیثیتوں سے نہایت ناقص ہے۔

(۱) اس کی بنیاد ملکی تمدن کو یکسر خارج کرکے تمام تر غیر ملکی تہذیب پر رکھی گئی ہے۔

(۲) یہ نظام دل اور ہاتھ کی تعلیم کو بالکل نظرانداز کردیتا ہے اور محض دماغی تعلیم تک اپنے کو محدود رکھتا ہے۔

(۳) حقیقی تعلیم غیر زبان کے ذریعہ سے محال ہے۔

اب ہم کو ان تینوں نقائص کی جانچ کرنی چاہیے۔ تقریباً ابتدا ہی سے درسی کتابوں میں ان چیزوں کا تذکرہ ہوتا ہے جن سے ہمارے ہاں کے لڑکے لڑکیاں قطعی ناآشنا ہوتے ہیں۔ اُن کتابوں میں ان چیزوں کا بیان ہی نہیں ہوتا جن سے ہمارے ہاں کے لڑکے اور لڑکیوں کو گھروں میں سابقہ پڑتا ہے۔ درسی کتابوں کے ذریعہ سے بچے کو یہ نہیں بتایا جاتا کہ خانگی زندگی میں کیا چیز اچھی ہے اور کیا چیز بُری۔ اس کو اپنے ماحول پر فخر کرنے کی تعلیم کبھی نہیں دی جاتی۔ جس قدر وہ بلندی کی طرف چڑھتا ہے اُسی قدر اس کو اپنے خانگی معاملات سے بعد ہوجاتا ہے۔ یہاں تک کہ اختتام تعلیم پر وہ اپنے ماحول سے بالکل متنفر ہوجاتا ہے۔ خانگی زندگی میں اس کو کوئی شعریت محسوس نہیں ہوتی اور نہ کوئی دلچسپی ہوتی ہے دیہات کے قدرتی مناظر اس کے لیے ایک مہر شدہ صحیفہ ہیں۔ خود اس کا تمدن اس کے سامنے اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ گویا وہ بربریت توہمات اور کمزوریوں سے پُر ہے۔ اور تمام عملی اغراض کے لیے بیکار۔ اس کی تعلیم کی غایت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی تہذیب سے پھر جائے۔ اور اگر بیشتر تعداد تعلیم یافتہ نوجوانوں کی اپنی قومیت کو کلی طور پر نہیں بدل دیتی تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں

قدیم تہذیب اس قدر سرایت کر گئی ہے کہ کوئی تعلیم خواہ اس کی نشو و نما کیلئے کتنی ہی مضر کیوں نہ ہو اسے پورے طور پر مٹا نہیں سکتی۔ اگر میرا بس چلتا تو میں موجودہ درسی کتابوں کی ایک بڑی تعداد جلوا دیتا اور ان کے بجائے ایسی کتابیں لکھواتا جو خانگی زندگی سے تعلق رکھیں اور ان پر اثر ڈالیں۔ تاکہ لڑکا جب ان کو پڑھے تو اپنے قریب ترین ماحول پر اپنا اثر ڈال سکے۔

دوسرے یہ کہ غیر ممالک کے لیے خواہ کچھ بھی صحیح ہو مگر کم سے کم ہندوستان میں جہاں اسی فیصدی زراعت پیشہ اور دس فیصدی صنعت و حرفت والے لوگ بستے ہیں یہ ایک بڑا جرم ہے کہ تعلیم کو محض ادبی بنا دیا جائے، اور لڑکے اور لڑکیوں کو اپنی زندگی میں جسمانی محنت کے لائق نہ رکھا جائے۔ بیشک میری رائے ہے کہ جب ہمارے وقت کا زیادہ حصہ حصول رزق کی جد و جہد میں صرف ہوتا ہے تو ہمارے بچوں کو بچپن ہی سے اس قسم کی محنت کا درس دینا چاہیے، ہمارے بچوں کی تعلیم اس قسم کی ہرگز نہ ہونی چاہیے کہ محنت و مشقت کو حقارت سے دیکھیں۔ کوئی وجہ نہیں ہے کہ ایک کاشتکار کا لڑکا اسکول جانے سے بحیثیت ایک مزدور کسان کے بیکار ہو جائے، جیسا کہ بالعموم ہوتا ہے۔ یہ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ہمارے مدرسوں کے طالب علم جسمانی محنت کو اگر حقارت سے نہیں تو بے پروائی سے ضرور دیکھتے ہیں۔

علاوہ اس کے ہندوستان میں اگر ہم یہ توقع کریں (جیسا کہ ہم کو ضرور کرنی چاہیئے) کہ ہر لڑکا اور لڑکی جو اسکول جانے کی عمر رکھتا ہے پبلک اسکولوں میں جائے، تو ہمارے پاس اس قدر وسائل موجود نہیں ہیں جن سے ہم موجودہ طرز پر تعلیم کا انتظام کر سکیں۔ اور نہ کروڑوں والدین اس قابل ہیں کہ جو فیس آج کل لی جاتی ہے اس کو وہ ادا کر سکیں اس لیے تعلیم عام ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مفت ہو، میں خیال کرتا ہوں کہ بہترین نظام حکومت کے ماتحت بھی ہم اس قابل نہیں ہو سکتے کہ دو ارب روپیہ تعلیم میں لگائیں، جس کی یقیناً ہم کو اس حالت میں ضرورت ہوگی، جب ہم ان تمام لڑکے اور لڑکیوں کی تعلیم کا جو مدرسہ جانے کی عمر رکھتے ہیں، انتظام کریں پس اس سے یہ لازمی نتیجہ نکلتا ہے کہ جو تعلیم ہمارے بچوں کو دی جائے اس کی اُجرت اُن سے جزوی یا کلی بصورت محنت وصول کی جائے۔ ایسی عام اور منفعت بخش محنت میرے خیال میں صرف سوت کاتنا اور کپڑا بننا ہو سکتا ہے۔ لیکن جہاں تک میری تجویز کا تعلق ہے مجھے اس کی پرواہ نہیں کہ سوت کاتنے کا کام ہو یا کوئی دوسرے قسم کی محنت ہو بشرطیکہ وہ بکار آمد اور سودمند ثابت ہو۔ یہ بات تو صرف امتحان سے معلوم ہوگی کہ ایک عملی۔ سودمند۔ اور وسیع پیمانہ پر ایسا کوئی کام نہیں ہے جو ہندوستان بھر میں ہمارے مدرسوں میں رائج ہو سکے، سوائے ان کاموں کے جن کا تعلق کپڑے سے ہے۔

تعلیم دستکاری کے رواج دینے سے ہندوستان جیسے غریب ملک میں دو فائدے ہوں گے۔ اس سے اول تو ہمارے بچوں کی تعلیم کا خرچ نکل آئے گا۔ دوسرے وہ ایک ایسا ہنر سیکھ جائیں گے جس پر اگر وہ چاہیں تو اپنی روزی کے لیے بھروسا کر سکتے ہیں۔ ایسا نظام تعلیم ضرور ہمارے بچوں کو اپنے پاؤں پر کھڑا ہونا سکھلا دے گا کوئی چیز قوم کو اس قدر بداخلاق اور پست نہیں بنا سکے گی جس قدر یہ خیال کہ ہم محنت کو حقارت سے دیکھنا سیکھیں۔

صرف ایک بات مجھے دل کی تعلیم کے متعلق کہنا ہے۔ میں یہ نہیں یقین کرتا کہ یہ تعلیم کتابوں کے ذریعہ سے ہو سکتی ہے۔ یہ تو صرف اُستاد کی زندہ صحبت سے ہو سکتی ہے۔ لیکن ابتدائی و نیز ثانوی مدارس میں مدرس کون لوگ ہیں؟ کیا وہ باایمان اور کیرکٹر والے مرد اور عورتیں ہیں؟ کیا اُنھوں نے خود دل کی تعلیم حاصل کی ہے؟ کیا ان سے اس بات کی توقع بھی کی جاتی ہے کہ جو بچے (لڑکے اور لڑکیاں) اُن کی نگرانی میں رکھے جاتے ہیں وہ اُن کے دائمی عنصر یعنی دل کی نگہداشت کرینگے؟ اسکولوں میں مدرسین کے تقرر کا جو طریقہ ہے کیا وہ قوی سبب تخریب اخلاق کا نہیں ہے؟ اور ہم خوب جانتے ہیں کہ پرائمری اسکولوں میں اساتذہ کا انتخاب اُن کی حب الوطنی کی بنا پر نہیں ہوتا ہے اس میں صرف وہی لوگ جاتے ہیں جن کو کوئی دوسرا کام نہیں مل سکتا۔

آخر میں ذریعہ تعلیم کا مسئلہ ہے۔ اس کے متعلق جو میرے خیالات ہیں وہ اس قدر مشہور ہیں کہ اُن کے یہاں اعادہ کرنے کی ضرورت نہیں۔ غیر زبان میں تعلیم ہونے سے ہمارے بچوں کے دماغ پر حد سے زیادہ بار پڑا ہے۔ اُن کے ذہن کند اور قوائے دماغی سُست پڑ گئے ہیں۔

اس نے ان کو محض رٹو اور نقال بنا دیا ہے۔ نہ وہ اس قابل رہے کہ کوئی نئی بات سوچیں یا کریں۔ اور نہ ان میں اس کی صلاحیت رہی کہ وہ اپنے علم کو اپنے گھروں یا عوام تک پہونچا سکیں۔ غیر زبان نے ہمارے بچوں کو خود اپنے ملک میں اجنبی بنا دیا ہے۔ یہ موجودہ نظام کا سب سے زیادہ دردناک واقعہ ہے غیر زبان نے ہماری دیسی زبانوں کی ترقی کو بھی روک دیا ہے۔ اگر مجھے ایک مطلق العنان بادشاہ کے اختیارات مل جائیں تو میں آج ہی اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کی تعلیم غیر زبان کے ذریعہ سے روک دیتا اور تمام معلموں کو مجبور کرتا کہ وہ اس تبدیلی کو فوراً رواج دیں ورنہ برطرف کردیے جائیں گے۔ میں درسی کتابوں کی تیاری کا انتظار نہ کرتا۔ وہ خود اس تبدیلی کے بعد پیدا ہوجائیں

غیر زبان کے لیے میری شدید مخالفت کا یہ نتیجہ ہوا کہ مجھ پر بیجا الزام لگایا گیا کہ میں بیرونی تمدن یا انگریزی زبان سیکھنے کا دشمن ہوں۔ ینگ انڈیا کے ناظرین میں سے کسی نے بھی میرے اس خیال کو جسے میں نے مکرر سہ کرر ظاہر کیا ہے نظرانداز نہ کیا ہوگا کہ میں انگریزی زبان کو تجارت اور سیاست بین الاقوامی کی زبان سمجھتا ہوں۔ اور اس لیے ہم میں سے کچھ لوگوں کے لیے اس کا سیکھنا ضروری ہے۔ چونکہ یہ زبان گرانبہا علمی اور ادبی خزانوں سے پُر ہے اس لیے میں یقیناً ان لوگوں کو جو زباں دانی کی اہلیت اور اس کا ذوق رکھتے ہیں، اس کے سنجیدہ مطالعہ کی ترغیب دوں گا۔ اور ان سے توقع کروں گا کہ وہ ان بیش بہا خزانوں کا قوم کی خاطر اپنی دیسی زبان میں ترجمہ کریں۔

کوئی چیز میرے قیاس سے اتنی بعید نہیں ہوسکتی جس قدر یہ خیال کہ ہم دوسری اقوام سے علیحدگی اختیار کریں یا باہم دیوار حائل کرلیں، لیکن میری بحث نہایت ادب کے ساتھ یہ ضرور ہے کہ دوسرے علوم کی قدردانی صحیح طور پر اپنے علوم کی قدردانی اور ان کو جذب کرلینے کے بعد ہوسکتی ہے نہ کہ اس سے پیشتر۔ یہ میری پختہ رائے ہے کہ کوئی تمدن ایسے بیش بہا خزانے نہیں رکھتا جیسا ہمارا۔ ہم اس سے واقف نہیں ہیں۔ ہم کو تو یہ سکھایا گیا ہے کہ ہم اس کو حقارت سے دیکھیں اور اس کی قدر و منزلت نہ کریں۔ ہماری زندگیاں اب اس تہذیب کا نمونہ نہیں رہیں کسی شے کا محض علمی مطالعہ بغیر اس پر عمل (دیکھو صفحہ ۱۱ پہلے کالم کے نیچے)

انگلستان وغیرہ کے پبلک اسکولوں میں جس طرح طلبہ مختلف کھیلوں کے علاوہ متعدد ورزشی فنون سے بھی واقف ہوتے ہیں، اسی طرح ہمارے بچے بھی پانی کا تیرنا، گھوڑے کی سواری اور اسی قسم کے دوسرے فنون سے واقف ہوں۔ چنانچہ ابھی حال میں تھوڑے دنوں سے تیرنے کا انتظام کیا گیا ہے۔ قرول باغ ہی میں پہاڑی کے اوپر ایک پختہ نصف مدور شکل کا نہایت عمدہ تالاب ہے جس کا پانی جمنا سے آتا ہے اور پھر یہاں سے یہ پانی رائے سینا کے باغوں اور پارکوں کی آبپاشی کیلئے لے جایا جاتا ہے۔ یہ ایک خاصہ وسیع تالاب ہے جو بیچ سے دو مربع دائرہ میں تقسیم ہوگیا ہے اور اس کے نصف قطر کی لنبائی تقریباً سوسوا سو فیٹ ہوگی۔ اس کا پانی ہمیشہ کم و بیش ہوتا رہتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ گیارہ بارہ فیٹ تک پہونچ جاتا ہے اور کم سے کم یہاں تک ہوتا ہے کہ صفائی وغیرہ کی غرض سے پورا تالاب خشک ہو جایا کرتا ہے۔ ایک عرصہ سے فکر تھی کہ اس تالاب سے فائدہ اُٹھانے کی کیا صورت ہو؟ گزشتہ چھٹیوں میں جامعہ کے بعض باہمت نوجوانوں نے آخر اسکی اجازت لے ہی لی۔ ہم مشکور ہیں۔ پی۔ ڈبلو۔ ڈی کے اگزیکٹیو انجنیر کے جنھوں نے اپنی مہربانی سے یہ اجازت دیدی۔ چھٹیوں میں جو طلبہ رہ گئے تھے اُنھوں نے اس اجازت سے خوب فائدہ اُٹھایا اور اب وہ اس فن کے اُستاد بن گئے ہیں۔ جامعہ کھلنے پر دوسرے طلبہ و اساتذہ ہر روز شام کو تیرنا سیکھنے جاتے ہیں اور انھیں ان استادان فن کے آگے زانوئے شاگردی تہ کرنے میں کوئی تامل نہیں ہوتا۔ چنانچہ بلاخوف و تردید کہا جاسکتا ہے کہ آج جامعہ کے دارالاقاموں میں اکثریت ایسے طلبہ کی ہے جو تیرنا بخوبی جانتی ہے اور وہی بچے جو پانی سے دور بھاگتے تھے، آج نہایت بے باکی اور آزادی کے ساتھ نو نو، دس دس فیٹ پانی کے اندر تیر لیتے ہیں۔

ہماری یہ کوشش یہیں پر ختم نہیں ہوتی بلکہ جیسا کہ جناب شیخ الجامعہ کا خیال ہے گھوڑے کی سواری سکھانیکی بھی فکر ہے اور یہ کوشش ہے کہ دو تین چھوٹے چھوٹے گھوڑے لیے جائیں تاکہ طلبہ ان پر صبح و شام سواری کی مشق کیا کریں۔ خدا سے دعا ہے کہ ہماری یہ حقیر کوششیں کامیاب اور پوری ہوں۔ السعی منی والاتمام من اللہ۔

بچوں کا صفحہ

ہم کو تیرنا کیسے آسکتا ہی!

"آج کل چونکہ جامعہ کے طلبہ میں تیرنا سیکھنے کا بہت شوق ہی اور یوں بھی ہر لڑکے کو تیرنا جاننا چاہیئے اس لیے ہمارے خیال میں یہ مضمون نہایت بر وقت اور قابلِ قدر ثابت ہوگا۔" اڈیٹر

تیرنا سب کھیلوں میں ایک نہایت دلچسپ اور صحت بخش کھیل ہی جو لڑکا تیرنا جانتا ہی وہ وقت پر ایک بہت بڑا انسانی فرض اور تمام کارناموں سے بڑا کارنامہ انجام دے سکتا ہی یعنی کسی ڈوبتے کو جان سے بچا سکتا ہے۔ جب ہم چلنا سیکھتے ہیں تو اُسی وقت سے تیرنا بھی سیکھ سکتے ہیں۔ جنوبی سمندر کے رہنے والے بچے ابھی مشکل سے چلنے کے قابل ہوتے ہیں کہ وہ تیرنا سیکھ لیتے ہیں۔

اگر ہم ذرا احتیاط سے کام لیں تو ہم خود بخود تیرنا سیکھ سکتے ہیں لیکن اگر کوئی ہمارا دوست یا ساتھی سکھانے والا ہو تو پھر کیا کہنا! پانی ہمارا وزن سنبھالنے میں مدد دیتا ہی اور ہر وقت ہمیں اوپر اُٹھاتا رہتا ہے۔

تیرنا سیکھنے کے لیے ہمیں سب سے پہلے یہ چاہیئے کہ تالاب یا سمندر کے ایسے حصے میں جائیں جہاں پانی کمر تک ہو۔ پھر کنارے کی طرف منہ کریں اُس وقت ہمارے دوست کو ایک ہاتھ ہماری ٹھوڑی اور ایک ہاتھ پیٹ کے نیچے رکھنا چاہیئے۔ اس کے بعد ہمیں چاہیے کہ اپنا سر اونچا رکھیں اور صرف ناک سے سانس لیں۔ ایسا کرنے کے بعد ہمیں چاہیے کہ پہلے صرف بازو چلائیں، اور ٹانگوں سے کوئی کام نہ لیں۔ بازوؤں کے چلانے کا طریقہ یہ ہی کہ انگلیاں اور انگوٹھے نزدیک کرکے دونوں ہاتھ ٹھوڑی کے نیچے لائیں اور پھر بازوؤں کو پھیلائیں۔ انگوٹھے نیچے کی طرف ہتھیلی سے لگے رہیں۔ اس کے بعد بازوؤں کو اس طریقہ سے پھیلائیں کہ وہ جسم کے ساتھ ایک سیدھی قطار بنائیں۔ کہنیوں کو موڑ کر اپنے سینے کے نیچے رکھیں۔ اسی طرح برابر کرتے جائیں۔ یہ مشق کرنے کے بعد ہم کو اپنی توجہ ٹانگوں کی طرف کرنی چاہیے۔ ٹانگوں کو صحیح طریقے سے چلانے کے لیے ضروری ہی کہ ہم ان کو اپنے پیٹ کی طرف آہستہ سے کھینچیں مگر یہ یاد رہے کہ ایڑیاں، تلوے، اور انگلیاں پانی سے باہر نکلے رہیں اور نیچہ پانی کے اندر رہے۔ پھر ہمیں چاہیے کہ ٹانگوں کو زور سے پیچھے کی طرف ہٹائیں لیکن وہ ایک دوسرے سے کافی فاصلہ پر ہوں اور گھٹنے مڑے رہیں۔ اسی طرح ہم لگاتار کرتے رہیں۔ ٹانگوں کی حرکت ہمیں آگے کی طرف لے جائے گی۔ اب ہمارے دوست کو چاہیے کہ وہ ہمارے ساتھ ساتھ آگے بڑھے۔ ہمیں بازو اور ٹانگیں چلانے میں جلدی نہیں کرنی چاہیئے بلکہ نہایت اطمینان سے ان کو چلانا چاہیئے۔ جب ہاتھ آگے بڑھیں تو ٹانگوں کو کھینچ لینا چاہیئے لیکن جب ٹانگوں سے پانی کو دھکا دیں تو ہاتھوں کو آگے بڑھانا چاہیے۔ اچھے تیراک جب ٹانگوں سے پانی کو دھکا دیتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہی کہ گویا وہ سائیکل چلا رہے ہیں۔

اسکے بعد ہمیں چاہیے کہ پشت پر تیرنا سیکھیں۔ یہ طریقہ بہت اہم ہی اسلیے کہ اس سے ہم بیہوش آدمی یا کسی ڈوبتے ہوئے شخص کو کنارے پر نہایت آسانی سے لا سکتے ہیں۔ اگر ہم اتنا پشت پر تیریں تو اس سے ہمارے پھیپھڑے اور پٹھے کم تھکیں گے۔ اور زیادہ گہرے پانی میں اگر دور تک جانا ہو تو اس سے بڑی مدد ملتی ہی۔ جس طرح ہم سینہ کے بل تیرتے ہیں اسی طرح ہم پشت کے بل بھی تیر سکتے ہیں۔ اس میں سیکھنے کی کچھ ضرورت نہیں ہی کیونکہ جو لڑکا اچھی طرح سینہ کے بل تیر سکتا ہی وہ پشت کے بل بھی تیر سکے گا۔ اپنے دونوں ہاتھوں کو پھیلاؤ اور پشت پر اس طرح لیٹ جاؤ کہ پانی صرف ہمارے کانوں تک آئے پھر دیکھو کہ تم ڈوب نہیں سکتے۔ تیرنے کے لیے ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے ہاتھوں اور پاؤں سے پانی کو ڈھکیلتے رہیں۔ اگر ہمارے ہاتھ تھک جائیں تو ہم صرف ٹانگوں ہی سے کام لیتے رہیں۔

تیرنے میں ہمیں چند باتوں کا خاص طور سے خیال رکھنا چاہیے:۔

(۱) جب تک ہم کم از کم پچاس گز لگاتار تیرنے کے قابل نہ ہوں اُس وقت تک ہمیں چاہیے کہ ہرگز ہرگز زیادہ پانی میں نہ جائیں دگو بعض ہمت والے ایک قدم بھی تیرنا نہیں جانتے اور کود پڑتے ہیں) (۲) جب ہم تیرنا سیکھ رہے ہوں تو ہمیں "کارک بیلٹ" یا "بلیڈر" یا اس قسم کی کوئی چیز استعمال کرنا نہیں چاہیے کیونکہ اس سے جسم اپنے قدرتی طریقہ پر نہیں آتا (۳) ہاتھ پاؤں چلانے میں جلدی نہیں کرنا چاہیئے ہمیں یہ سنکر تعجب ہوگا کہ آہستہ آہستہ پاؤں چلانے سے ہم بہت زیادہ تیر سکتے ہیں (۴) کھانا کھانیکے آدھ گھنٹہ بعد یا جب ہم تھکے ہوں اُس وقت ہم کو بہت گرم اور بہت سرد پانی میں تیرنا نہیں چاہیئے۔ (ماخوذ از

جامعۂ ملیہ دوسروں کی نظروں میں

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے اپنے ہفتہ وار اخبار "سچ" مورخہ ۱۹ اگست ۱۹۲۶ء میں "جامعہ" کے عنوان سے ایک طویل مقالہ تحریر فرمایا ہے جس کے بعض ضروری حصے ہم ناظرین "پیام تعلیم" کی خدمت میں پیش کر رہے ہیں۔ شیخ الجامعہ کے ایک خط پر تبصرہ فرمانے کے بعد لکھتے ہیں:-

"لیکن حقیقت یہ ہے، کہ سچ اور جامعہ کے آئیڈیل (مطمح نظر) چونکہ متحد نہیں اس لیے دونوں کے زاویۂ نظر میں اختلاف ہونا بالکل قدرتی ہے، اور یہ بہت آسانی سے ممکن ہے، کہ شیخ الجامعہ اپنے نقطۂ نظر سے جن کارروائیوں کو بالکل درست اور قابل اطمینان سمجھ رہے ہوں، وہ سچ کے معیار سے اس درجہ قابل اطمینان نہ ہوں۔ جامعہ والوں نے اب تک جس ایثار کا عملی ثبوت دیا ہے، جامعہ کے طلبا اپنی زندگی جس سادگی سے گزارنے کے عادی ہیں، جامعہ کے ساتھ انھیں جو محبت و تعلق خاطر ہے، جامعہ کے مقاصد نیز ملک و قوم کے دوسرے مقصدوں کے لیے جس بے نفسی کے ثبوت وہ بارہا دے چکے ہیں، ان سب کا مجھے ذاتی علم ہے، اور ان میں سے ان کی کسی خصوصیت سے انکار نہیں۔ ان کا مطمح نظر بعض دوسری مشہور درسگاہوں کی طرح ڈپٹی کلکٹری، کلکٹری اور بیرسٹری نہیں۔ لیکن جس منزل پر پہنچکر وہ رک گئے ہیں، سچ اسے ناکافی سمجھتا ہے، اور سچ کی پکار اس سے بھی آگے بڑھنے کی ہے۔

سچ اس اسلام کی دعوت دینے کو نکلا ہے، جو قرآن پاک کا اسلام ہے۔ وہ اسلام جو حرا کے غارنشیں، اور مدینہ کے سلطان بوریانشیں کا تھا، وہ اسلام جس کی منادی تمام انبیائے سابقین کرتے آئے ہیں، وہ اسلام جو ابوبکرؓ و عمرؓ و عثمانؓ و علیؓ کا تھا، وہ اسلام جس میں نہ علوم و فنون تھے نہ کتب خانے اور عجائب خانے۔ وہ اسلام جس میں نہ کالج تھے اور نہ یونیورسٹیاں، اور نہ تجربہ گاہیں تھیں اور نہ صنعت و حرفت کے کارخانے۔ وہ اسلام جس میں نہ بینک تھے نہ بیمہ کمپنیاں، نہ سینما تھے نہ تھیٹر۔ اس خالص و بےآمیز اسلام کی جانب دعوت دینا، سچ کا اصلی مقصد وجود ہے۔

اس دعوت سے اتفاق رکھنے والے ملک میں بہت ہی تھوڑے ہیں، پس ساری قوم کو چھوڑ چھاڑ کر جامعہ ہی سے آخر یہ توقع کیوں قائم کی جائے، کہ وہ ضرور اس دعوت پر لبیک کہے گی، یا کم از کم یہ اسے معقول سمجھ کر اس کی تائید کرے گی؟ اس کے بعض روشن خیال اساتذہ جنھیں آج بھی اس پر فخر ہے، کہ وہ "حقائق کو بجائے جذبات کے عقل کی روشنی میں دیکھنے کے عادی ہیں"، اس "رجعت پسندی" اور "دقیانوسیت" کی دعوت پر تو شاید اپنی ہنسی بھی نہ ضبط کر سکیں!

اسکے بعد جناب موصوف "فتنۂ مغرب" کا ذکر کرتے ہوئے طلبائے جامعہ سے یوں خطاب کرتے ہیں۔

"جامعہ کے عزیزو! تمھاری نیت میں مجھے شبہ نہیں، تم اپنے نزدیک اور اپنے فہم و بصیرت کے موافق، دین و قوم ہی کی خدمت میں لگے ہوئے ہو، تمھارا خلوص اور تمھاری سرگرمیِ عمل میرے لیے قابل رشک ہے، بڑے عہدوں پر لات مار چکے ہو، بڑی بڑی آمدنیوں کو ٹھکرا چکے ہو، جیل کے ویرانوں کو آباد کر آئے ہو، نیم فاقہ کشی کی زندگی بسر کر چکے ہو، تم کو کسی بات پر ٹوکتے ہوئے مجھ جیسے بےعمل کو خود شرم آتی ہے لیکن یقین کرو کہ خود تمھاری ہی محبت کے تقاضہ سے یہ دیکھ کر دل کو دکھ ہوتا ہے کہ جس راستہ پر چل رہے ہو، تیزی کے ساتھ چل رہے ہو، ہمت کے ساتھ چل رہے ہو وہ ایک ٹیڑھی پگڈنڈی ہے، صاف، روشن، و ہموار "صراط مستقیم" نہیں (وان ھذا صراطی مستقیما فاتبعوہ ولا تتبعوا السبل) مغرب کی مادی ترقیوں نے نگاہوں کو خیرہ کر دیا ہے، لیکن ہمارے اللہ کا بنایا ہوا جو دستور العمل ہمارے پاس موجود ہے، اس نے قلب کی صفائی اور باطن کی پاکیزگی کے ساتھ ساتھ بڑی سے بڑی حیرت انگیز مادی ترقیوں کو بھی ہمارے قدموں کے نیچے ڈال دیا ہے۔ جس دم، ہم اللہ کے ہو گئے، سارے قوانین فطرت خود ہمارے ہو جائیں گے۔ طیاروں کی مدد کے بغیر ہر جگہ ہم پہونچ جائیں گے۔ ریڈیو کی وساطت کے بغیر ہر آواز ہم سن لیں گے دوربینوں کو کام میں لائے بغیر ہر شی ہماری نگاہ کے سامنے آ جائے گی، دریا ہمارے تابع، پہاڑ ہمارے مطیع، ہوا ہماری خادم، سمندر ہمارا غلام، آگ ہماری خدمت گزار، عناصر ہمارے فرمانبردار، زمان و مکان کی قیود ہمارے لیے بےمعنی۔ انبیائے کرام کے "معجزات" کیا تھے؟ مادی علوم کی دسترس سے باہر، عقلیین و ماہرین

فنون کو حیران کر دینے والے! اس اعلیٰ و برتر علم کی خفیف چاشنی بھی جس روز زبان کو مل گئی، بخدا اُسی وقت سے "علوم و فنون" کے سارے دفتر ہیچ و بے حقیقت نظر آنے لگیں گے۔

اگست کے اسی مہینہ میں موقر معصر "معارف" (اعظم گڑھ) اپنے عالمانہ شذرات میں جامعہ ملیہ پر یوں اظہار خیال کرتا ہے:-

"ہندوستان کی آزاد قومی درسگاہوں میں جامعہ ملیہ دہلی ایک ایسی درسگاہ ہے جس نے اپنا نصب العین ایسے اشخاص کا پیدا کرنا قرار دیا ہے جو مذہبی واقفیت کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان اور ضروری جدید علوم کی تعلیم سے بہرہ در ہوں اور اپنے دل میں ملک و ملت اور قوم و مذہب کا درد رکھتے ہوں، اور جو ان کی خدمت اپنا مشغلۂ زندگی بنا سکیں، اور اسی کے ساتھ اپنے ہاتھ سے اپنی روزی کا سامان پیدا کر سکیں، جامعہ کے قیام کو ابھی صرف سات برس ہوئے ہیں، یہ مختصر مدت اس فیصلہ کے لیے کافی نہیں کہ وہ اپنے نصب العین میں کہاں تک کامیاب ہوا ہے (یا بقول اصحاب جامعہ "ہوئی ہے")

"اس مدت میں اس جامعہ کی طرف سے متعدد طلبا کامیاب ہو کر عملی میدان میں قدم رکھ چکے ہیں، اور انھوں نے عموماً قومی خدمت کے لیے تعلیم و تدریس تحریر و انشاء اور اخبار نویسی کی زندگی اختیار کی ہے، سادگی، حسن خلق، اپنے وطن و مذہب کے ساتھ محبت انھوں نے اپنا ممتاز شعار قرار دیا ہے، ان کی مذہبی پابندی بھی تمام دنیاوی درسگاہوں کے طلبہ سے اچھی ہے۔
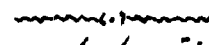
"اس کی بڑی خوش قسمتی یہ ہے کہ اس کو چند ایسے ایثار کرنے والے لائق مسلمان اساتذہ مل گئے ہیں، جنھوں نے نہایت خوشی سے اُس کے لیے اپنی زندگیاں وقف کی ہیں، اور وہ شب و روز اس کی دھن میں مصروف ہیں، جب تک اُن کا یہ ایثار، اخلاص، اور انہماک باقی ہے، اُس کی کامیابی غیر مشکوک ہے

"جامعہ نے اتنے ہی دنوں میں اپنا ایک اچھا خاصہ مشرقی و مغربی علوم کا کتب خانہ قائم کر لیا ہے، اُردو اکاڈیمی کے نام سے ایک علمی مجلس کی بنیاد ڈالی ہے علمی و سیاسی و اقتصادی مسائل کے لیے جامعہ نام ماہوار رسالہ اور تعلیم کی اشاعت کے لیے پیام تعلیم پندرہ روزہ صحیفہ جاری کیا ہے، ساتھ ہی مفید تصانیف و تراجم کا سلسلہ بھی شروع کر رکھا ہے جس میں اس کو روز بروز خاصی کامیابی ہو رہی ہے۔

"یکم اگست سے جامعہ کا نیا تعلیمی سال شروع ہوا ہے، اس میں طلبا کے داخلہ اور قیام، اور تعلیم کے مفصل قواعد مطبوعہ موجود ہیں اور دفتر جامعہ ملیہ قرولباغ دہلی سے مل سکتے ہیں، ایک طالب علم کے لیے مختلف قسم کی مجموعی تعداد پندرہ روپیہ کے قریب ہے، جو نسبتۃً انگریزی کالجوں سے ارزاں ہے، اس وقت اس کے ابتدائی، ثانوی، اور انتہائی درجوں میں دو سو طلبہ تعلیم پا رہے ہیں، اور امسال مزید اضافہ کی توقع ہے۔

"اس سلسلہ میں نامناسب نہ ہوگا اگر اصحاب جامعہ کی خدمت میں چند مخلصانہ گذارشیں پیش کی جائیں، ہمیں یہ ڈر ہے کہ اس کی مختصر مذہبی و عربی تعلیم میں "مجتہدیت" کی شان پیدا کرنے کی نہ کوشش کی جائے، کہ اگر ایسا ہوا تو جامعہ کے یہ "پڑھے جن" مسلم یونیورسٹی کے اَن پڑھ جنوں سے زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتے ہیں، اور اسی طرح یہ بھی خطرہ ہے کہ اُس کی معاشرت و سیاسیت میں "ہندویت" کا رنگ نمایاں نہ ہو، "فرنجیت" اور "ہندویت" اسلام سے مغائرت میں دونوں یکساں ہیں، ان میں فرق صرف بدیشی اور سودیشی کا ہے، جامعہ کے افتتاح کے وقت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے نصب العین کے متعلق جو الفاظ فرمائے تھے، ضرورت ہے کہ وہ ہر وقت اُس کے ہر استاد اور طالب علم کے سامنے رہیں۔

"نیز یہ بھی پیش نظر رہے کہ جامعہ یورپ کے صرف سیاسی استیلا سے آزادی کی تحریک نہیں، بلکہ اس سے بڑھ چڑھ کر اس کے دماغی و ذہنی استیلا سے آزادی کی تحریک ہے، اس سے یہ مقصود نہیں کہ ہم یورپ سے اُس کے نئے علوم اور سائنس کے سبق نہ سیکھیں، لیکن اس کے یہ معنی بھی نہیں ہیں، کہ ہم اپنے مذہبی حقائق، مشرقی علوم اور آئین اصلاح و تجدید کا درس بھی اُسی سے حاصل کریں، اور اس کی تصدیقی سند و مُہر کو ہم اُن کے لیے

صحت کا معیار جانیں "پیرس کے جامعی طالب العلم" کے شائع شدہ خیالات اس راز کی غمازی کر رہے ہیں، دیکھیں ہمارا "یوسف" مصر سے جب کنعان کو آتا ہے تو اہل وطن کے لیے کیا تحفہ لاتا ہے، دعا ہے کہ "برہان ربانی" اس کے "دامن خیال" کو کشمکش کے نتیجہ سے محفوظ رکھے،

"جامعہ اس وقت قوم کے اربابِ نظر کی نگاہوں میں آزمائش وامتحان کے دور میں ہے ضرورت ہے کہ وہ راہ میں پھونک پھونک کر قدم رکھے تاکہ دوسرے چالیس برس کے بعد مسلمانوں کو یہ فیصلہ نہ کرنا پڑے کہ ہم پھر غلط راستہ پر چل کھڑے ہوئے ہیں اور منزلِ مقصود کی سمت اور ہے۔

"اس کے ساتھ اس کے متعلق کچھ قوم کے بھی فرائض ہیں، اُس کے ماہوار مصارف بڑی کفایت شعاری کے بعد غالباً اب ڈھائی تین ہزار ماہوار ہیں، بظاہر اسکی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں، جناب حکیم صاحب کی بڑی دوڑ دھوپ اور محنت اور جانفشانی کے بعد بعض ریاستوں سے اس کو کچھ ماہوار امدادیں ملی ہیں، کچھ دہلی سے مقامی اعانتوں کا سامان ہوا ہے، کچھ لوگ باہر سے کبھی کبھی کچھ بھیج دیتے ہیں، کچھ فیس کی رقمیں مل جاتی ہیں، مگر یہ صورتِ حال کب تک قائم رہ سکتی ہے، اس پراگندہ روزگاری سے پراگندہ دلی کا پیدا ہونا لازم ہے، ہماری قوم کو شکایت تھی کہ ہمارے جدید تعلیم یافتہ نوجوان ایثار نہیں کرتے، مگر اب ہمارے تعلیم یافتہ نوجوان ایثار کرنے والوں کو یہ شکایت نہ ہو جائے کہ قوم ہماری واجبی قدر دانی نہیں کرتی"

پیرا ہوئے ایسا ہی ہے جیسے کوئی محفوظ شدہ لاش ہو جو شاید دیکھنے میں بھلی معلوم ہو۔ مگر اس کے اندر کوئی چیز دوسروں میں روح پھونکنے والی اور شرف آموز نہیں ہے۔ میرا مذہب مجھے منع کرتا ہے کہ میں دوسروں کے تمدن کی تحقیر کروں یا ان سے بے اعتنائی برتوں۔ مگر ساتھ ہی اس کے وہ اس بات پر مصر ہے کہ میں اپنی تہذیب پر عمل پیرا ہوؤں اور اس کو اپنے اندر جذب کرلوں —

چھ ماہ کے لیے

ہفتہ وار اخبار "صادق" بالکل مفت پڑھیے

ایک انعامی سوال

آپ کیا بننا چاہتے ہیں؟

یہ ایک دلچسپ سوال ہے۔ جس کے بہترین و مختصر جواب دینے والے کو اخبار "صادق" چھ ماہ کے لیے مفت ارسال ہوگا لیکن شرط یہ ہے کہ آپ چھ ماہ کا چندہ بھی جواب کے ساتھ ارسال کریں۔ اس طرح آپ ایک سال تک "صادق" کا مطالعہ کر سکیں گے (خلیق صدیقی

معاون مدیر)

فرخ آباد کا واحد علمی و اخلاقی اخبار ہفتہ وار

"مجیب"

اعلیٰ مضامین دیدہ زیب کتابت و طباعت کے ساتھ ہر انگریزی ۷-۱۴-۲۲-۲۹ تاریخوں کو ۲۹×۲۲/۴ سائز پر زیر ادارت حفیظ فرخ آبادی شائع ہوا کرے گا۔ قیمت سالانہ للعہ / ششماہی عہ

"مجیب" کا پہلا پرچہ عید میلاد النبی کے موقعہ متبرک پر بڑی تعداد میں شائع کیا جائے گا۔ اشتہار دہندہ حضرات کے لیے نادر موقع ہے۔

مینجر مجیب فرخ آباد

اُردو زبان کا پہلا اخلاقی ڈراما
"پردۂ غفلت"

مصنفہ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی (برلن)

اگر آپ مسلمان خاندانوں کی معاشرت کی سچی تصویر، تعلیم نسواں۔ آزادی نسواں اور پردہ پر مفید اور محققانہ بحث، فن ڈراما نویسی کا اعلیٰ نمونہ اور دلچسپ ظرافت اور نتیجہ خیز قصہ ملاحظہ فرمانا چاہتے ہیں تو "پردہ غفلت" کو پڑھیئے۔ مطبوعہ شرکت کاویانی برلن حجم ۱۴۶ صفحات۔ سائز ۸/۱۸×۲۲ قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ ؏ ۱۸/ اُردو کے مشہور ارباب صحافت نے جن تبصروں میں اس ڈرامے کا شاندار خیر مقدم کیا ہے ان میں سے بعض کا اقتباس حسب ذیل ہے۔

رسالہ نگار رقمطراز ہے۔ اس وقت اُردو میں حقیقتاً "پردہ غفلت" ہی ایک ایسا ڈراما ہے جس کو ہم صحیح معنی میں اس لفظ سے موسوم کر سکتے ہیں۔ . . . ڈراما پڑھنے والا ایسا محسوس کرتا ہے کہ تمام باتیں واقعی اس کے سامنے ہو رہی ہیں، مسائل معاشرت پر ایسے عمیق خیالات ظاہر کیے ہیں جن سے زیادہ نفسی تجربہ ممکن نہیں . . . . . . ایک قرا‌خی کیرکٹر بھی ہے اور وہ بھی کم دلچسپ نہیں۔

اخبار ہمدرد کہتا ہے۔ واقعی مفید اور صحیح معنوں میں مصلح ڈراما . . . . . مصنف کی اس جرأت پر حیرت ہوتی ہے . . . . سید عابد حسین صاحب نے "پردہ غفلت" تصنیف فرما کر درحقیقت ادب اُردو کی ایک گراں بہا خدمت کی ہے۔ وہ اصحاب جنہیں قدرت نے ذوق سلیم عطا فرمایا ہے ضرور اسکی قدر کریں گے۔ خدا وہ دن لائے کہ اس قسم کی تصانیف ملک میں رواج پاکر عام مذاق کی بھی اصلاح کر دیں۔

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جامعہ ملیہ۔ قرول باغ۔ دھلی

حیرت انگیز رعایت

پندرہ روپیہ کی تین گھڑیاں۔ صرف دس ۱۰/ روپے میں
آپ کے لیے + آپ کے کمرے کے لیے + بیوی کے لیے +

مشہور عالم ٹائم پیس جرمن میڈ	ریگولیٹر پاکٹ واچ	قابل بھروسہ لیڈیز ریسٹ واچ
گارنٹی دو سال	گارنٹی دو سال	گارنٹی
دیکھنے میں خوبصورت، چال کا اچھا۔ مشہوروں کا مسجا، ٹائم کا سچا تجربہ۔ قیمت ۲ روپے محصول ڈاک پیکنگ بھی آرڈر فیس ۹/	نکل سلور کیس خوبصورت مضبوط نہایت صحیح ٹائم۔ قیمت صرف پانچ روپے علاوہ محصول ڈاک پیکنگ۔ منی آرڈر فیس ۸/	نئے ڈیزائن کی خوشنما فیشن۔ پائیدار، ٹائم کی پابند قیمت مع اسٹراپ سات روپیہ آٹھ آنہ محصول ڈاک پیکنگ۔ منی آرڈر فیس

یہ تینوں گھڑیاں اگر آپ یکمشت طلب فرمائیں تو صرف دس روپے میں بھیجی جائینگی یہ رعایت فقط ان کی تجارتی اور عمدگی کی شہرت کی وجہ سے ہے اور یہ رعایت اسی وقت تک رہیگی جب تک یہ گھڑیاں اسٹاک میں رہیں گی لہذا ہم تعمیل کے ذمہ دار نہ ہونگے آپ فوراً ہی آرڈر بھیجیں ایسا نہ ہو کہ اسٹاک ختم ہو جانے کے بعد آپکی فرمائش کی تعمیل نہ ہو سکے +

نوٹ:۔ ایک یا دو گھڑی کے خریدار کے لئے کوئی رعایت نہیں ہے۔ ان سے پوری قیمت مندرجہ چارج کیجائے گی اور محصول ڈاک و پیکنگ وغیرہ بھی اُن کو ادا کرنا ہوگا +

ملنے کا پتہ:۔ امریکن واچ ہوس۔ اسٹاکسٹ ویسٹ اینڈ واچ کمپنی ۹۵ مقام دہلی

رسالہ پیام تعلیم

یہ رسالہ نہایت کثیر الاشاعت ہے۔ ہندوستان کے ہر طبقہ اور ہر گوشہ میں جاتا ہے۔ اس میں اشتہار دینا منافع اور فوائد سے خالی نہیں۔ مشتہرین کیلئے یہ ایک بہترین موقع ہے۔ نرخ بھی بہت کم ہیں۔ دفتر سے خط وکتابت کرکے معاملہ طے ہوسکتا ہے۔

مینیجر پیام تعلیم۔ قرولباغ۔ دہلی

رسالہ جامعہ

یہ رسالہ ہندوستان کے علمی ادبی رسالوں میں بہترین رسالہ ہے اس میں علمی اور سائنٹفک مضامین نہایت اعلیٰ پیمانہ کے شائع ہوتے ہیں۔ اہل علم اور طلبہ کے لیے اس رسالہ کا مطالعہ اشد ضروری ہے۔ قیمت سالانہ صرف پانچ روپیہ۔

مینیجر رسالہ "جامعہ" قرول باغ۔ دہلی

بحکم جناب شیخ الجامعہ صاحب زیر اہتمام سید عابد حسین صاحب پرنٹر و پبلشر مطبع جامعہ ملیہ میں چھپکر دفتر "پیام تعلیم" سے شائع ہوا۔

شذرات

ناظرین کرام کو یاد ہوگا کہ گذشتہ سال ملک کے چند سربرآوردہ اور باا ثر اصحاب کی طرف سے جنمیں ڈاکٹر سر محمد اقبال، سر ذوالفقار علی صاحبزادہ آفتاب احمد خاں مولانا ابو الکلام آزاد، مسیح الملک حکیم اجمل خاں اور ڈاکٹر مختار احمد انصاری صاحبان خاص طور سے قابل ذکر ہیں، ایک اپیل شائع کی گئی تھی جس میں سارے ہندوستان سے سو ایسے اشخاص مانگے گئے تھے جو مستقل طور پر جامعہ کو پچاس پچاس روپیہ ماہوار دیا کریں۔ ملک کے تمام معتقد اخبارات و جرائد نے اس اپیل کی نہایت زوروں کے ساتھ تائید کی اور مسلمانوں کی ہمت اور حوصلے کو دیکھتے ہوئے ہم نے اطمینان دلایا تھا کہ سو ایسے اشخاص کا ملجانا کچھ دشوار نہیں ہے، جو جامعہ ملیہ جیسی مفید اور نفع رساں تعلیم گاہ کو پچاس روپئے ماہوار اپنی کثیر آمدنی سے نکالکر دیدیا کریں۔ لیکن نہایت افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ دو چار کے سوا ہندوستان کے اس طول و عرض سے اور کوئی نہ ملا جو اس اپیل کی عملی تائید کرتا۔ حالانکہ اگر ایک ایک شہر سے ایک ہی ایک شخص بھی اس کے لئے کمر ہمت باندھکر کھڑا ہو جاتا تو ہندوستان میں کیا سو ایسے شہر بھی نہیں جو اپنے اندر کم سے کم ایک ایسی عالی حوصلہ اور بلند ہمت ذات رکھتے ہوں۔

ممکن ہے سو روپیہ کی رقم بڑی معلوم ہوئی ہو اور لوگوں نے اسکی جرأت نہ کی ہو، لیکن یہ کیا ضرور تھا کہ ہر شہر سے سو ہی سو روپیہ کے دینے والے مہیا کئے جاتے، پچاس پچاس کے دو اشخاص سے بھی وہی کام نکل سکتا تھا۔ اس قسم کی اسکیم کی اصل غرض یہ ہوتی ہے کہ ملک میں جامعہ سے تعلق رکھنے والوں کی ایک معتدبہ تعداد پیدا ہو جو عملاً اس سے اپنی ہمدردی کا اظہار کرتی ہو اور یہ تعداد ہندوستان کے ہر حصہ اور گوشہ میں پھیلی ہوئی ہو۔ نیز یہ کہ جامعہ کی امداد و اعانت کی صورت بھی مستقل اور پائیدار ہو۔ یہ دیکھتے ہوئے کہ شاید یہ رقمیں بڑی تھیں اسلئے اس کے دینے والے کم ملے، اب یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ہر شہر سے کم سے کم **پچاس ایسے اشخاص مہیا کئے جائیں جو سو روپیہ سالانہ یعنی تقریباً نو روپے ماہوار جامعہ کو دیا کریں۔** ہم سمجھتے ہیں اور غالباً آپ بھی اس سے متفق ہوں گے کہ یہ کوئی دشوار امر نہیں ہے اور اس کا [illegible] (صفحہ ۱۲ کالم ۱ ملاحظہ ہو)

ہمارے اسکولوں میں ایک نیا سبق

(از ایڈیٹر)

شروع شروع میں جب ہندوستان کے اندر انگریزی حکومت قائم ہو رہی تھی۔ تو اس وقت ہمارے اسکولوں اور کالجوں میں یہ سبق دیا جا رہا تھا کہ دیکھو انگریزی حکومت نے ہندوستان میں کیسا امن و امان قائم کر دیا ہے! مسافروں کی آمد و رفت اور تجارتی مال و اسباب کے لے آنے لے جانے کے لئے ملک بھر میں ریلوں کا جال بچھا دیا ہے! ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک آن کی آن میں ایک خبر ذرا دیر میں پہونچ جاتی ہے! وبائی امراض کے دفعیہ کے لئے جگہ جگہ ہسپتال اور شفاخانے کھول دئے ہیں! غرض تمہارے آرام و آسایش اور راحت و اطمینان کے لئے ریل، تار، ہسپتال، شفاخانے، پل، چوکیاں ہزاروں چیزیں مہیا کر دی ہیں۔ بھلا تم کن کن نعمتوں کی ناشکری کروگے! سب نے یک زبان آمنّا کا سبق پڑھا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزی حکومت کی بیجا حمایت و پاسداری سب کا شیوہ بن گیا، حکام کی خوشامد اور رضا جوئی سب کا مطمح نظر قرار پایا۔ غرض دماغوں پر حکومت کے رعب و داب کی ایک سیاہ گھٹا چھا گئی جو حقیقت کی تیز سے تیز روشنی سے بھی ایک عرصہ تک دور نہ ہوئی۔

اب صدی ڈیڑھ صدی کے بعد ایک دوسرا فتنہ اٹھ رہا ہے۔ جنگ عظیم کے بعد یورپ میں "مجلس اقوام" کے نام سے دول مغرب کی ایک انجمن قائم ہوئی ہے جس کی منشا و غرض بھی ہندوستان کی انگریزی حکومت کی طرح تمام دنیا میں امن و امان قائم کرنا اور اہل دنیا کو ہر طرح کی راحت و آسایش پہونچانا بتایا جاتا ہے اور اسی طرح سے اب اس کا پروپگنڈا بھی اسکولوں اور کالجوں کے ذریعہ کیا جا رہا ہے چنانچہ ابھی حال میں حکومت ہند کی طرف سے تمام سرکاری اور امدادی اسکولوں کو ایک کتاب مع ایک سرکاری خط کے بھیجی گئی ہے جس میں ہیڈ ماسٹروں کے نام یہ حکم درج ہے کہ وہ "اپنے اپنے اسکولوں کے تمام تاریخ کے استادوں کو یہ ہدایت کر دیں کہ وہ اسکول کی اعلیٰ چار جماعتوں میں اس کتاب کے موضوع پر لکچر دیں" اور ہیڈ ماسٹروں سے یہ درخواست ہے کہ وہ خود بھی کبھی کبھی اس موضوع پر اظہار خیال فرمایا کریں"۔ اور اس خیال سے کہ اس میں ذرا بھی تساہل نہ ہو یہ تاکید ہے کہ وہ اپنی اپنی کارگذاریوں کی مختصر روداد دفتر ہذا بھیجا کریں تاکہ اس سے اندازہ ہو سکے کہ انھوں نے مجلس اقوام کے اغراض و مقاصد کی نشر و اشاعت میں کہاں تک حصہ لیا"!

اعتراض یہ نہیں کہ انگریزی حکومت کی نعمتیں [illegible] برکتیں کیوں گنائی جاتی ہیں یا "مجلس اقوام" کے اغراض و مقاصد کیوں بتائے جاتے ہیں، بلکہ گذارش صرف اس قدر ہے کہ جو حقیقت میں نعمتیں اور برکتیں ہیں، وہ بتائی جائیں اور جو نہیں ہیں اُن سے کیوں بچوں کے دماغوں کو خراب کیا جاتا ہے۔ انگریزی حکومت کا قیام ہندوستان کے لئے بعض پہلوؤں سے بے شک مفید ثابت ہوا۔ لیکن یہ ریلوں کا وسیع جال اور تاروں کا کشمیر [illegible] کیا خالص اہل ہند کے نفع و بہبود کے [illegible] انگریزی زبان اور علوم کی تعلیم کیا فی الحقیقت ہمارے دماغوں کو آراستہ کرنے اور ہمارے قلوب کو منور کرنے کے لئے دی جا رہی تھی؟ اگر نہیں ۔۔ اور ہرگز نہیں [illegible] کے ساتھ اُن پوشیدہ اغراض و مقاصد کو بھی روشنی میں لانا چاہئے تھا۔ [illegible] کیا ہے کہ انھیں [illegible] اغراض کو چھپانے کے لئے اہل ملک کے نفع و بہبود کی نقاب ڈالی جا رہی ہے! یہ کیوں ہے کہ ایک حقیقت کو نقاب پوش صورت میں نظروں کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے!

اسی طرح آج "مجلس اقوام" کی حقیقت کو بھی صاف طور پر رونما نہیں کیا جا رہا ہے۔ اس کے قیام کی اصل غایت و غرض کیا تھی لیکن اب کیا ہو گئی ہے، دونوں کو واضح کرنا چاہئے۔ اس ٹٹی کی آڑ میں بعض سامراجی سلطنتوں نے کس کس طرح شکار کھیلا ہے، ان واقعات کو بھی مبرہن ہونے چاہئیں۔ کمزور قوموں کی پشت پناہی اور طاقتور سلطنتوں سے چشم پوشی اس نے کن کن موقعوں پر کی، ان سب کا ذکر بھی اس کتاب میں اور اس سے متعلق خطبات میں آنا چاہئے۔ سوال یہی صرف نہیں ہے کہ غذا خراب ہے بلکہ جن ہاتھوں سے غذا مل رہی ہے وہ ناقابل اعتماد ہیں جن سے ہمیشہ ایسی ہی غذا ملنے کی توقع ہے۔ علم و تعلیم پر جب حکومت کا سایہ پڑا تو اسی دن سے اس میں اس کے اغراض اور مصالح شامل ہو جائیں گے۔ پھر علم خالص علم کے لئے نہ ہوگا بلکہ علم حکومت اور سلطنت کے لئے ہو جائے گا۔

ہندوستان کے لئے مشترکہ رسم الخط

(از مہاتما گاندی)

ہندوستان کے تعلیمی مسائل خاصکر قومی تعلیم، قومی زبان اور اس کے لئے مشترکہ رسم الخط کے مسئلہ سے مہاتما جی کو جو دلچسپی ہے نہ صرف دلچسپی بلکہ اُن مقاصد کے حصول کے لئے وہ جو عملی کوششیں کرتے رہتے ہیں ان سے ہندوستان کا تعلیم یافتہ اور اخبار بیں طبقہ ناواقف نہیں۔ ذیل میں ہم مہاتما جی کے ایک مضمون کا ترجمہ ناظرین پیام تعلیم کی خدمت میں پیش کرتے ہیں جو حال ہی ینگ انڈیا میں شائع ہوا ہے۔ اس مضمون میں مہاتما جی نے ہندوستان کی تمام زبانوں کے لئے مشترکہ رسم الخط کی ضرورت اور اس کو رواج دینے کی صورت سے بحث کی ہے ان کا خیال ہے کہ اس سے قبل ہندوستان کی ساری دیسی زبانوں کا رسم الخط 'دیوناگری' ہو جائے۔ یہ ضروری ہے کہ ان زبانوں کا جو سنسکرت اور دراوڑی زبانوں سے مشتق ہیں رسم الخط دیوناگری ہو جانا چاہئے۔ ہمیں مہاتما جی کے اس خیال سے اتفاق نہیں کہ اردو بھی دیوناگری میں لکھی جائے۔ جس طرح ہندوستان کی دوسری زبانیں سنسکرت یا دراوڑی سے مشتق ہیں اسی طرح اردو عربی اور فارسی سے مشتق ہے۔ آج کل اردو کا رسم الخط فارسی ہے اور یہی دوسری زبانوں کا یعنی فارسی، عربی اور ترکی کا بھی رسم الخط ہے۔ لہذا جبتک یہ زبانیں دنیا میں رائج ہیں فارسی رسم الخط بھی رائج رہے گا چونکہ اردو کا زیادہ تر تعلق ان ہی زبانوں سے ہے اس لئے کوئی وجہ نہیں کہ اردو کا رسم الخط فارسی نہ رہے۔ علاوہ اس کے مہاتما جی نے ہندوؤں سے اردو کے مطالعے کی اور مسلمانوں سے ہندی کے مطالعے کی درخواست کی ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسا مطالعہ دونوں قوموں کے اکثر و بیشتر اختلافات کو جو محض غلط فہمیوں پر مبنی ہیں دور کرنے میں بہت مفید ثابت ہوگا ہمیں امید ہے کہ یہ مضمون ناظرین "پیام تعلیم" کی دلچسپی کا باعث ہوگا۔

معین الدین حارث

چند روز قبل ایک صاحب نے "نوجیون"[1] کے نام ایک خط لکھکر مجھے یہ مشورہ دیا تھا کہ میں "نوجیون" کو دیوناگری رسم الخط میں چھپوایا کروں تاکہ میرے اس خیال کی کہ پورے ہندوستان کا واحد رسم الخط ہونا چاہئے عملاً تائید ہو سکے۔ گو میرا عقیدہ ہے کہ سارے ہندوستان کا ایک ہی رسم الخط ہونا چاہئے اور دیوناگری ہی ایسا رسم الخط ہو سکتا ہے تاہم بعض وجوہ کی بنا پر میں اس نامہ نگار کے مشورے پر عمل نہ کر سکا۔ پھر بھی اسمیں شک نہیں کہ ملک کی موجودہ بیداری جو موقع پیش کر رہی ہے۔ اس سے فائدہ اٹھاکر ہمیں صرف اس خیال کی اشاعت ہی نہ کرنا چاہئے بلکہ عملاً بھی اس منزل کی طرف قدم اٹھانا چاہئے۔ بلاشبہ اس مسئلہ میں پوری کامیابی حاصل کرنیکی راہ میں ہندو مسلمانوں کا موجودہ جنون سد راہ ہوگا لیکن اس سے قبل کہ دیوناگری رسم الخط ہندوستان میں عام طور پر رائج ہو، ہندوؤں میں یہ خیال عام ہو جانا چاہئے کہ اُن تمام ہندوستانی زبانوں کے لئے جو سنسکرت یا دراوڑی زبانوں سے مشتق ہیں، ایک ہی رسم الخط ہونا چاہئے۔ بحالت موجودہ بنگال میں بنگالی، پنجاب میں گرمکھی، سندھ میں سندھی، اُتکل میں اوڑیا، گجرات میں گجراتی، اندھرا دیس میں تیلگو، تامل ناڈو میں تامل، کیرلا میں ملیالی، کرناٹک میں کانڑی، بہار میں کامیتی اور دکن میں موڑی رسم الخط رائج ہیں۔ روزمرہ کے کاروبار اور خاصکر قومی کاموں کے لئے اگر ان سب کی بجائے صرف دیوناگری رسم الخط رواج پا جائے تو بلاشبہ ہم ترقی کی طرف ایک بہت بڑا قدم اُٹھائیں گے۔ اس سے ہندوؤں کے اتحاد میں مدد پہنچیگی اور مختلف صوبوں میں آج جو بُعد پایا جاتا ہے وہ بھی بڑی حد تک کم ہو جائے گا۔ ہر وہ شخص جسے ہندوستان کی مختلف زبانوں کا علم ہو اور جسے ان کے رسم الخط سے بھی واقفیت ہو، وہ جانتا ہوگا کہ رسوم خط سے واقفیت حاصل کرنا کس درجہ دشوار کام ہے یہ صحیح ہے کہ اپنے دیس کی محبت میں کوئی چیز دشوار نہیں معلوم ہوتی اور مختلف رسوم خط سے جن میں سے بعض بہت خوشنما ہوتے ہیں واقفیت حاصل کرنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے وہ رائگاں نہیں جاتا لیکن یہ ہر شخص کا تو کام نہیں۔ قومی لیڈروں کا فرض ہے کہ وہ عوام کے لئے اس میں آسانیاں بہم پہنچائیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ ہم کوئی ایسا مشترکہ رسم الخط تجویز کریں

---

[1] مہاتما گاندھی کا گجراتی اخبار۔

جس سے ہر شخص بآسانی واقفیت حاصل کر سکے اور موجودہ حالت میں دیوناگری ہی ایسا رسم الخط ہے جس میں یہ خوبی بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس سے قبل ایک آل انڈیا انجمن قائم ہوئی تھی ممکن ہے وہ اب بھی موجود ہو بہرحال مجھے اس کی موجودہ کارگذاریوں کا علم نہیں۔ لیکن اگر ہمیں یہ کام کرنا ہے تو یا تو اس پرانی انجمن کو از سر نو زندہ کرنا چاہیے یا اس کام کے لئے نئی انجمن قائم ہونا چاہئے۔ پھر بھی اس تحریک کو "ہندی" یا "ہندوستانی" کو ملکی قومی زبان بنانے کی تحریک سے بالکل الگ رہنا چاہئے وہ کام بہت آہستگی لیکن استقلال اور عمدگی کے ساتھ انجام پا رہا ہے۔ مشترکہ رسم الخط کے رواج سے مشترکہ زبان بننے میں آسانیاں پیدا ہوں گی۔ لیکن ان دونوں کا کام صرف ایک حد تک متحد ہو سکتا ہے۔ "ہندی" یا "ہندوستانی" زبان کا یہ مقصد نہیں ہے کہ وہ دوسری دیسی زبانوں کو فنا کر دے اس کا مقصد صرف مختلف صوبوں کے لئے تبادلۂ خیالات کا ایک ذریعہ پیدا کرنا ہے اور جب تک ہندو مسلم منافقات جاری رہیں گے موجودہ حالت قائم و برقرار رہے گی یعنی اردو زبان فارسی رسم الخط میں لکھی جائے گی اور اس میں فارسی اور عربی الفاظ کا استعمال بکثرت ہوتا رہے گا۔ اسی طرح "ہندی" زبان دیوناگری رسم الخط میں لکھی جائے گی اور اس میں سنسکرت الفاظ بکثرت ہوں گے لیکن جب دونوں قوموں کے دل مل جائیں گے تو دونوں زبانوں کے میل سے ایک ایسی زبان پیدا ہوگی جس میں سنسکرت، فارسی، عربی اور دیگر زبانوں کے اتنے الفاظ ہوں گے جو مافی الضمیر کے اظہار کے لئے ضروری ہوں۔

بخلاف اس کے مشترکہ رسم الخط کا مقصد یہ ہے کہ دوسرے جتنے بھی رسوم خط ہیں وہ سب مٹ جائیں تاکہ مختلف صوبوں کے لوگوں کو دوسرے دوسرے صوبوں کی زبانیں سیکھنے میں آسانی ہو اس مقصد کے حصول کا بہترین ذریعہ یہی ہو سکتا ہے کہ ابتداءً صرف ہندوؤں کے لئے دیوناگری رسم الخط کا سیکھنا لازمی قرار دیا جائے۔ گجرات میں اب بھی یہی رواج ہے۔ ثانیاً مختلف دیسی زبانوں کا ادب دیوناگری میں طبع کرا کر شائع کیا جائے۔ اب بھی اس قسم کی کوششیں ہو رہی ہیں چنانچہ دیوناگری خط میں چھپی ہوئی گیتا خود میری نظر سے گذری ہے لیکن ضرورت ہے کہ یہ کام بڑے پیمانے پر ہو اور ایسی کتابوں کی اشاعت کے لئے بہت زیادہ پروپگنڈا کیا جائے۔ باوجود اس علم کے موجودہ فضا میں کوئی ایسی عملی تحریک جو ہندو مسلمانوں کو متحد کرنے بہت زیادہ پسندیدگی کی نگاہ سے نہ دیکھی جائے گی میں اپنے وہ خیالات جو "ینگ انڈیا" کے کالموں میں اور اور موقعوں پر ظاہر کر چکا ہوں آج پھر دہرانے سے باز نہیں آسکتا۔ میرا یہ عقیدہ ہے کہ اگر ہندوؤں کو اپنے مسلمان بھائیوں کی ذہنیت سے واقفیت حاصل کرنا ہے تو انھیں اردو ضرور جاننی چاہئے اسی طرح مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ اپنے ہندو بھائیوں کی ذہنیت سے واقف ہونے کے لئے وہ ہندی کا مطالعہ کریں۔ جن لوگوں کو ہندو مسلم اتحاد پر یقین ہے انھیں دونوں قوموں میں بغض و فساد کے جو دلخراش منظر اس وقت پیش کر رہی ہیں ان سے مایوس نہ ہونا چاہئے۔ اگر اُن کے اس عقیدے میں کچھ بھی پختگی ہے تو انھیں برابر دونوں قوموں میں باہمی رواداری، محبت اور یگانگت پیدا کرنے کی کوشش میں مصروف رہنا چاہئے اور ایک دوسرے کی زبان سے واقفیت حاصل کرنا یہ اس قسم کی ایک ادنیٰ کوشش ہے بجائے اس کے کہ ہندو اور مسلمان ایک دوسرے کے مذہب کے متعلق وہ لٹریچر پڑھیں جو مذہب سے واقفیت نہ رکھنے والے اور عمداً بدزبانی کرنے والے متعصب لوگوں نے لکھا ہو، کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ ہندو خدا ترس اور نیک دل مسلمانوں کی قابل قدر تصانیف سے یہ سیکھیں کہ مسلمانوں کا قرآن کریم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کیا خیال ہے اور اسی طرح مسلمان ہندی کتابوں سے یہ سیکھیں کہ ہندوؤں کا بھگوت گیتا اور شری کرشن جی کے متعلق کیا عقیدہ ہے؟

بقیہ مضمون صفحہ اول | نہ صرف بڑے بڑے دولتمند اور کثیر آمدنی رکھنے والے حضرات ہی شریک ہو سکتے ہیں جن کی شایان شان تو وہ اول الذکر صورتیں ہیں۔ بلکہ وہ تمام متوسط طبقہ کے لوگ برابر حصہ دار ہو سکیں گے جو جامعہ کے ساتھ کم و بیش ہمدردی رکھتے ہیں۔ اب تک جہاں دینے والوں سے شکایت رہی وہاں لینے والوں کی طرف سے بھی غفلت اور سستی کا اظہار ہوا ہے۔ لیکن اب اس کا پورا انتظام کر لیا گیا ہے اور یہ کام سب سے پہلے خاص شہر دہلی سے شروع کیا جا رہا ہے جو جامعہ کا مستقر اور ماویٰ ہے۔ دیکھنا ہے کہ مسلمانان دہلی اس اسکیم کو کامیاب بنانے میں کہاں تک حصہ لیتے ہیں۔ اور اپنی عملی ہمدردی اور دلچسپی کا کہاں تک ثبوت دیتے ہیں۔

شمع علم کے پروانے

مولوی عبدالجلیل صاحب جو ایک ہونہار لایق ندوی ہیں، دارالعلوم ندوہ سے فراغت کے بعد اب جامعہ میں انگریزی زبان سیکھنے اور جدید علوم کی تحصیل کے لئے تشریف لائے ہیں۔ آپنے خاکسار کی درخواست پر تاریخ اسلام سے ایسے اشخاص اور بزرگوں کے حالات جمع کرنے کا کام اپنے سر لیا ہے جنھوں نے طلب علم کی راہ میں سعی و کوشش کی ہے۔ بحمداللہ اسکی پہلی قسط امام بخاریؒ کے حالات زندگی سے ہم آج کی صحبت میں ناظرین کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ "اڈیٹر"

امام بخاریؒ

علم کی جو اہمیت اور فضیلت اسلام میں ہے، وہ محتاج تشریح نہیں خود ہماری کتاب مبین علم کے اشارات و کنایات سے بھری ہوئی ہے۔ ہمارے جدامجد حضرت آدم علیہ السلام کو خدائے تعالیٰ نے سب سے پہلے اسی علم اسما کا درس دیا تھا' وعلم آدم الاسماء کلھا۔ احادیث نبوی میں بھی جا بجا اس کی تاکید آتی ہے۔ طلب العلم فریضۃ علی کل مسلم و مسلمۃ۔ اطلبوا العلم و لو کان بالصین۔ یہ اور اس قسم کے کتنے کنایات و ارشادات ہیں جو تلاش کرنے پر مل سکتے ہیں۔ جنگ بدر میں جو کفار گرفتار ہوکر آئے تھے، ان کی رہائی کی آنحضرت صلعمؐ نے کیا شرط لگائی تھی؟ یہی کہ تم میں سے ہر ایک چند مسلمانوں کو لکھنا سکھا دے اور پھر وہ آزاد ہے۔ صرف آپنے اپنے غلام زید بن حارثہ کو عبرانی زبان پڑھنے کے لئے ہدایت فرمائی تاکہ ان سے عیسائیوں اور یہودیوں کی کتاب آسمانی اور ان کے مذہب کا صحیح پتہ چل سکے۔ اسلام اور تاریخ اسلام کا ایک ایک صفحہ اس قسم کے واقعات سے پُر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے اسلاف اور بزرگوں نے علم کی پوری اہمیت کو سمجھا اور اسکی صحیح قدر کو پہچانا۔ اور شیخ سعدی علیہ الرحمۃ جیسے بزرگ نے بھی علم کو خداشناسی کا ذریعہ سمجھا اور اس کے لئے شمع کی طرح پگھلنے کی نصیحت فرمائی ؎

چوں شمع از پئے علم باید گداخت
کہ بے علم نتواں خدا را شناخت

ہمارے بزرگ علم کے اتنے پیاسے تھے کہ باوجود مسلسل فقر و فاقہ کے کئی کئی سو میل تک صرف چند مجہول چیزوں کے معلوم کرنے کے شوق میں بادیہ پیمائی کرتے راستے کی مشکلات، بے آب و گیاہ میدانوں کا سفر، جنگلی جانوروں کا خوف، بھوک اور پیاس کی شدت اُن کے شوق طلب اور حصول مقصد میں قطعاً مانع نہ ہوتا۔

وہ عراق سے مصر، مصر سے شام، شام سے ایران پیدل چلنا محض رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے چند قول و فعل معلوم کرنیکیلئے ایک معمولی بات خیال کرتے۔ جنگلوں میں جڑی بوٹی کی تحقیقات اور ان کے خواص معلوم کرنے کے لئے مارے مارے پھرتے، ایک معمولی نحوی یا صرفی غلطی کی تصحیح سالہاسال شہروں اور ملکوں کی خاک چھنواتی۔ وہ حصول علم میں مرنا اپنے لئے شہادت تصور کرتے۔

آجکل جتنی آسانیاں طلب علم کیلئے حاصل ہیں اُسی نسبت سے اس زمانہ میں مشکلات تھیں۔ آمد و رفت کے جو آسان وسائل آج موجود ہیں، اسوقت نہ تھے، کتابوں اور کتب خانوں کا آج جو ڈھیر ہے، یہ ان لوگوں کے لئے عنقا تھا، وہ استاد کی تقریروں کو نوٹ کرتے اور یہی ان کی کل کائنات ہوتی جو بجائے کتب خانہ کے کام دیتی۔ شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ مسودات جن کو انھوں نے اپنے استاد سے سنکر لکھا تھا جب ڈاکوؤں کے ہاتھ چلے گئے تو گویا ان کا گرانمایہ کتب خانہ تباہ ہوگیا، جو ان کا کل سرمایہ حیات تھا۔

آج جسقدر کتب خانوں کی کثرت اور کتابوں کے انبار دکھائی دیتے ہیں انہیں سے زاید حصہ انھی بزرگوں کی جدوجہد کے نتائج ہیں جنکا مطمح نظر علم کی تلاش اور جستجو تھی۔ ہمارے ان بزرگوں کی یہ علمی کدوکاوش نہوتی تو یہ بیش بہا خزانے آج عالم وجود میں نہ ہوتے۔ آج کی صحبت میں ہم اُن بزرگوں کی طویل فہرست میں سے صرف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کو جو استاذ المحدثین ہیں پیش کرتے ہیں۔

آپ کا اسم گرامی ابو عبداللہ محمد بن اسمٰعیل بخاری ہے شوال ۱۹۴ھ میں آپ پیدا ہوئے، بخارا آپ کا اصل وطن ہے۔ آپکی ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے وطن ہی میں ہوئی، لیکن اسی وقت سے آپکی فطری ذہانت اور غیر معمولی قوت حافظہ سے یہ ظاہر ہورہا تھا کہ آگے چلکر یہ ہونہار پودا پروان چڑھے گا، اور دنیا کے لئے روشن چراغ اور راہ نما ہوگا۔ ذہین اور سمجھدار ہونے کے علاوہ آپ کی خاص خوبی یہ تھی کہ آپ کو بچپن ہی سے علم کا صحیح ذوق خصوصاً علم حدیث و رجال کا چسکا لگ گیا تھا چنانچہ ابھی آپ گیارہ برس کے بھی نہ ہونے پائے تھے کہ سماعت

حدیث شروع کر دی، اور اس سن میں ابن مبارک کی تمام تصنیفات کے حافظ بنگئے چودہ برس تک بڑے بڑے ائمہ حدیث سے جو بخارا اور بخارا کے گرد گرد تھے احادیثیں سنتے اور انھیں حفظ کرتے رہے جتنی ہی حدیثوں کی سماعت اور ان کے حفظ کرنے میں ترقی ہوتی جاتی، اتنا ہی انکو اپنی معلومات کی کمی محسوس ہوتی۔ بالآخر اس ہونہار طالب علم کو یہ تاب نہ رہی کہ اپنا مطالعہٗ علم انھیں اردگرد کے شیوخ تک محدود رکھے۔ آخرش شوق علم نے بادیہ پیمائی پر مجبور کیا اور مدتوں بلخ، بغداد، مکہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ، شام عسقلان، حمص، دمشق وغیرہ کی خاک چھانتے رہے۔ بعض مقامات پر آپ برسوں وہاں کے اساتذہ اور شیوخ کرام کی خدمت میں رہے اور احادیث کا صحیح مجموعہ فراہم کرتے رہے۔ بعض بعض حالتوں میں ایک حدیث کی تحقیق اور اس کی تفتیش میں برسوں حیران رہے اور اگر وہ حل ہوتا دکھائی نہ دیتا تو اسی کی دھن میں دور دور اساتذہ فن کی خدمت میں حاضر ہوتے۔ ان سیاحتوں میں امام موصوف کو جن جن مصائب اور تکالیف سے دوچار ہونا پڑا، وہ احاطہ تحریر سے باہر ہیں۔ ایک سفر کا واقعہ ہے کہ ایکبار آپ اس درجہ بھوک اور پیاس سے پریشان ہوئے کہ تین دن تک صرف جنگل کی جڑی بوٹیوں پر قناعت کی۔ اسی طرح ایک دوسرا واقعہ ہے کہ جب بصرہ میں اپنے شیخ کے پاس سماعت حدیث کے لئے آپ کئی روز تک نہ گئے تو عمر بن حفص اشقر جو آپ کے ساتھ سماعت حدیث میں شریک تھے، سبب معلوم کرنے کے لئے آپ کے گھر گئے وہاں آپنے اس فقیر علم کو بالکل برہنہ پایا آپکے پاس اتنا بھی سرمایہ نہ تھا کہ تن ڈھانکنے کا سامان کرتے۔ بالآخر کہیں سے چند درھموں کا انتظام کر کے ستر پوشی کا انتظام ہوگیا۔

اس قسم کے صدہا واقعات ہیں جو آپ کو حدیثوں کی چھان بین میں پیش آئے۔ اور اس سے آپ کے عزم و استقلال کیساتھ علمی تحقیق اور اس کے لئے کاوش و جستجو میں لگے رہنے کا ثبوت ملتا ہے۔

مفلسی اور تہیدستی کیوجہ سے بسااوقات روشنی کا بھی سامان نہ ہو سکتا تھا چنانچہ تاریخ کی ایک کتاب آستانۂ نبوت پر چاندنی راتوں میں لکھی گئی۔ محنت کا یہ حال تھا کہ ایک لاکھ صحیح حدیثیں حفظ تھیں اور غیر صحیح حدیثوں کا اندازہ دو لاکھ تک کیا جاتا ہے۔ بغداد کے سفر میں بعض لوگوں نے اس کا اس طور پر امتحان کیا کہ دس دس حدیثیں جن کے اسناد اور متون بالکل بدلے ہوئے تھے آپ کے سامنے پیش کیں آپ نے بغیر کسی غور و فکر کے انکی فوراً تصحیح کر دی۔ یہ وہ واقعات ہیں جو آپ کے طلب علمی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتے ہیں، آپ کی مفلسی اور ناداری، مصائب کی برداشت، شوق طلب علم سے کبھی آسودہ اور سیر نہ ہونا اور سب سے آخر حصول مقصد کے لئے سخت محنت و مشقت برداشت کرنا ان میں سے ہر ایک ہمارے لئے درس عبرت ہے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

(بقیہ مضمون صفحہ ٨ کالم ٢)

امتحانوں میں صرف انگریزی امتحان پاس کر لینے پر دوسرے عام انگریزی طلبہ کے برابر انکو بی اے اور ایم اے کی ڈگریاں دیجانے لگیں اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ پنجاب اور بنگال میں کوئی آزاد عربی درسگاہ باقی نہ رہی، اور نہ استحقاقات کے مقابلہ میں وہ قائم رہ سکتی تھی۔ پنجاب کی اس عظیم الشان آبادی میں جہاں تقریباً ہر ضلع میں ایک انگریزی اسلامی اسکول موجود ہے پورے صوبہ میں بھی کوئی عربی کی بڑی قابل ذکر درسگاہ موجود نہیں۔ اور بنگال میں جو بھی عربی مدرسہ یا مکتب ہے، وہ مدرسہ عالیہ کے پنجۂ نظام میں گرفتار ہے۔

(بقیہ مضمون صفحہ ٩ کالم ٢)

مبارک پر تقریریں کیں۔ اور آپکی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ ان میں سے رام چندر جی کی تقریر خاص طور پر قابل ذکر ہے آپ نے نبی صلعم کی سیرت پر مختصر مگر نہایت عمدہ تقریر کی۔

جامعہ کھلنے کے کچھ ہی دنوں بعد "چرخہ سنگھ" کے ممبران کا بھی ایک عام جلسہ ہوا ممبران کافی تعداد میں موجود تھے۔ طلبہ گذشتہ سال سے زاید اس سال "چرخہ سنگھ" میں بھی کافی دلچسپی لے رہے ہیں اور اب تو بہتوں کے ہاتھوں میں تکلیاں بھی نظر آتی ہیں۔

ایک بنگالی صاحب جو ہماری جامعہ کے گریجویٹ ہیں اور جو آج کل انگلستان میں تعلیم حاصل کر رہے ہیں اپنی سالانہ چھٹی میں مکان آئے تھے یکم جولائی کو سب سے پہلے جامعہ میں آئے اب واپس جاتے ہوئے بھی یہیں سے روانہ ہو رہے ہیں۔ آجکل وہ جامعہ ہی میں مقیم ہیں اور ١٨ ستمبر کے جہاز سے انگلستان روانہ ہو جائیں گے۔

طلبہ کیا کر سکتے ہیں؟

مہاتما گاندھی جی نے ویلور میں طلبہ کے سامنے ایک تقریر کی تھی جو اس قابل ہے کہ ہر طالب علم کی نظر سے گذر جائے طلبہ کے ایڈریس کے جواب میں وہ فرماتے ہیں

ایک عام خصوصیت

میں ان تمام طلبا کا جنھوں نے مجھے ایڈریس دیا ہے اور کھدر فنڈ میں روپیہ عنایت کیا ہے، شکریہ ادا کرتا ہوں۔ تمہارے دلوں میں جو میری محبت اور غریبوں کے لئے ہمدردی کا جذبہ ہے اس سے میں ذرا بھی متعجب نہیں ہوا۔ کیونکہ اس خوبصورت ملک کے عرض و طول میں۔ میں جہاں بھی جاتا ہوں، ان تمام سخت مشکلوں کے باوجود یہ بات میرے لئے تسلی بخش اور خوشی کا باعث ہوتی ہے کہ طلبا اپنے دل میں مجھسے محبت رکھتے ہیں۔ طلبا نے میرا بوجھ بہت کچھ ہلکا کر دیا ہے، لیکن پھر بھی میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ مجھسے محبت اور غریبوں کہ ہمدردی رکھنے کے باوجود تم کو بہت کچھ کرنا ہے۔ مستقبل کی تمام امیدیں تمہیں سے وابستہ ہیں۔ جب تم ان اسکولوں اور کالجوں سے نکلو گے تو قوم کی نظریں تمہیں پر پڑینگی اور تمہیں کو غریبوں کا رہبر بننا پڑے گا۔ اس واسطے میری تم سے یہ درخواست ہے کہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کرو اور کام کرنے میں زیادہ انہماک دکھاؤ۔ یہ نہایت افسوس کی بات ہے کہ اکثر طلبا جب وہ طالبعلمانہ زندگی بسر کرتے ہیں تو ان کے دلوں میں پاک اور اچھے جذبات موجود ہوتے ہیں لیکن جونہی وہ فارغ ہو کر نکلتے ہیں ان تمام جذبات کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ان کا منتہائے نظر صرف پیٹ پالنا ہوتا ہے۔ یہ میں مانتا ہوں کہ یہ سب ٹھیک نہیں لیکن ایک بات بالکل صاف ہے۔ ہر ایک ماہر تعلیم جس کا تعلق طلبا سے ہوتا ہے تسلیم کرتا ہے کہ ہمارے موجودہ تعلیمی نظام میں خرابی ہے۔ ہمارے ملک اور غریب ملک کی ضروریات کو یہ نظام پورا نہیں کرتا۔ لیکن یہ ایک بہت بڑا سوال ہے جسکے متعلق ہم اس جلسہ میں کچھ نہیں کہہ سکتے۔

سب سے ضروری شرط

ان سب باتوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ہم کو سوچنا ہے کہ طلبا کے لئے کونسا کام ممکن ہے اور ملک کی خدمت کرنے کیلئے وہ کیا کر سکتے ہیں۔ اس کا جواب میرے ذہن میں اور ان لوگوں کے دلوں میں جو یہ سمجھتے ہیں کہ طلبا بہت کچھ کر سکتے ہیں یہ آیا ہے کہ سب سے پہلے وہ اپنے کو اور اپنے چال و چلن کو دیکھیں۔ ہزاروں طلبا سے میری ملاقات اور خط و کتابت ہے جس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ابھی طلبا کو اپنے اندر بہت کچھ پیدا کرنا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔ ہماری زبان میں طالب علم کے ہم معنی ایک نہایت ہی اچھا لفظ "برہم چاری" ہے۔ مجھے امید ہے کہ تم برہمچاری کا مطلب سمجھتے ہوگے۔ اس کے معنی خدا کی تلاش کرنا ہے، وہ جو کم سے کم وقت میں خدا کے نزدیک جانا چاہتا ہے۔ تمام بڑے بڑے مذاہب چاہے ان میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو لیکن اس بات میں سب متفق ہیں کہ کوئی مرد یا عورت جس کا دل پاک نہ ہو، خدا کے سامنے نہیں جا سکتا۔ حصول علم کا مقصد سیرت اور اخلاق کا بہتر بنانا ہونا چاہئے۔

میرے ایک انگریز دوست جنکو میں پہلے نہیں جانتا تھا میرے پاس آئے اور مجھ سے پوچھا کہ ہندوستان میں اگر واقعی روحانیت ترقی کر چکی تھی تو کیا وجہ ہے کہ طلبا میں خدا کے تلاش کرنے کا مادہ نہیں اور اکثر تو یہ بھی نہیں جانتے کہ بھگوت گیتا کس شئے کا نام ہے۔

میں نے اس کا وہی جواب جو صحیح ہو سکتا تھا دیا لیکن یہاں میں تمہارے سامنے وہ جواب دہرا نہیں سکتا۔ میری تم سے درخواست ہے کہ ہر ایک تم میں سے اپنے دل کا محاسبہ کرے اور اپنا چال چلن سدھارنے کی کوشش کرے۔ خدا پر ہمیشہ بھروسہ رکھو۔ اپنے دل میں بردباری اور علم پیدا کرو۔ اور اگر تم میں یہ سب باتیں پیدا ہو گئیں تو باقی باتیں از خود تمہارے سامنے آجائینگی۔ اگر تم کو خدا پر بھروسہ ہو گا تو تم غریبوں کی مدد کرنے پر بھی آمادہ ہو جاؤ گے۔ مجھے خوشی ہے کہ چرخے کی تحریک سے تمہیں ہمدردی ہے اور چھوت وغیرہ کے خلاف تم لڑ رہے ہو۔

آسان ترین بات

دنیا میں یہ تمہارے لئے بہت آسان بات ہے کہ ابھی سے تم یہ عہد کرلو کہ آئندہ صرف کھدر کا استعمال کر کے اپنے بھائیوں کی جیبوں میں بھی کچھ ڈالو گے۔ اس ایک زمگاہ میں تمہاری تعداد چودہ سو ہے، ذرا سوچو کہ تم چودہ سو اگر روزانہ ایک گھنٹہ کیلئے چرخہ کاتو ملک کی مادی دولت میں کتنا اضافہ کر سکتے ہو۔ اگر چھٹی کے دنوں میں جب تم بیکار رہتے ہو، لوگوں کے پاس جاکر ان کو بری باتوں سے منع کرو

عربی تعلیم کے مٹانے کی کوشش

"جناب سید سلیمان صاحب ندوی نے اپنے رسالہ "معارف" میں "پیام تعلیم" کے شذرات میں عربی تعلیم پر جس انداز پر خامہ فرسائی کی ہے وہ اس قابل ہے کہ ناظرین "پیام تعلیم" کی خدمت میں پیش کئے جائیں۔ ایڈیٹر"

اسوقت خواہ دینی ہو یا دنیاوی، آزاد قومی درسگاہوں کا قائم رکھنا سخت مشکل ہو رہا ہے۔ ملک کے طول وعرض میں اس وقت جتنے غیر سرکاری عربی مدرسے ہیں، اُن میں جو چند عمومی حیثیت رکھتے ہیں، انکی زندگی کا سہارا صرف حیدرآباد اور بھوپال کی ماہوار امدادیں ہیں، اور اس کے بعد دہلی، بمبئی، کلکتہ اور رندھیر کے بعض مسلمان تاجروں کی ہمتیں ہیں، اور اُن کے بعد زکوٰۃ کی رقمیں اور چرم قربانی کی قیمتیں ہیں۔ ہمارے عربی مدرسوں کی آمدنی کے یہ چار ذریعے ہیں، لیکن اب روز بروز یہ مشکل پیدا ہو رہی ہے کہ لوگوں کی توجہ انکی طرف سے ہٹتی جاتی ہے۔

ایک مرکزی دینی عربی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے اہتمام و انتظام کا بار ہمارے سپرد بھی ہے، خدا جانتا ہے کہ اس کے مصارف وضروریات پورا کرنے کی فکر کس طرح شب و روز اس کے کارکنوں پر مسلط رہتی ہے، مگر کامیابی کا کوئی ذریعہ نہیں سوجھتا۔ اسکی عظیم الشان درسگاہ سالہا سال سے نامکمل پڑی ہے، جوں توں کر کے ۴۴ ہزار لگا کر اس کے دارالاقامہ کا سلسلہ شروع کیا گیا، پچاس طلبہ کے لئے ۱۴ کمرے گو کسی طرح تیار ہو گئے، مگر بیچ کا دارالمطالعہ ہنوز ناتمام اور اس پر بھی ایک ہندو ٹھیکیدار کے سات ہزار کے ہم مقروض، اور صرف اس کے رحم وکرم کے تقاضے پر آج ایک سال سے جی رہے ہیں۔ پچھلے سال کانپور کے اجلاس ندوہ میں جن جن صاحبوں نے جو کچھ لکھا یا وہ بار بار کے تقاضوں کے بعد بھی ہنوز ایفائے عہد کا منتظر۔۔۔

یوں ہوں میں شکوہ سے پر راگ سے جیسے باجا
اک ذرا چھیڑیے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے

قوم کے حساس دل اصحاب کو متنبہ رہنا چاہئے کہ اگر ہمارا یہی تغافل قائم رہا تو یہ عربی درسگاہیں، ایک ایک کر کے حکومت کے تعلقات میں گرفتار ہوتی چلی جائیں گی۔ بہت سی چلی گئی ہیں، اور کچھ جانے کو تیار ہیں، کہ ان کے ارکان کو ان کا وجود بہرحال عزیز ہے، ایسی حالت میں قوم کے خدمتگذار اور دین و مذہب اور اس کے علوم کے خدام کا وجود بھی مفقود ہو جائے گا۔ صرف تمام ملک میں "مولوی" کے بجائے "ہیڈ مولوی" نظر آئیں گے، اس دردناک منظر کا تخیل آپ کے سامنے ہے؟ اور اگر ہے تو اس کے لئے کچھ کرنا چاہتے ہیں؟

انگریزی استیلاء کے بعد جہاں انگریز سپاہیوں نے ہندوستان کا ملک فتح کیا، وہاں انگریز عالموں نے یہاں کے دماغوں کو فتح کرنے کی کوشش کی انگریزی اسکولوں اور کالجوں کے جال سے اگر کوئی شکار محفوظ تھا تو وہ بیچارے عربی فارسی وغیرہ مشرقی علوم پڑھنے والے، ہندوستان کے دو کثیر التعداد مسلمان صوبوں میں سب سے پہلے ان کے لئے پھندے بچھائے گئے۔ یعنی پنجاب اور بنگال میں حکومت انگریزی نے مشرقی علوم کی سرپرستی کے لئے اپنا دست شفقت پھیلایا۔ بنگال میں تو مدرسہ عالیہ کا جال ایسا پھیلا کہ آجتک بنگال صید تہ دام ہے۔ پنجاب میں لائیٹنر صاحب کی مہربانی سے اورنٹیل کالج قائم ہو کر مولوی عالم اور مولوی فاضل کی سندیں بٹنے لگیں۔ اور انکو یہ کامیابی نصیب ہوئی کہ آج تک پنجاب کے بڑے بڑے علماء "مولوی فاضل" کا خطاب فخراً اپنے نام کے ساتھ بالالتزام لکھتے ہیں۔

یہ مشرقی علوم کی ایسی درسگاہیں قائم ہوئیں، جن کا سارا نظم ونسق اور تانا بانا انگریزوں کے ہاتھوں یا انگریزوں کی برابر مشرقی واقفیت کی کلی سند رکھنے والوں کے ہاتھوں میں رہا، اور جہاں تک ممکن ہوا دینیات کی کتابوں سے انکو خالی رکھا اور اس طرح نظری اور عملی دونوں حیثیتوں سے وہاں کے طلبہ کو اسلامیت سے پاک رکھ کر خالص عربی علوم سکھائے گئے نتیجہ یہ ہوا کہ پنجاب میں عربی جاننے والے تو بہت ہو گئے، مگر علماء کم ہو گئے، پنجاب میں مذہب میں جدت پسندی کی جو بدعتیں چالیس برس کے عرصہ میں جاری ہوئی ہیں ہم تو ان سب کی اصل اور جڑ اسی "غیر مذہبی تعلیم" کو قرار دیتے ہیں۔

پھر اس کے ساتھ مزید ترغیب وتحریص کی شکلیں پیدا کی گئیں یونیورسٹی کی سندوں سے ممتاز کئے گئے۔ اسکولوں اور کالجوں میں انکی تدریس کا حق منتقل تسلیم کیا گیا، رجسٹراری اور وکالت وغیرہ کا انکو حق ملا، یونیورسٹی کے انگریزی درجہ کچھ صفحہ

جامعہ کا استحکام

(از حافظ فیاض احمد صاحب نائب جامعہ)

جامعہ کے استحکام کے متعلق ابتک پیشگوئیاں ہوتی رہتی ہیں حالانکہ یہ [illegible] ساتواں سال ختم کر کے آٹھویں میں قدم رکھنے کو ہے ۔ ہمیں اس قسم کی کاوش و شکوک اور شبہات کو بہت پہلے ہی خیرآباد کہدینا چاہئے تھا ۔ تاہم ان [illegible] کے لئے جو شکوک کو مآل اندیشی سے تعبیر کیا کرتے ہیں اور ان نفس [illegible] کی خوشخبری کے لئے جو ہماری ناچیز کوششوں سے مطمئن ہیں میں ذیل کی سطور قلمبند کرنا ضروری و مناسب سمجھتا ہوں ۔

کسی درسگاہ کی ترقی کے لئے تین چیزیں ضروری ہیں ، اساتذہ ۔ طلبا ۔ سرمایہ ۔ خدا کا شکر ہے کہ ہماری جامعہ اساتذہ کے معاملہ میں ہندوستان کی تمام درسگاہوں [illegible] کی [illegible] اس میں نہ صرف بہترین ادیب ، انشاپرداز ، قابل مورخ و مفسر [illegible] صاحب کمال علماء اور یورپ کی مشہور یونیورسٹیوں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ موجود ہیں بلکہ ہر چھوٹا بڑا بذات خود غربت ، انکساری ، سادگی اور اخوت و ایثار کا مجسمہ [illegible] اور مسلمانوں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگوں کے متعلق عام شکایت سنی جاتی ہے کہ ان میں قومی خدمت اور ایثار کا مادہ موجود نہیں ہے ۔ اس کی تردید جامعہ کے اساتذہ کے عمل سے بہت آسانی کے ساتھ کیجا سکتی ہے ۔

تیسرے ہاں اس حیثیت سے جامعہ کے شیخ الجامعہ یعنی جناب ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب ایم ۔ اے ۔ پی ۔ ایچ ۔ ڈی (برلن) نے ایک حکم بھیجا ہے جس سے معلوم ہوا کہ خود انہوں نے اور ان کے دو رفقا نے یعنی ڈاکٹر عابد حسین صاحب ایم اے ۔ پی ایچ ڈی (برلن) اور محمد مجیب صاحب بی اے (آکسن) نے جون [illegible] سے اپنی تنخواہوں میں سے ایک ایک سو روپیہ ماہوار کم کر دئے ہیں ۔ اور جو قلیل سی رقم اپنے گزارہ کے لئے وہ لیا کریں گے اس میں سے بھی جامعہ کے بعض نادار طلبا کے لئے ماہانہ وظائف یا یکمشت رقمیں بطور امداد کے دیا کریں گے ۔

اس کے علاوہ محمد مجیب صاحب نے موسم گرما کی تعطیلات کے زمانہ کی تنخواہ جامعہ کے کتب خانہ کے لئے بطور عطیہ مرحمت فرمائی ہے ۔ اگرچہ ان اطلاعات کو عام شہرت دینے کے لئے مجھے منع کر دیا گیا تھا لیکن میں یقیناً مجرم ہونگا اگر ان محسن حضرات کا شکریہ علانیہ طور سے ادا نہ کروں ۔ میرا خیال ہے کہ ملک و قوم میں اس خبر کو خاص عزت کی نگاہ سے دیکھا جائے گا ۔ اور اس ایثار سے خاص سبق حاصل کیا جائے گا ۔

جامعہ میں ایک عرب صاحب جو خالص النسل ہیں اور قسطنطنیہ کے حربی مدرسہ میں دس سال تعلیم حاصل کر چکے ہیں اس غرض سے چند ماہ قیام فرمائینگے کہ بچوں کو عربی زبان میں گفتگو کرنا سکھائیں ۔ چنانچہ پچھلے ہفتہ وہ تشریف لے آئے ہیں ۔

دوسری چیز طلبا کا مسئلہ ہے ۔ اس کے متعلق پہلے اطلاعات شائع ہو چکی ہیں اب تو صرف اسقدر کہنا کافی ہے کہ قرول باغ میں جتنی عمارات ایسی ملسکتی تھیں جو دارالاقامہ کے کام آسکیں وہ بجز معمول سے زیادہ کرایہ دیکر حاصل کی ہیں اور خدا کے فضل و کرم سے سب پر ہو گئیں اور اب ان میں مطلق گنجائش نہیں رہی ہے ۔ اس سال وظیفہ پانے والے طلبا کی تعداد بہت ہی کم ہے زیادہ تعداد ان بچوں کی ہے جو اپنا خرچ خود برداشت کرتے ہیں ۔

مدارس شبینہ ایک قرول باغ میں دوسرا صدر بازار میں نہایت اچھی حالت میں چل رہے ہیں ۔

دن کا ایک مدرسہ بطور شاخ کے صدر بازار میں نہایت کامیابی کے ساتھ چل رہا ہے جس میں ساٹھ لڑکے اب تک داخل ہو چکے ہیں ۔

اب رہا سرمایہ کا سوال ۔ یہ مسئلہ قوم کی توجہ کا محتاج ہے اور ہم خدا پر بھروسہ کئے صبر سے بیٹھے ہیں ۔ یقیناً ایک دن آئے گا جب ہم اس سے بھی مطمئن ہو کر اپنی توجہات کو بہتر نصب العین کی طرف لگا سکیں گے ۔

جامعہ کی زندگی میں ۱۴ ستمبر یوم دوشنبہ یقیناً نہایت مبارک دن تھا جبکہ اپنے مختصر سے سرمایہ میں سے تھوڑا سا روپیہ بچا کر اس نے قرول باغ میں ایک ہزار پچپن مربع گز زمین حاصل کی جس کا دفتر سنٹرل میں تحصیلدار صاحب نے انتقال [illegible] کے ذریعہ جامعہ ملیہ کے نام داخل خارج کر دیا ۔ چونکہ جامعہ کے لئے بہت بڑے قطعہ اور وسیع اراضی کے حاصل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے اسلئے خیال ہے کہ اس مختصر سے قطعہ پر مدرسہ شبینہ کی عمارت بنوائی جائے ۔ کیونکہ یہ قطعہ آبادی میں واقع ہے اور مدرسہ شبینہ کی عمارت آبادی میں ہونی ضروری ہے ۔ جامعہ کی عمارات اور دارالاقامہ وغیرہ کے لئے اراضی آبادی سے فاصلہ پر ہوگی جس کے مناسب موقعہ و محل کا فیصلہ جناب حکیم اجمل خانصاحب قبلہ امیر جامعہ کے دیرہ دون سے واپس تشریف لانے پر ماہ اکتوبر میں کیا جائے گا ۔

بچوں کا صفحہ

قصے اور کہانیاں

(از محمد مجیب صاحب بی۔ اے (آکسن))

۱۔ بطخیں

ایک کسان کچھ بطخوں کو ایک لمبی قطار میں ہنکاتا ہوا شہر کی طرف بیچنے کے واسطے لئے جا رہا تھا۔ اور اگر سچ پوچھا جائے تو وہ اپنی اس امت کی زیادہ عزت نہیں کر رہا تھا بازار کا دن تھا، اور اُسے منافع کی امید تھی۔ اور جہاں روپیہ کا سوال آجائے وہاں بطخ کیا آدمیوں کی بھی قدر نہیں ہوتی ہیں تو کسان پر کوئی الزام نہیں لگاتا، لیکن بطخوں کا خیال بالکل اور تھا۔ راستہ میں جو کوئی اُن سے ملتا اوس سے وہ شکایت کرتیں۔

"بھلا کہیں دنیا میں ہم سے زیادہ بدقسمت بطخیں مل سکتی ہیں؟ یہ کسان ہم کو پریشان کرتا ہے، معمولی بطخیں سمجھکر ادھر ادھر ہنکاتا پھرتا ہے۔ اس جاہل کو یہ نہیں معلوم کہ اسے ہماری عزت کرنی چاہئے۔ کیونکہ ہم اُن بطخوں کی اولاد ہیں جنھوں نے رومہ کو دشمنوں سے بچایا تھا[1]، اور جنکا سارا شہر اتنا شکر گذار تھا کہ اُنھوں نے ان کے نام سے ایک تہوار قائم کیا!"

"اور تم چاہتی ہو کہ اسوجہ سے تمہاری عزت ہو؟" ایک راہ گیر نے اُنسے پوچھا

"ہمارے باپ دادا......"

"مجھے یہ سب معلوم ہے، میں نے کتابوں میں اس کا ذکر پڑھا ہے!... مگر تم نے کسی کو کیا فائدہ پہونچایا؟"

"آپ یہ نہ بھولئے کہ ہمارے باپ دادا نے رومہ کو بچایا تھا!"

"یہ تو ٹھیک ہے، لیکن تم نے بھی کچھ کر دکھایا؟"

"ہم نے خود؟ — کچھ نہیں!"

"تو پھر تم میں کون سی خاص بات ہے؟ [illegible] روحوں کو آرام کرنے دو! انھوں نے ایک بڑا کام کیا تھا، اور اُن کی عزت [illegible] کی گئی... لیکن تم تو اسی لائق ہو کہ تمہارے گوشت کے کباب بنیں!"

اس کہانی کو میں اور صاف الفاظ میں سنا سکتا تھا، لیکن یہ ڈر ہے کہ کہیں ہم میں سے جو بطخیں ہیں وہ خفا نہ ہو جائیں!

۲۔ سور

ایک مرتبہ ایک سور کسی رئیس کے مکان کے احاطہ میں گھس گیا۔ وہاں وہ اصطبل اور باورچی خانہ کے ارد گرد پھرتا رہا، کیچڑ میں اور باورچی خانہ کی نالی میں خوب لوٹا، جس گڑھے میں برتن دھو کر پانی پھینکا جاتا تھا اوس میں خوب نہایا اور میزبان کے مکان سے ویسے ہی سور کا سور واپس گیا۔ گڈریے نے اس سے پوچھا:

"کہو میاں خنزو[2] وہاں کیا کیا دیکھا؟ میں نے تو سنا ہے کہ ان رئیسوں کے یہاں سونے چاندی اور جواہرات کے ڈھیر لگے ہوتے ہیں اور گھر میں ایک سے ایک امیر ہوتا ہے!"

سور نے جواب دیا۔

"ارے کچھ نہیں، یہ سب قصے ہیں۔ میں نے وہاں نہ سونا چاندی دیکھا نہ جواہرات مجھے تو ہر طرف صرف کوڑا کرکٹ اور غلیظ ہی غلیظ نظر آیا... اور مکان کے پچھواڑے تو میں نے ایک دیوار کی دیوار غلیظ سمجھ کر کھود ڈالی۔"

میں خدانخواستہ اس تشبیہ سے کسی کو برا نہیں دکھانا چاہتا، میرا مقصد صرف اس فرقہ کی تعریف منظور ہے، جو چاہے جس طرف نظر اٹھائے صرف کوڑا کرکٹ اور غلیظ دیکھتا ہے۔

۳۔ عقاب اور مکڑی

ایک عقاب بادلوں کی چادر کو چیرتا ہوا کوہ قاف کی چوٹیوں پر پہونچا اور اُن کا چکر لگا کر ایک صدیوں پرانے دیودار کے درخت پر بیٹھ گیا۔ اور وہاں سے جو منظر دکھائی دے رہا تھا اوس کی خوبصورتی میں محو ہو گیا وہاں سے اُسے ایسا

---

[1] مشہور رومہ کو ایک مرتبہ دشمنوں نے گھیر لیا تھا۔ شہر کی فصیلوں پر تو سپاہیوں کا پہرہ تھا۔ لیکن ایک طرف فصیل نہیں تھی۔ یہاں پر ایک بہت اونچی خالص پتھر کی پہاڑی تھی جس کے اوپر مندر تھا، اور اس لئے یہاں دیوار بنانا ضروری نہیں سمجھا گیا۔ رات کو اندھیرے میں دشمن اس پہاڑی پر چڑھ آئے لیکن مندر میں چند بطخیں پلی تھیں جنھوں نے دشمنوں کو چڑھتے دیکھ کر اتنا شور مچایا کہ سارا شہر جاگ اٹھا اور دشمن پہاڑی پر سے بھگا دئے گئے

[2] سور کا نام تھا۔

معلوم ہوتا تھا کہ دنیا ایک سبز ... دوسرے سرے تک ایک تصویر کی طرح سامنے کھلی ہوئی رکھی ہے۔ کہیں پر ... پہاڑوں میں چکر لگاتے ہوئے بہہ رہے ہیں، کہیں پر جھیلیں اور ... کے آس پاس درختوں کے کنج پھولوں سے لدے ہوئے بہار کی پوشاک میں رونق افروز ہیں؛ کہیں پر سمندر خشکی سے اپنی سطح پر بل ڈالے ہوئے کوے کے پروں کی طرح کالا ہو رہا ہے۔

"اے خدا!" عقاب نے آسمان کی طرف دیکھکر کہا۔ "میں تیرا کہانتک شکرادا کروں کہ تو نے مجھے اڑنے کی طاقت ایسی بخشی ہے کہ دنیا میں کوئی بلندی نہیں ہے جہاں میں پہونچ نہ سکوں، اور میں ... کے منظروں کا لطف ایسی جگہ سے بیٹھکر اٹھا سکتا ہوں جہاں کسی اور کی پہونچ نہیں"۔

"تو آخر کیوں اپنے منہ میاں مٹھو بنتا ہے؟" ایک مکڑی درخت کی ایک شاخ سے بول اٹھی "کیا میں تجھ سے کچھ نیچی ہوں؟"

عقاب نے پھر کر دیکھا۔ واقعی ایک مکڑی نے اُس کے چاروں طرف شاخوں پر اپنا جال پھیلا رکھا تھا اور اُسے ایسا گھنا بنا رہی تھی کہ گویا سورج تک کو عقاب کی نظر ... دیگی۔

"تو اس بلندی پر کیسے پہونچی؟" عقاب نے حیرت سے پوچھا "جب کہ وہ پرندے بھی جنہیں تجھ سے کہیں زیادہ اُڑنے کی طاقت ہے، یہاں تک پہونچنے کا حوصلہ نہیں کرتے، اور تو کمزور اور بے پر کی چیز ہے ... کیا تو رینگ کر یہاں آئی؟"

"نہیں، یہ تو میں نے نہیں کہا ہے" مکڑی نے جواب دیا

"تو پھر تو یہاں کیسے آگئی؟"

"جب تو اڑنے لگا تھا تو میں تیری دم سے لٹک گئی اور تو نے خود مجھے یہاں پہونچا دیا۔ لیکن میں یہاں اب تیری مدد کے بغیر ٹھہر سکتی ہوں، اور اسلئے میری گذارش ہے کہ تو اپنے آپ کو بیکار بڑا نہ دکھا، اور سمجھ لے کہ میں بھی۔ ..."

اتنے میں ایک طرف سے ہوا کا جھونکا آیا اور اس نے مکڑی کو اڑا کر زمین پر گرا دیا۔

میرا خیال ہے اور آپ کو بھی مجھ سے اتفاق ہوگا کہ دنیا میں بہت سے لوگ ہیں جو اس مکڑی سے بہت مشابہ ہیں۔ ایسے لوگ جو بغیر کسی قابلیت اور محنت کے کسی بڑے آدمی کی دم میں لٹک کر بلندی پر پہونچ جاتے ہیں اور پھر ایسا سینہ پھیلاتے ہیں کہ گویا خدا نے انکو عقابوں کی سی طاقت بخشی مگر ضرورت صرف اسکی ہے کہ کوئی ذرا پھونک دے اور وہ اپنے جالے سمیت پھر زمین پر پہونچ جائیں۔

(ای۔ آ۔ کریلوف)

کوائف جامعہ

۲۱ اگست کو ... انجمن اسکول) کا ایک عام جلسہ ہوا جسکے نئے سیشن کے افتتاح پر جناب شیخ الجامعہ صاحب نے طلبا کو خطاب فرمایا آپنے اپنی تقریر میں طلبا کو ... کی طرف خاص طور پر توجہ دلائی۔

اگست کے پہلے ہفتہ سے جامعہ میں طلبا کو بڑھئی کا کام سکھلانا شروع کر دیا گیا ہے لڑکے اس میں بڑے شوق کا اظہار کر رہے ہیں۔ جامعہ کی طرف سے کوشش کیجارہی ہے کہ جلد سے جلد اور دوسری قسم کی صنعتیں بھی جاری کیجائیں۔

انجمن علمیات کا ایک عام جلسہ ۲۱ اگست کی شب کو جو ہسٹر منزل (بورڈنگ ہاؤس) میں ہوا جس میں جناب ماسٹر برکت علی صاحب نے ایک مضمون "زندگی پر ایک نظر" تقریباً ایک گھنٹہ تک پڑھا۔ آپ کے مضمون کا اصل موضوع علمیات تھا لیکن ادبی ذوق رکھنے والوں کے لئے بھی ایک حد تک ادبی چاشنی رکھتا تھا۔

طلبائے مدرسہ شبینہ کے انعامی مقابلہ کا ایک عام جلسہ ۱۸ اگست کی شبکو منعقد ہوا۔ طلبہ نے اپنی بساط کیموافق اچھے سے اچھے قصے سنانے کی کوشش کی جناب شیخ الجامعہ صاحب اور دو اساتذہ جامعہ جج تھے۔ جناب شیخ الجامعہ صاحب نے کامیاب طلبہ کو انعام تقسیم کیا آخر میں آپ نے طلبا کو خطاب فرماتے ہوئے صاف رہنے کی بہت تاکید فرمائی۔

---

۸ ستمبر کی شب میں کالج اور اسکول کے بڑے طلبا کی جانب سے ایک بزم مشاعرہ منعقد ہوئی۔ میر مشاعرہ جناب مولانا شرف الدین صاحب ٹونکی استاذ جامعہ تھے تقریباً ڈھائی گھنٹہ تک محفل گرم رہی۔ طلبا کی جانب سے عنقریب ایک انعامی مشاعرہ منعقد کئے جانے کی کوشش کیجارہی ہے

---

۹ ستمبر کی شب میں زیر صدارت مولانا خواجہ عبدالحی صاحب استاذ تفسیر محفل میلاد منعقد ہوئی جس میں بہت سے اساتذہ نے نبی کریم صلعم کی سیرت

(دیکھو صفحہ ۲ کالم ۲)

بجلی کا ہر قسم کا سامان عمدہ و سستا

بجلی کی اور دیگر مشینوں کے متعلق ہر قسم کی معلومات اور انجینیرنگ کے

ہر شعبہ پر مفت مشورہ

مکانات میں بجلی لگانے۔ اور تخمینہ بنوانے مشینوں کی مرمت

کرانیکی اگر آپکو ضرورت ہو تو

انڈیا الکٹرک ہاؤس کشمیری دروازہ دہلی سے خط و کتابت کیجیے

روٹوکمپریشن اور چھاپہ کی روشنائیاں

سیاہ و رنگین

اگر آپ کو بہترین درکار ہیں تو

ٹریڈرز ایجنسی عقب جامع مسجد دہلی

سے طلب فرمائیں

اُردو زبان میں پہلا اخلاقی ڈراما

پردۂ غفلت

مصنفہ ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب پی۔ ایچ۔ ڈی (برلن)

اگر آپ مسلمان خاندانوں کی معاشرت کی سچی تصویر تعلیم نسواں۔ آزادیٔ نسواں اور پردہ مفید اور محققانہ بحث، فن ڈراما نویسی کا اعلیٰ نمونہ اور دلچسپ ظرافت اور نتیجہ خیز قصہ ملاحظہ فرمانا چاہتے ہیں تو "پردۂ غفلت" کو پڑھئے۔ مطبوعہ شرکت کاویانی برلن حجم ۱۲۶ صفحات۔ سائز [illegible] قیمت ایک روپیہ آٹھ آنہ عہ اردو کے مشہور ارباب صحافت نے جن تبصروں میں اس ڈرامے کا شاندار خیر مقدم کیا ہے ان میں سے بعض کا اقتباس درج ذیل ہے۔

رسالہ نگار رقمطراز ہے۔ اسوقت اردو میں حقیقتاً پردۂ غفلت ہی ایک ایسا ڈراما ہے جسکو ہم صحیح معنی میں اس لفظ سے موسوم کرسکتے ہیں۔۔۔ ڈراما پڑھنے والا ایسا محسوس کرتا ہے کہ تمام باتیں واقعی اس کے سامنے ہورہی ہیں۔ مسائل معاشرت پر ایسے عمیق خیالات ظاہر کئے گئے ہیں جن سے زیادہ غنی تجزیہ ممکن نہیں۔۔۔ ایک خرابی کیرکٹر بھی ہے اور وہ بھی کم دلچسپ نہیں۔

اخبار ہمدرد کہتا ہے۔ واقعی مفید اور صحیح معنوں میں مصلح ڈراما۔۔۔ مصنف کی اس جرأت پر حیرت ہوتی ہے۔۔۔ سید عابد حسین صاحب نے پردۂ غفلت تصنیف فرما کر حقیقۃً ادب اردو کی ایک گراں بہا خدمت کی ہے۔ وہ صاحب جنھیں قدرت نے ذوق سلیم عطا فرمایا ہے ضرور اسکی قدر کرینگے مگر خدا وہ دن لائے کہ اس قسم کی تصانیف ملک میں رائج پاکر عام مذاق کی بھی اصلاح کردیں

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جامعہ ملیہ۔ قرول باغ دہلی

بحکم جناب شیخ الجامعہ صاحب زیر اہتمام سید عابد حسین صاحب پرنٹر و پبلشر مطبع جامعہ ملیہ میں چھپکر دفتر پیام تعلیم سے شائع ہوا

۱۲

رجسٹرڈ ایل نمبر ۱۹۶

پیام تعلیم

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کا

پندرہ روزہ تعلیمی رسالہ

قیمت سالانہ عہ

" ششماہی ۱۴ر

" فی پرچہ ۱ر

خریداران رسالہ جامعہ سے

صرف ایک روپیہ

نمونہ مفت

اڈیٹر:- سعید انصاری بی اے (جامعہ)

جلد ۳ — ۷ر اکتوبر سنہ ۱۹۲۷ء — نمبر ۱۲

شذرات

۲۵ر ستمبر کا دن بھی جامعہ کیلئے کس قدر رنج و ملال کا دن تھا جبکہ اس کا ایک فرزند ارجمند اس جہان فانی سے عالم جاودانی کو کوچ کرگیا! شاہ افتخار مرحوم (نور اللہ مرقدہٗ) دل کے لحاظ سے اپنے ہمعصروں میں ایک بے مثل اور بے نظیر شخص تھا۔ جامعہ کے لیے اسکی تڑپ، جامعہ والوں کے ساتھ اس کا خلوص، محبت اور نادار اور حاجتمند طلبا کے ساتھ اسکی ہمدردی چارہ جوئی ایسی یادیں ہیں جو شاہ مرحوم کے نظروں سے غائب ہوجانیکے بعد بھی ہمارے دلوں سے نہ بھولیں گی۔ افتخار مرحوم کا صرف چند دنوں کی علالت کے بعد ہم سے رخصت ہوجانا اور اپنی بوڑھی ماں اور دیگر اعزا سے آخری ملاقات کرنے نہ جانا ایک ایسا دردناک واقعہ ہے جو کسی طرح نہیں بھول سکتا۔ مرحوم کی شادی کو بھی ابھی چند مہینوں سے زائد نہیں ہوئے تھے کہ انکا اس جہان سے رخصت ہوجانا، ایک ایسا داغ جگر ہے جو کبھی نہیں مٹ سکتا۔ ہم مرحوم کی ضعیف ماں، انکے بھائیوں اور دیگر عزیزوں اور انکی بیوی کیساتھ اپنی سچی ہمدردی اور غمگساری کا اظہار کرتے ہیں اور خدائے عزوجل سے دست بدعا ہیں کہ وہ ان لوگوں کو صبر جمیل عطا فرمائے اور مرحوم کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

مولنا عبد الماجد صاحب دریابادی نے ازراہ لطف و محبت کتبخانہ جامعہ کو تقریباً ڈیڑھ سو کتابیں عنایت فرمائی ہیں جو وقتاً فوقتاً بسلسلہ ریویو ان کے ہاں آتی رہی ہیں۔ ہم مولنا سے موصوف کی اس عنایت فرمائی کے بدل ممنون ہیں اور امید کرتے ہیں کہ جامعہ کے ساتھ انھیں جو محبت و خلوص ہے اس کا وہ آئندہ بھی عملی ثبوت دیتے رہیں گے۔

پہلے کسی نمبر میں اعلان ہوچکا ہے کہ ۲۹ر اکتوبر کو "پیام تعلیم" کا "تاسیس نمبر" خاص اہتمام کے ساتھ نکل رہا ہے۔ ہم اس خاص نمبر میں ظاہری اور باطنی خوبیوں کے پیدا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھیں گے اور اسے مضامین کے علاوہ تصویروں سے بھی مزین کرینگے ہمیں امید ہے کہ اپنی تصویروں کے علاوہ ہم گزشتہ سال کے خاص خاص وزیٹران جامعہ کی تصویریں بھی دے سکیں گے۔ مقالات کیلئے باہر کے بعض مشہور اہل علم حضرات کے پاس لکھا گیا ہے، علاوہ اسکے تعلیم اور اس سے متعلق مباحث و عنوانات پر بہت سے مضامین ہونگے جو دلچسپی اور فائدہ سے خالی نہوں گے۔ پرچہ کی ضخامت بھی تقریباً سہ چند ہوگی۔ اس لیے ۱۲ر کا پرچہ نہ نکلے گا بلکہ اسکی بجائے "تاسیس نمبر" ۲۹ر اکتوبر کو آپ کے ہاتھوں میں ہوگا! انشاء اللہ العزیز۔

یونیورسٹی کی تعلیم پر ایک اصلاحی نظر

(از ایڈیٹر)

اپریل ۱۹۴۲ء میں بنگال کے کالجوں اور یونیورسٹی کے اساتذہ کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں این۔ سی بنرجی نے بحیثیت صدر مجلس استقبالیہ کے ایک خطبہ پڑھا تھا۔ یہ خطبہ اگرچہ کلکتہ یونیورسٹی کی اصلاح و ترمیم کے متعلق تھا لیکن موجودہ تعلیم کے جن عیوب و نقائص سے اس میں بحث کی گئی ہے وہ تقریباً ہندوستان کی تمام یونیورسٹیوں میں مشترک ہیں۔ ہم اس کا خلاصہ بعض غیر ضروری حصوں کو حذف کر کے ذیل میں درج کرتے ہیں

ہماری تعلیم کا انتظام اب تک تمامتر حکومت کے نظام پر مبنی رہا ہے، جو بذات خود ایک غیر ملکی نظام ہے اور آج یہ بالکل مسلم ہے کہ اس نظام تعلیم کا زمانہ ختم ہو چکا ہے۔ آج جو مسئلہ ہمارے سامنے ہے وہ یہ نہیں ہے کہ حکومت کی مشین کے لیے عمدہ کل پرزے تیار کیے جائیں بلکہ ایسے اشخاص پیدا کیے جائیں جو روشن خیال اعلیٰ دماغ، بااخلاق، صاحب عمل اور زندگی کے ہر شعبہ میں ایجاد و اختراع اور جرأت و ہمت کا مادہ رکھتے ہوں۔ ملک کا تقاضا آج ایسے نوجوانوں کے لیے ہے جو تمام معاملات میں چست و چالاک اور ایک عملی نقطہ نظر رکھنے والے ہوں، جن میں تازگی خیالات ہو، اور جو سوسائٹی کی ہر خدمت کے لیے آمادہ ہوں۔ یہ نہ صرف ایسے ہوں جو محض اپنے لیے روزی پیدا کر سکیں بلکہ وہ نہایت جوش اور سرگرمی کے ساتھ قومی خدمت بھی انجام دے سکتے ہوں۔ ضرورت ہے کہ اس نظام کی بنیاد جن خیالات اور اغراض پر قائم ہے، وہ سب کے سب بدل دیئے جائیں پرانے بتوں کو چھوڑ کر ایک نئی روح افزا فضا پیدا کرنی چاہیے۔ میں اُن لوگوں میں نہیں ہوں جو یہ سمجھتے ہیں کہ تمام عیوب نقائص ایک مجلس عاملہ یا کارکن جماعت کے بدل دینے سے دور ہو سکتے ہیں بلکہ میں ان عیوب کو بیخ و بن سے اکھاڑ دینے کا حامی ہوں اور معاشرتی اور تعلیمی معاملات میں میں لیپا پوتی کا کبھی قایل نہیں رہا ہوں ہمیں نئے سرے سے کام شروع کرنا ہے اور سب سے پہلے ہمیں بنیاد پر ہاتھ لگانا چاہیئے۔

انگریزی زبان کی بیجا پاسداری

سب سے پہلی بات یہ ہے کہ انگریزی زبان و ادب کو جو اس قدر اہمیت دی جاتی ہے اور یہ سمجھا جاتا ہے کہ اس کے بغیر اعلیٰ تعلیم ناکمل رہ جائے گی اور کوئی فن یا سائنس بغیر اس کے آ ہی نہیں سکتا، ہمیں اس خیال کو بدلنا چاہیئے اور اس کے بجائے ایک صحیح اور وسیع نقطہ خیال کی بنا ڈالنی چاہیے۔ اب تک سمجھا جا رہا ہے کہ انگریزی زبان اعلیٰ تہذیب معاشرت کی علامت ہے، جس طرح سے انگریزی کپڑوں کا پہننا تہذیب و تمدن کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ اس قسم کی ذہنیت درحقیقت غلامانہ ذہنیت ہے اور جو ہماری مادری زبان کو نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتی ہے۔ جو زبان کہ کبھی شیکسپیر اور ملٹن کی زبان تھی اور جو زبان کہ تقریباً نصف کرۂ ارضی پر بولی اور سمجھی جاتی ہے، وہ بے شک عزت و احترام کے قابل زبان ہے، لیکن اپنی تہذیب و تمدن کے اظہار کے لیے اور اپنی تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنانے کے لیے اپنی مادری زبان کو کیونکر نظر انداز کیا جا سکتا ہے! آشوتوش مکرجی کا خدا بھلا کرے کہ اُنھوں نے حقیقی ماں کو سوتیلی ماں کی جگہ رکھا، اب ہم لوگوں کا یہ فرض ہے کہ اسے اس مرتبہ اور بلندی تک پہونچائیں جو قوانین فطرت اور آئین ملت دونوں کی رو سے اسے حاصل ہے۔ بنگلہ کو ہماری اصلی زبان ہونا چاہیے اور انگریزی کو بطور ثانوی کے۔ دونوں لازمی ہوں لیکن ہر ایک اپنی اپنی جگہ پر۔

تعلیم مادری زبان میں ہونی چاہیئے

ایک بار جہاں یہ اُصول تسلیم کر لیا گیا (اور آج کل اصولاً ذمہ داروں نے اسے تسلیم بھی کر لیا ہے) اور اپنی مادری زبان کی تعلیم کے لیے مناسب انتظامات ہو گئے تو اس سے ہمارے تعلیمی مقصد کو وہ تقویت اور اعانت پہونچے گی جو ابھی تک خواب خیال میں نہ تھی۔ آج کل ہمارے طلبہ کی قوت و محنت کا ۹۰ فیصدی حصہ ایک ایسی زبان کی پیچیدگیوں کے حل کرنے میں صرف ہو جاتا ہے جس کے قواعد و محاورات کو ہماری زبان سے دور کی نسبت بھی نہیں ہے۔ اس زبان کی تعلیم کا طریقہ اکثر بالکل مصنوعی

اور غیر فطری ہوتا ہے اور ویسا ہی اس کا اثر بھی ہوتا ہے۔ میں بہت سے ایسے طلبہ کو جانتا ہوں جنھوں نے اپنے امتحانات منطق اور فلسفہ لیکر پاس کیے ہیں لیکن جب ان سے اس کے بعض مسائل کو خود اپنی زبان میں بیان کرنے کو کہا گیا تو وہ غوں غوں کرکے رہ گئے۔ میں اکثر ایسے طلبہ کو بھی جانتا ہوں جنھوں نے اڈیسن، شیکسپیر اور ملٹن کے کلام کو پڑھا ہے لیکن وہ اصل زبان کے چٹخاروں اور اس کی ادبی چاشنیوں سے بالکل محروم اور ناکام رہے ہیں۔ ایسی تعلیم کا دماغ پر کوئی اثر نہیں ہوتا اس سے طبیعت کو کوئی اطمینان و تشفی حاصل نہیں ہوتی، اس سے گوشت و پوست میں کوئی اضافہ نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے ضعیف العقل اور کمزور دماغ اشخاص پیدا ہوتے ہیں جو صرف سُنے سُنائے الفاظ و محاورات کے غلام ہوتے ہیں اور ایک ایسی تیرہ و تاریک فضا میں رہتے ہیں جسے علم اور واقفیت کی روشنی سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔ دور از کار تخیلات اور نظریوں کا آج جو اس قدر زور ہے، اس کی بڑی حد تک ذمہ داری اسی ناقص تعلیم کے سر ہے۔

تعلیم کو سیاست سے علٰحدہ رہنا چاہیئے

جس طرح تعلیم کو زبان کی غلامی سے پاک رہنا چاہیے، اسی طرح اس کو جماعتی سیاست سے بھی دور رہنا چاہیے۔ تعلیم اور اس کے مقاصد صرف ایسی ہی فضا میں ترقی پا سکتے ہیں جہاں اغراض و مقاصد کی تنگی نہو اس لیے کہ سیاسی تعصبات کی تیز و تند ہوائیں اس کے نشو و نما کو بڑھنے نہ دیں گی۔ جہاں تک میں سمجھتا ہوں، یونیورسٹی کو اپنے وجود و استقلال کو باقی رکھنے کے لیے برابر جنگ کرتے رہنا چاہیے، اسے نہ حکومت کا آلہ کار بننا چاہیے اور نہ کسی غالب سیاسی جماعت کے ہاتھ میں رہنا چاہیے۔ تعلیم کے اغراض سیاست کے اغراض سے کہیں زیادہ بلند و برتر ہیں، حکومت کے مفاد کے لیے جن سہولتوں اور آسانیوں کی ضرورت ہوتی ہے، تعلیمی اغراض کو ان سے یکسر بے تعلق ہونا چاہیے۔ انسانی دماغوں کو گوناگوں معلومات سے بھرنا، ذہن اور دماغ کی سوتی قوتوں کو بیدار کرنا، دماغ اور فطرت کے مخفی قوا ارتقا کو حاصل کرنا، مختلف تہذیبوں میں اتحاد و یکجہتی پیدا کرنا ــــ یہ ہیں یونیورسٹی کے مقاصد جو بذات خود اس درجہ کافی اور اہم ہیں کہ ان کے لیے مدتوں سکون و اطمینان سے کام کرنے کی ضرورت ہے۔

نصاب تعلیم میں ترمیم و اصلاح

اسی طرح نصاب تعلیم کی بھی از سر نو ترمیم و اصلاح ہونی چاہیے۔ آرٹ (جس میں زبانیں اور علوم داخل ہیں) اور سائنس کی تقسیم میری رائے ناقص میں صرف اعلیٰ سندی جماعتوں میں ہونا چاہیے اور اس لحاظ سے پُرانے قواعد زیادہ بہتر تھے۔ علوم کا تخصیصی مطالعہ ابتدائی منزل میں نظر کو محدود اور تنگ کر دیتا ہے۔ جغرافیہ، تاریخ، ریاضی اور علوم طبیعی کے وسیع مطالعہ سے عمیق نظر پیدا ہوتا ہے، باقی دوسرے طریقوں سے محض اعداد و شمار کا گننا اور ان سے عاجلانہ نتائج کا نکالنا آ سکتا ہے۔

سندی جماعتوں میں بھی مضامین میں ایک طرح کا باہم ربط اور تعلق ہونا چاہیے نہ کہ وہ کہیں تو معاشیات و سنسکرت ہوں اور کہیں طبیعات و تاریخ۔ انگریزی زبان و ادب میں سولھویں، سترھویں صدی کے ادب سے زیادہ زمانہ حال کا ادب لٹریچر ہونا چاہیے۔ امتیازی جماعتوں کے نصاب میں البتہ ایک مضمون ہو، اس سے قریبی تعلق رکھنے والے مضامین کے ساتھ زور دینا چاہیے۔

ثانوی تعلیم میں اصلاح کی ضرورت

لیکن یہ تمام اصلاحات اس وقت تک بے کار ہیں جب تک کہ نیچے کی تعلیم کو مضبوط نہ کیا جائے گا۔ ہمارے ثانوی مدارس حد درجہ ناقص اور بے کار ہوتے ہیں۔ ان میں تعلیم کا معیار اور بلند ہونا چاہیے اور نہ صرف یہی بلکہ پورے نظام کو از سر نو ترتیب دینے کی ضرورت ہے ان مدارس کی تعلیم میں کاشتکاری اور دوسری دستکاریوں کا بھی لحاظ رکھنا چاہیے، نیز دیہی تنظیم، صفائی و حفظان صحت اور دوسرے مفید کاموں کا سبق بھی ہونا چاہیے۔ جو تعلیم اعضا کو بے کار چھوڑدے اور صرف حافظہ اور ذہن سے کام لے وہ حد درجہ بے کار اور ناقص ہے

جسمانی ورزش اور فوجی تعلیم

دو اور ضروری مسائل ہیں جن کی طرف میں آپ کی توجہ مبذول کرنا

چاہتا ہوں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ جسمانی تربیت لازمی کردینی چاہیے اور کالجوں میں فوجی تعلیم جبری ہوجانی چاہیے۔ اور دوسرے یہ ہے کہ ہماری ذہنی اور دماغی ترقی کو عوام کی ذہنی اور اخلاقی ترقی سے بے تعلق نہ رکھنا چاہیے اور ملک کی خام پیداوار کو باکار اور مفید بنانا چاہیے۔ اچھی غذا کے نہ ملنے اور بیماریوں کے پھیلنے سے ہمارے لڑکوں کی صحت روز بروز خراب ہوتی جارہی ہے، اس پر مزید یہ کہ حفظان صحت کے قواعد کی طرف سے بے توجہی برتنے اور کوئی جسمانی ورزش وغیرہ نہ کرنے کے سبب سے یہ اور بھی بد سے بدتر ہوتی جاتی ہے۔ اس کے لیے ضرورت ہے کہ بڑے پیمانہ پر کام شروع کیا جائے۔ ایسی تعلیم سے کیا حاصل، جبکہ ہمارے تعلیم یافتہ اپنے حقوق اور اپنی عزت وآبرو کے لیے اپنے اعضائے کام ہی نہ لے سکیں؟ وہ زمانہ اب نہیں رہا جبکہ لوگ معمولی غذاؤں پر زندگی بسر کرلیتے تھے یا چاند اور تاروں سے روشنی کا کام نکال لیتے تھے۔ اب زمانہ وہ ہے کہ دماغ اور جسم دونوں پر برابر برابر توجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اسی طرح دوسرے مسئلہ کے متعلق بھی سائنس سے کام لینا چاہیے اور ملک کی خام پیداوار کو مفید اور کارآمد بنانا چاہیے۔ معاشیات سے جواب تک ایک غیر مفید مضمون رہا ہے، بہت کچھ کام نکل سکتا ہے۔ ہمارے طلبہ اور اساتذہ کو گاؤں میں جانا چاہیے اور لوگوں کے رہنے سہنے کے طریقے، اجرت اور مزدوری کے معیار اور اسی قسم کے دوسرے مسائل کا بغور مطالعہ کرنا چاہیے، تاکہ اس سے گاؤں والوں کی حالت بہتر ہوسکے۔

دیگر مسائل

میں یہاں کالج کے بعض دوسرے مسائل کی طرف بھی کسی قدر اشارہ کردینا چاہتا ہوں، مثلاً لکچروں میں لازمی شرکت یا پوری جماعت کے سامنے لکچر دینا، یہ دونوں طریقے محض بے کار اور فضول ہیں۔ تحریری امتحانوں کا جو دستور ہے وہ بھی محض بے کار ہے اس کی بجائے تقریری امتحان ہونے چاہئیں تاکہ اس طرح بالمشافہ سوال و جواب سے طلبہ کے اندر طوطے کی طرح رٹنے کی عادت پیدا نہ ہو۔ اسی طرح کالجوں میں طلبہ کی انجمنیں ہونی چاہئیں جو علمی مسائل پر بحث ومباحثہ کرنے کے علاوہ سماجی خدمات بھی انجام دیں۔ علاوہ اس کے مختلف کالجوں میں تعلیمی معاملات کے اندر باہم اتحاد عمل اور تعاون کار پیدا کرنے کا بھی دستور ہونا چاہیے۔ ایک کالج کے طلبہ دوسرے کالج میں جایا کریں اور کچھ عرصہ وہاں کی تعلیم میں شرکت کیا کریں۔ بعض مسائل باہم مشترک ہونے چاہئیں۔ اسی طرح اساتذہ اور طلبہ میں بھی جتنا قرب ہو بہتر ہے۔

اساتذہ کے حقوق کا تحفظ

آخر میں میں اپنی انجمن کے حقوق و فرائض کے متعلق بھی چند باتیں آپ لوگوں کے گوش گزار کرنی چاہتا ہوں۔ ہماری یہ انجمن حقیقت میں متلاشیان حق و صداقت کی انجمن ہے جو بحالات موجودہ محنت و مزدوری کرنے والوں کی انجمن ہوگئی ہے۔ ہم دنیا کے تمام مزدوروں کی برادری میں شامل ہیں۔ ہم سب مزدور ہیں خواہ ہم دماغ سے کام کریں یا ہاتھ سے یا ان دونوں سے۔ ہمیں زندہ رہنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ ہم اس امر کا استحقاق رکھتے ہیں کہ بیماری وعلالت، اتفاقی حادثات اور ضعیفی کی حالت میں ہماری امداد و اعانت کی جائے اور چونکہ ہم میں سے اکثر لوگ راہبانہ زندگی نہیں بسر کرتے ہیں اس لیے ہمارے بچوں کی خوراک و پوشاک اور مکان کا انتظام بھی ہونا چاہیے۔ اس کے عوض میں ہم سے یہ مطالبہ کیا جاسکتا ہے کہ ہم بھی سادگی اور جفاکشی کی زندگی بسر کریں اور ہم ہمیشہ اُس سے زیادہ دینے کی کوشش کریں جتنا ہم لیتے ہیں۔ ہم بالکل ہی مزدوروں کی انجمن (ٹریڈ یونین) نہیں ہیں، اس لیے کہ پڑھانا محض مزدوری کا کام نہیں ہے بلکہ یہ ایک نہایت مقدس پیشہ ہے لیکن اس حیثیت سے بھی جب تک کہ ہم اپنی جماعتی تنظیم نہ کریں گے اور باہم مل جل کر کام نہ کریں گے، اس وقت تک ہم یونیورسٹی اور کالجوں کے اندر جن سے کہ ہماری تقدیریں وابستہ ہیں، اپنے قدرتی حقوق کا تحفظ نہ کرسکیں گے۔

خداوند تعالےٰ ہماری کوششوں کو بار آور کرے اور ہمارے دلوں کو اپنے خوف سے اور بندوں کی محبت سے معمور کردے۔

حکیم محمد اجمل خانصاحب قبلہ اور انکے تفکرات

(از مولانا شوکت علی صاحب)

میں چاہتا ہوں کہ میری اس حقیر عرضداشت کو تمام اردو اخبارات اور خاصکر اسلامی اخبارات نقل فرماکر ایک بڑی ملکی خدمت انجام دینگے۔ ہندوستان کا کونسا ایسا گوشہ ہوگا اور کونسی قوم و ملت ہوگی جو حکیم صاحب قبلہ اور انکے خاندان سے واقف نہو۔ اور انکے دست فیض سے کسی نہ کسی طریقہ سے مستفید نہوئی ہو۔ لاکھوں بندگان خدا کو انھوں نے اور انکے اہل خاندان نے مہلک سے مہلک بیماریوں اور تکلیفوں سے خدا کے فضل سے نجات دلائی ہو۔ خاصکر دہلی کا تو بچہ بچہ انکے احسانات سے سُبکدوش نہیں ہوسکتا۔ یہ ذکر تو فقط انکے پیشۂ طبابت سے تعلق رکھتا ہے جس کے ذریعے امیر غریب یکساں فیضیاب ہوتے رہے ہیں مگر انکی خدمات اسی پر ختم نہیں ہوتیں۔ طب یونانی اور ایورویدک دنیا سے مٹ جانیکا خطرہ تھا انکے دماغ اور کوشش کا یہ نتیجہ ہے کہ جب تک دہلی آباد رہیگی اُس وقت تک قرول باغ کا طبی کالج ہندوستان کے لاکھوں کروڑوں مریضوں کی سینکڑوں برس تک خدمت کرتا رہیگا بلکہ دہلی کی خدانخواستہ بربادی پر بھی علم کا یہ مخزن تباہ نہیں ہوسکتا۔ جس فراخدلی اور فیاضی سے حکیم صاحب قبلہ نے اس کالج کی مالی امداد کی ہے وہ بھی زمانہ میں اپنی آپ نظیر نہیں رکھتی ہے۔ مجھے پورا علم ہے کہ حکیم صاحب کی ذاتی ماہوار آمدنی کس قدر رہی اور کس طریقہ کے ساتھ وہ انکے صاحبزادے اور گھر کے لوگ اپنے اوپر تکلیف اُٹھا کر بہت سے مستحقین اور غیر مستحقین کی امداد بھی کرتے ہیں۔ انکی مہمان نوازی اور سیر چشمی سے ہر شخص واقف ہے اور انکے ملنے والے خوب جانتے ہیں کہ بعض اوقات ان کو اپنے معمولی مصارف کے لیے بھی تکلیف برداشت کرنی پڑتی ہے پھر بھی اس اولوالعزم شخص نے سوا لاکھ ڈیڑھ لاکھ روپے سے زیادہ کی سالانہ آمدنی کا دواخانہ فراخدلی اور بغیر چہرہ پر شکن لائے ہوئے طبی کالج کے لیے وقف کردیا اور بفضلہ تعالیٰ طبی کالج کی بنا کو مضبوط کردیا۔ آئندہ آنیوالی نسلوں کا کام ہوگا کہ اس پوٹے کو پروان چڑھائیں اور دن دونی اور رات چوگنی اس کو ترقی دیں۔

ترک موالات کی قوم پرور تحریک کا ایک بڑا تعمیری کام جامعہ ملیہ کا قیام تھا۔ یہ ضرور تھا کہ ابتداً نیت یہی تھی کہ اپنی عزیز علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کو حکومت کے پنجوں سے آزاد کرایا جائے اور وہ عظیم الشان تعلیمگاہ سچے معنوں میں اسلامی تہذیب و تربیت کا سرچشمہ ثابت ہو۔ اسکی درستگی کے بعد غریب و اسلامی مبلغ اور ملکی کارکنوں کی جماعت تیار کرنیکے لیے جامعہ ملیہ کام آتی۔ کم از کم ہم تارکین موالات کے واسطے ایک چھوٹا موٹا مرکز تو ہوتا جس میں ہم اپنے بچوں کو غلامی کے شکنجوں سے آزاد کرکے پاک و صاف تعلیم دلا سکتے۔ جمعیۃ خلافت نے خوشی کے ساتھ ایک عرصہ تک اس ہونہار اور مفید ترین تعلیمگاہ کے مصارف برداشت کیے۔ بعض امور کی بنا پر مناسب معلوم ہوا کہ جامعہ کو علیگڈھ سے دہلی لایا جائے اور اسکو مسلمانوں کی ایک مخلص قسم کے طرز کی تعلیم کا مرکز بنایا جائے۔ قرول باغ دہلی میں اس کو بسایا گیا۔ اگرچہ اس کو اپنے قیام کے لیے کرایہ کے مکانات ہی پر اکتفا کرنی پڑی۔ ملک کی خراب فضا دیکھ کر حکیم صاحب قبلہ نے باوجود اپنی خرابی صحت، معذوریوں اور کثیر دیگر مشاغل کے نہایت جوانمردی سے اسکے تمام مصارف کا بوجھ اپنے کاندھوں پر لے لیا اور دہلی کے دوسرے خادم اسلام اور ملک مختار احمد انصاری بھی ان کے ساتھ شریک ہوگئے۔ پھر بھی بڑی ذمہ داری حکیم صاحب قبلہ پر ہوا۔ میں جانتا ہوں کہ اس ذمہ داری کا بوجھ ان کو قبل از وقت کمزوری اور خرابی صحت کی طرف رفتہ رفتہ لے جارہا ہے۔ ہم میں سے کون ایسا ہوگا جو یہ نہ چاہیگا کہ حکیم صاحب حاذق کے لیے ایسا نسخہ تیار کرے جس سے اس کے قلب میں بھی ایک نئی طاقت پیدا ہو اور اسکی رگوں میں بھی نیا سرخ خون پیدا ہو۔ ہزاروں لاکھوں نسخے لکھ کر اسنے خدا کے فضل سے اوروں کو باصحت زندہ رکھا ہے۔ آؤ آج ہم اسکے بھی دردِ دل اور تفکرات کو رفع کرنے کے لیے کوئی نسخہ تجویز کریں۔ میں جانتا ہوں کہ حکیم صاحب قبلہ کی صحت میں خدا نے برتر ضرور دس پندرہ سال کا اضافہ کریگا۔ اگر ہم سب احسان فراموشی کے مذموم الزام سے بری ہونا چاہتے ہیں تو اس تھکے ہوئے قومی سردار اور طبیب کو اس بوجھ سے سبکدوش کرائیں اور اس کے لیے یہ نیا نسخہ تیار کردیں کہ تمام حکیم صاحب کے ملنے والے اور عزیز و دوست ان کے شریک کار ہوجائیں اور اپنی آمدنیوں میں سے حقیر رقمیں علاوہ نقد رقوم کے ماہوار مقرر کردیں جس کو ایک منظم اسٹاف، ایک منظم دفتر دی پی یا دیگر ذرائع سے وصول کرلیا کرے۔ میرا دعویٰ ہے کہ اس اپیل کو لیکر جس وقت ہم کھڑے ہوے تو دہلی کے بازار اور کوچے، اسکے بڑے اور چھوٹے دوکاندار جو حکیم صاحب سے فیض پائے ہوئے ہیں اور ان سے دلی محبت رکھتے ہیں خوشی سے کھڑے ہوجائیں گے اور جامعہ کے معمولی مصارف کے واسطے روپیوں اور آنوں کا ڈھیر کردیں گے اور حکیم صاحب کو نئی زندگی بخشیں گے۔ جنھوں نے اپنی بڑی آمدنی کا دواخانہ طبی کالج کے نذر کردیا ہے۔ میں تو جانتا ہوں کہ ہم میں سے ایک ایک رکن حکیم صاحب کے ملنے والوں کے پاس ان کا سچا دردِ دل بٹانے کو آمادہ ہوجائے تو انشاء اللہ العزیز ہر گوشہ (بقیہ صفحہ ۷ کالم ۲)

شمع علم کے پروانے

امام مسلم

از مولوی عبدالجلیل صاحب ندوی متعلم جامعہ

اسم گرامی مسلم، ابوالحسین کنیت ۲۰۴ھ میں خراسان کے مشہور شہر نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت اپنے وطن خراسان میں پائی۔ سماعت حدیث کی ابتدا چودہ برس کے سن میں ہوئی، فطری ذہانت اور قوت حافظہ بلا کی پائی تھی، اس پر علمی ذوق و شوق نے اور چار چاند لگادئے تھے۔ یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ آپ اپنے فن کے مجتہد اور امام تسلیم کیے گئے اور آسمان علم پر آفتاب بن کر چمکے۔ بڑے بڑے ائمہ حدیث اور اساتذۂ فن حتیٰ کہ خود آپ کے اساتذہ امام موصوف سے روایت حدیث کرتے اور اس کو اپنے لیے باعث فخر تصور کرتے۔ ابھی آپ نے مکتب حدیث میں قدم ہی رکھا تھا کہ آپ کے اساتذہ اور شیوخ نیز جوہر شناس ہستیوں نے آپ کی آیندہ زندگی کے متعلق شاندار خیالات ظاہر کرنا شروع کیے، ہر شخص کی نظر آپ کے مستقبل پر تھی، بہت سے لوگ کہتے تھے کہ دیکھیے آیندہ چل کر خدا جانے یہ شخص کس پایہ کا ہوگا! یہ یقین ایسا پختہ اور راسخ تھا جس میں شک و شبہ کی قطعاً گنجائش نہ تھی۔ امام موصوف نے احادیث کا بہت کافی ذخیرہ اپنے مولد و مسکن نیشاپور اور اس کے اطراف و جوانب ہی میں جمع کر لیا تھا مگر یہ ذخیرہ اس علم کے پیاسے کے لیے کافی نہ تھا اسلئے اور احادیث کے جمع کرنے کے لیے کمرہمت باندھی۔ معمولی سے معمولی مقام جو ان کے علم حدیث کا مخزن ہو سکتا یا پیادہ وہاں جانے سے آپ مطلق دریغ نہ کرتے۔ ان میں سے بعض مشہور مقامات عراق، حجاز، مصر، رے، بغداد، بصرہ، بلخ خاص طور پر قابل ذکر ہیں ان مقامات میں آپ تمام ان اساتذہ سے ملے جو اس فن میں ماہر اور باکمال سمجھے جاتے تھے، خصوصاً احمد بن حنبل، سعید بن منصور، حرملہ بن یحییٰ، محمد بن مہران جمال اور ابوغسان سے بہت کچھ حاصل کیا اور آگے چل کر ان کی علمی شیفتگی اور شب روز کی دوڑ دھوپ نے امام موصوف کو تمام اساتذہ وقت پر بھاری کر دیا۔ سعی علم کی راہ میں جو غلو اور انہماک آپ کو تھا اس کے اندازہ کے لیے صرف ایک واقعہ کافی ہوگا۔ آپ ایکبار حلقہ درس میں مع اپنے تمام شاگردوں کے بیٹھے ہوئے تھے درس کے دوران میں ایک حدیث کے متعلق موصوف سے سوال کیا گیا، وقت کی بات وہ حدیث یاد نہ آئی مکان پر آئے اور مجموعہ احادیث میں اس کی جستجو کرنی شروع کی۔ اس میں اس قدر محو ہوئے کہ سامنے خرموں کا ایک ڈھیر لگا ہوا تھا اس میں سے آپ کھاتے گئے اور خیال نہ رہا کہ کیا کھا رہے ہیں اور کتنا کھا چکے ہیں بالآخر یہی آپ کے موت کا سبب بنا۔ علم کی دیوانگی تو دیکھیے، محنت و مشقت کی، اس راہ میں کتنی مصیبتیں برداشت کیں تمام ملکوں کی خاک چھانی ناقابل گزر راستوں کو طے کیا اور بالآخر علم کے شوق میں جان تک دیدی۔ آپ نہ صرف احادیث و روایات کے حامل تھے اور اپنے شاگردوں میں حدیث کا درس دیتے تھے بلکہ اس کے علاوہ آپ میں تصنیف و تالیف کا بھی خاص ذوق تھا۔ مدتوں تک لاکھوں حدیثوں کی چھان بین کرکے مسلم شریف کی تدوین کی، محنت و جانفشانی کا اندازہ اسی سے ہو سکتا ہے کہ بہت سے لوگوں نے حدیث کے اس بڑے مجموعے کے متعلق یہ خیال ظاہر کیا کہ اس آسمان کے نیچے مسلم سے صحیح کوئی کتاب نہیں (ما تحت ادیم السماء کتاب اصح من کتاب مسلم) صرف یہیں تک امام موصوف کا علمی کارنامہ ختم نہیں ہوتا ہے بلکہ اور بھی بہت سی کتابیں ہیں جن کا عنوان ایک دوسرے سے الگ اور جداگانہ ہے اور بذات خود ہر ایک ان میں سے اپنی اپنی جگہ پر مستقل کتاب ہے۔ اخیر میں آپ کی تصنیفات کی ایک فہرست ذیل میں درج کی جاتی ہے جس سے امام موصوف کا مصنفین کی صف میں جو درجہ اور مرتبہ ہو سکتا ہے اس کا کسی قدر اندازہ ہو سکے گا۔ مسلم شریف، مسند کبیر، الاسماء والکنیٰ، جامع کبیر، کتاب العلل، کتاب التمیز، کتاب الوجدان، کتاب الافراد، کتاب موالاۃ احمد بن حنبل، کتاب حدیث عمر بن شعیب، کتاب الانتفاع، کتاب مشائخ مالک، کتاب مشائخ ثوری، کتاب مشائخ شعبہ، کتاب المخضرمین، کتاب اولاد الصحابہ، کتاب اوہام المحدثین، کتاب الطبقات وغیرہ وغیرہ۔

امام مالک

مالک نام، ابوعبداللہ کنیت ۹۳ھ میں مدینہ طیبہ میں پیدا ہوئے۔ ابھی آپ کم سن ہی تھے کہ حدیث کے ایک بڑے شیخ امام نافع کو آپ نے اپنا استاذ حدیث بنایا، گو آخر تک مدینہ ہی میں قیام رہا اور وہیں کے

اساتذہ اور شیوخ سے اپنی علمی پیاس کو بجھاتے رہے مگر آپ نے ان ائمۂ حدیث سے فائدہ اُٹھایا جن کی امامت کا فخر دنیائے اسلام کو اب تک ہے۔ آپ کے شیوخ کی کوئی محدود تعداد نہیں ہے اسی وجہ سے عام تذکرہ نویسوں نے روی عن خلق کثیر، پر اکتفا کیا ہے ابو عبد اللہ نافع مدنی، امام اوزاعی، امام جعفر صادق، مسلم بن عبید اللہ محمد بن منکدر، ابو عبد الرحمٰن، ربیعہ بن فروخ امام موصوف کے مشہور اساتذہ میں تھے۔ صاحب موصوف نہایت قوی الحافظہ تھے خود آپ کا بیان ہے کہ کوئی چیز میرے خانہ دماغ میں آکر پھر نہ نکلی۔ ادھر شوق طلب کا یہ حال تھا کہ مفلسی اور ناداری جب حصول مقصد میں مانع ہوتی تو وہ علم کا شیدائی چھت کی کڑیاں فروخت کرکے زندگی کی ضرورتوں کو پوری کرتا، چاندنی راتوں میں چاند کی قدرتی روشنی سے چراغ کا کام لیتا۔ اس بے سرو سامانی کے باوجود امام موصوف نے اپنی محنت و جانفشانی سے یہ فضل و کمال حاصل کر لیا تھا کہ آپ کو ۱۷ برس کے سن میں باوجود بڑے بڑے ائمہ کے خلافت عباسیہ کی جانب سے استفتا کا حق عطا کیا گیا۔ یہ صرف دو شخصوں کو ملا تھا جن میں سے ایک امام ممدوح تھے اور دوسرے ابن ابی فریب اس کے بعد سے امام مالک کو اس درجہ شہرت حاصل ہوئی کہ شائقین حدیث ہر چہار طرف سے درس لینے کے لیے ٹوٹے پڑتے تھے۔ مکہ، بصرہ، کوفہ، شام، حجاز، مصر، بغداد، افریقہ سے لوگ برابر آتے اور خزینہ حدیث سے مالا مال ہو ہو کر واپس جاتے۔ حتیٰ کہ مہینوں کی مسافت طے کرکے اکثر لوگ فتویٰ پوچھنے آتے، اس وقت کے بہت سے لوگوں نے امام موصوف کے متعلق یہ خیال ظاہر فرمایا ہے کہ اگر لوگ طلب علم میں دنیا کے چاروں طرف چکر لگائیں تو امام مالک جیسا عالم نہ پائیں گے۔ بعض لوگوں نے تو یہاں تک کہا لولا مالک لضللنا ( )۔ امام موصوف جب کسی علمی مسئلہ پر گفتگو کرتے یا اس کے متعلق غور و فکر کرتے ہوتے تو اس میں اس درجہ منہمک ہو جاتے کہ پھر بڑی سے بڑی تکلیف کا علم اور احساس تک نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ امام صاحب درس حدیث میں مشغول تھے کہ ایک بچھو فرش کے نیچے گھس آیا اور کوئی دس مرتبہ ڈنک مارا مگر آپ کو کچھ بھی پتہ نہ چلا اور آپ نے دوران درس میں اپنا پہلو تک نہ بدلا۔ امام موصوف کے تصنیفی کارناموں میں جو درجہ موطا کو حاصل ہے، وہ محتاج بیان نہیں، بخاری اور مسلم کا درجہ قرآن کے بعد رکھا گیا ہے لیکن وہ بھی صحت کے اس اعلیٰ معیار کو نہیں پہونچ سکتی ہیں، امام موصوف نہ صرف جامع حدیث کی حیثیت رکھتے تھے بلکہ بعض محققین کے نزدیک اگر امام ابو حنیفہؒ کے بعد کسی میں اجتہاد کا مادہ بدرجہ اتم موجود تھا تو وہ صاحب موصوف ہی تھے۔ موطا امام مالک حدیث اور فقہ دونوں حیثیتوں سے آپ کا ایک زبردست کارنامہ ہے۔

(بقیہ صفحہ ۵) ملک سے ماہوار چھوٹی چھوٹی رقوم اس قدر برسیں گی کہ حکیم صاحب کے دواخانہ کی آمدنی اس کے مقابلہ میں پست اور حقیر نظر آئیگی اور اس باہمت اور نیکدل فیاض بزرگ کی دوسری قومی یادگار برسوں تک ہندوستان میں اسلام و ملک کی خدمت کرتی رہے گی۔

جامعہ ملیہ میں اس وقت بعض نہایت قابل اور ایثار کرنیوالے اساتذہ جمع ہوگئے ہیں جامعہ کے انتظام میں بہت سی کمزوریاں اور عیب بھی ہیں جن کا آسانی کے ساتھ تدارک کیا جا سکتا ہے اور یہ درسگاہ واقعی طور پر سچی اسلامی روح مسلمان نوجوانوں میں پیدا کرنے کا مرکز بن جائیگی۔ میں تو جامعہ کو مرکز بنانا چاہتا ہوں دہلی اور قرب و جوار ہی نہیں بلکہ تمام مسلمانان ہند کی ابتدائی ثانوی اور اعلیٰ تعلیم کا اور اسی مرکز کے ذریعہ سے تمام قومی و ملی خامیاں رفع ہو جائیں گی۔ میں چاہتا ہوں کہ جامعہ کے ذمہ دار کارکنان میری اس تحریر کو چھپوا کر کم سے کم دہلی کے مسلمانوں میں فوراً تقسیم کر دیں اور اسلامی اخبارات ہر گوشۂ ملک میں اس کو شائع کرکے ثواب دارین حاصل کریں۔ شملہ کے کاموں سے فارغ ہو کر لوٹتے ہوئے اکابرین ملت آج یہاں تشریف لائے ہیں تاکہ صرف چند گھنٹوں کی گفتگو میں تمام معاملات طے کر لیے جائیں۔ میں نے برادر عزیز شعیب قریشی کے ذریعہ سے ان حضرات کو دعوت دیدی تھی۔ اب باتوں کا وقت نہیں ہے کام کا وقت ہے میرا دل گواہی دیتا ہے کہ مسلمان عملی کام کے لیے بیتاب ہیں اور فضول کی اشتہار بازی، مضمون نگاری اور دھواں دار تقریروں سے پریشان ہوگئے ہیں۔ انشاء اللہ ہماری حقیر آواز اور کوششیں اپنا اثر دکھائے بغیر نہ رہیں گی ؏

ہوتا ہے جادہ پیما پھر کارواں ہمارا

(ہمدرد)

داغ مفارقت!

موت کا کوئی وقت مقرر نہیں۔ اسکے لیے عمر کی بھی کوئی قید نہیں۔ اس کا بیرحم سفاک ہاتھ جوانوں، بچوں اور حسینوں پر یکساں بیباکی سے پھرتا ہے اور اس بات کی مطلق پرواہ نہیں کرتا کہ کتنے انسان مرنے والے پر جان فدا کریں گے کتنے اس کے غم میں زمین پر تڑپیں گے اور کتنے اس کے فراق میں زندہ درگور ہو جائینگے اور اگر اس زخم کے اندمال کے لیے صبر کا پھایہ قدرت کے دار العلاج میں نہ ہوتا تو نہ جانیئے کتنے مصائب آلام کے پہاڑ ہم پر ٹوٹا کرتے اور عرصہ حیات کس قدر تنگ ہو جاتا!

باغ میں جو کلیاں بغیر کھلے مرجھا جاتی ہیں ان کی زندگی کے مقصد پر ہم فلسفیانہ بحث کرسکتے ہیں جو پودے ابھی پوری طرح نشو و نما نہیں پاچکتے اور باغبان ان کو اکھاڑ کر پھینک دیتا ہے ان کے متعلق ہم باز پرس کرسکتے ہیں لیکن جس بیکس کا رشتۂ حیات بیس ۲۰ یا بائیس ۲۲ سال کی عمر میں ہی قطع ہوگیا ہو اسکے بدنصیب پس ماندگان کو قدرت نے زبان کھولنے اور محض "کیوں؟" کہنے کا بھی حق نہیں دیا۔ بلکہ صرف صبر کی تلقین کی ہے۔

اسی آزمائش کے دور سے ہم گزر رہے ہیں۔ جامعہ جہاں اپنی دیگر مشکلات میں مبتلا ہے وہاں اس پر اتوار کے روز ۲۵ ستمبر ۳۲ء کو دن کے پونے دو بجے مصیبت کا ایک ایسا پہاڑ ٹوٹ پڑا جس کے بیان کرنے کی قلم میں مطلق طاقت نہیں، ہمارا ایک ۲۱ اکیس سالہ نوجوان طالب علم معمولی موسمی بخار میں مبتلا ہوا۔ مرض نے کچھ ایسی صورت اختیار کر لی کہ وہ غریب الوطن اپنی ضعیف والدہ کو الوداعی سلام کیے بغیر اور اپنے حقیقی بھائیوں اور عزیزوں کو خدا حافظ کیے بدون گھر سے کوسوں دور محض جامعہ کے رفقا اور اصحاب کی گود میں سر رکھ کر رخصت ہوگیا۔ انا للہ الخ

سید شاہ افتخار حسین مرحوم بہٹ ضلع سہارنپور کے رئیس زادے تھے۔ جامعہ کے درجہ ثانوی سوم میں تعلیم پاتے تھے۔ جو میٹرک کا آخری سال ہوتا ہے۔ چار سال سے کچھ زائد ہوئے جبکہ ۱۱ر جولائی ۱۹۲۳ء کو وہ ہمارے ہاں داخل ہوئے تھے اُس وقت جامعہ علی گڑھ میں تھی۔ ان کے بڑے بھائی شاہ نذر حسن علیگڑھ کالج کے مشہور اور ہر دلعزیز اولڈ بوائز میں سے ہیں۔ اور عدم تعاون کی تحریک میں علیگڈھ کالج کو چھوڑ کر جامعہ میں چلے آئے تھے۔ بعد میں خانگی معاملات کی بنا پر تعلیم سے دست بردار ہو گئے اور اپنی رئیسانہ ذمہ داریوں اور زمینداراانہ فرائض کی طرف متوجہ ہوگئے لیکن اپنے چھوٹے بھائی افتخار مرحوم کو جامعہ میں داخل کرا گئے۔ افتخار اُس وقت سے اب تک جامعہ میں تھے۔ اگرچہ جسمانی تعلق کو موت کے زبردست ہاتھ نے منقطع کر دیا ہے لیکن روحانی تعلق ہمیشہ باقی رہیگا اور اپنے اوصاف اور خوبیوں کی بنا پر وہ ہمیشہ زندہ رہیں گے۔

جامعہ کو علیگڑھ سے دہلی منتقل کرنے سے پہلے بعض بزرگوں کا یہ خیال تھا کہ جامعہ کو بند کر دیا جائے۔ تعطیلات کا زمانہ تھا جب یہ خبر اڑتے اڑتے افتخار مرحوم کے کانوں تک پہنچی تو انہوں نے عبد المجید خواجہ صاحب کو جو اُس وقت شیخ الجامعہ تھے ایک خط لکھا تھا کہ خدا کے لیے جامعہ کو بند ہونے دیجئے میں اپنی ناچیز خدمات پیش کرتا ہوں اور انشاء اللہ تعالیٰ جامعہ کو زندہ رکھنے کی کوشش کروں گا اور جو کچھ مجھ سے ہوسکے گا کروں گا۔ جامعہ کے اس ہونہار فرزند کے خط سے اس قدر اثر ہوا تھا کہ جامعہ کے تمام کارکنوں کی ہمت بندھ گئی تھی اور سب نے جامعہ کو بند کر دینے کا خیال ایکدم چھوڑ دیا۔

شاہ افتخار حسین مرحوم کی دینیات دانی کا اس سے پتہ چل سکتا ہے کہ اگر قرآن شریف کی کوئی آیت ان کے سامنے پڑھی جاتی تو فوراً اس کا صحیح ترجمہ سنا دیتے۔ ان کی سادگی کی یہ حالت تھی کہ وہ کھدر اور دیسی اشیاء کے دلدادہ تھے اور اپنی رئیسانہ حیثیت کے باوجود ریشم۔ اور اطلس وغیرہ نمائشی یا بدیشی چیزوں سے نفرت کرتے تھے، بلکہ جس استاد کو ایسے کپڑوں میں ملبوس دیکھتے تھے جو دیسی معلوم نہ ہوتا تو اس سے (بقیہ صفحہ ۱۰ کالم ۳)

جامعہ ملیہ دوسروں کی نظروں میں

مولانا شوکت علی صاحب نے جامعہ کے متعلق ابھی حال میں جو اپیل شائع کی ہو اور جو کہیں دوسری جگہ درج ہو، اس پر تبصرہ کرتے ہوئے معزز ہمعصر ہمدرد نے ایک مقالہ افتتاحیہ "غریبوں کی درسگاہ" کے عنوان سے لکھا ہو جس کے بعض حصے ہم ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔ (اڈیٹر)

مولانا شوکت علی صاحب نے اپنی اپیل میں عام مسلمانوں کو مخاطب کیا ہے کار خیر میں تفریق نہیں۔ ہر شخص حسب استطاعت اس عظیم الشان علمی کام میں دست اعانت پھیلا سکتا ہو اور جس سے جو کچھ ہو سکے اس کی مدد کر سکتا ہو تھوڑا تھوڑا بہت ہو جاتا ہو۔ ایک روپیہ یا دو روپیہ ماہوار متوسط درجہ کے مسلمانوں کے لیے اس کام میں دیدینا دشوار نہیں لیکن اسی ایک ایک دو دو روپیہ سے متوسط طبقہ کے مسلمانوں کے بچوں کی تعلیم کا ایک عظیم الشان کام پایۂ تکمیل کو پہنچ جائیگا اس وقت جس طرح سے مسیح الملک نے جامعہ کو چلایا ہو ان کی اس عالی ہمتی اور الوالعزمی سے نیز کارکنان جامعہ کے استقلال سے اس کا پورا یقین ہو کہ وہ اس مفید کام کو کسی طرح رکنے نہ دیں گے لیکن سوال یہ ہو کہ کیا عام مسلمانوں کی اس بارے میں کوئی ذمہ داری نہیں ہو؟ حکیم اجمل خاں صاحب قبلہ نے تو اپنے دواخانہ کی آمدنی کو ایک درسگاہ کے لیے وقف کرکے اسے مستحکم کر دیا ہو، کیا دوسرے مسلمانوں پر جامعہ کے لیے کوئی فرض عائد نہیں ہوتا؟ اگر مسلمانان ہند کی بے اتفاقی سے مسلمانوں کی اس درسگاہ کی بنیاد مستحکم نہ ہو سکی اور ان کی بے توجہی کا خدانخواستہ شکار ہو گئی تو نہ صرف یہ کہ متوسط درجہ کے مسلمانوں کے بچوں کے لیے ایک ایسی درسگاہ و تربیت کا خاتمہ ہو جائے گا جس میں کم سے کم خرچ پر تعلیم و تربیت کا انتظام ہو بلکہ ایک نہایت قیمتی تعلیمی تحریک سے ملک کا مستقبل محروم ہو جائے گا۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی بہت سی تعلیم گاہیں موجود ہیں، اور بفضلہ مالی اعتبار سے بڑی اچھی حالت میں ہیں لیکن شاید کسی میں غریب مسلمانوں کے بچوں کی تعلیم کا کوئی موقعہ نہیں ہے۔

موجودہ زمانہ میں اگر مسلمانوں میں ایک طرف جہالت اور کم علمی پھیلی ہوئی ہو تو دوسری طرف تعلیمی اخراجات بھی اس قدر وسیع ہو گئے ہیں کہ وہ انہیں برداشت نہیں کر سکتے۔ تقریباً تمام درسگاہوں کے مقابلہ میں کارکنان جامعہ نے اپنے ہاں کم سے کم خرچ پر ان کے لیے اپنے خیال میں بہترین تعلیم کا انتظام کیا ہو اور مخلص ترین اور کم سے کم معاوضہ لینے والے اساتذہ جمع کیے گئے ہیں جن کے پاس دوسرے ملکوں کی یونیورسٹی کی زمانہ حال کے معیار کے مطابق اعلیٰ سندیں اور ڈگریاں موجود ہیں۔ یوں تو دنیا کا کوئی کام ایسا نہیں ہو جو بغیر روپیہ کے ہو سکے اور پھر قومی کام کے لیے تو صدہا مشکلات ہیں - - - - - - - - -

لیکن پھر بھی تعلیم کے لیے ایک خاص قسم کے اطمینان اور سکون کی ضرورت ہوتی ہو۔ اگر اساتذہ کی تنخواہیں وقت پر نہ ملیں گی تو انہیں سکون کیونکر نصیب ہوگا۔ پڑھانے کے لیے ضروری سامان اور کتب اگر مہیا نہ کیجائینگی تو بتلائیے وہ کس طرح کام کر سکتے ہیں۔ بایں ہمہ جامعہ نے اس قلیل عرصہ میں جو کچھ کیا ہو شاید ان مشکلات کی موجودگی میں کسی دوسری تعلیم گاہ کے کارکنان کچھ نہ کر سکتے۔ غرضیکہ ایک تعلیم گاہ کو چلانے کے لیے مستقل سرمایہ کا انتظام ضروری ہو۔

جس طرح انسان کے ہر کام میں بمقتضائے بشریت خامی اور خرابی ہوتی ہے، اسی طرح جامعہ بھی اس سے الگ نہیں ہو۔ بہت ممکن ہو کہ اس میں بہت سی خرابیاں ہوں لیکن مولانا شوکت علی صاحب کے اپیل لکھاتے وقت ایک بہی خواہ جامعہ نے بالکل ٹھیک فرمایا تھا کہ یہ ساری خرابیاں صرف اسی طرح دور ہو سکتی ہیں کہ جامعہ کی مالی مشکلات کو رفع کرنے میں عملی ہمدردی کا اظہار کیا جائے۔ بہرحال جامعہ کے کام میں مسیح الملک کا ہاتھ بٹانے کے لیے اس سے بڑھکر اور کیا اپیل کی جا سکتی تھی۔ ہمیں پوری امید ہو کہ نہ صرف دہلی کے مسلمان حکیم صاحب قبلہ کی اس کام میں امداد کریں گے بلکہ ہندوستان کے ہر گوشہ کے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ مولانا شوکت علی صاحب کی درخواست کو مؤثر ثابت کریں گے۔ وہ لوگ جو نہ تو خود کوئی سیاسی کام کرتے ہیں اور نہ اس قسم کا کام کرنے والوں کی مدد کرتے ہیں کیا ان کے لیے یہ لازم نہیں ہو کہ وہ کم سے کم اس تعلیمی کام میں جو بالکل غیر سیاسی ہو، حتی الامکان مدد کریں۔

اسی اپیل پر اظہار خیال کرتے ہوئے لاہور کے ایک موقر ہمعصر انقلاب نے جامعہ کی موجودہ حالت کے متعلق ان خیالات کا اظہار کیا ہو:-

لیکن افسوس کہ جامعہ ملیہ کی حالت ابھی تک استقلال کے اس پیمانے پر نہیں پہنچی۔ حضرت مسیح الملک پہلے بھی اس جامعہ کے سب سے بڑے سرپرست تھے۔ اور جب سے یہ علی گڑھ سے دہلی آئی! اس وقت سے تو گویا اس کے تمام مصارف کی تکمیل کا بوجھ یکہ و تنہا حضرت ممدوح ہی کے کندھوں پر آپڑا اور وہ باوجود خرابی صحت انتہائی سرگرمی کے ساتھ اس گرانبہا فرض کو انجام دے رہے ہیں۔ لیکن ابھی تک اس کے مصارف کا انتظام اس پیمانے پر نہیں پہونچا کہ اس کے مستقبل کی طرف سے کلی اطمینان ہو جائے۔ اور یہ اندیشہ حضرت مسیح الملک کی صحت پر نہایت بڑا اثر ڈال رہا ہے۔ ہمیں اس اپیل کے ایک ایک لفظ سے اتفاق ہی حضرت مسیح الملک کے جو لاکھوں عقیدت مند ہندوستان کے ہر گوشے میں پھیلے ہوئے ہیں اور جن میں چھوٹے سے چھوٹے طبقے سے لے کر اعلیٰ سے اعلیٰ طبقے تک کے افراد شامل ہیں ہمیں یقین ہی کہ وہ اس اپیل پر تہ دل سے متوجہ ہوں گے۔ اور اپنی ایک اجتماعی کوشش سے جامعہ ملیہ کے مستقبل کو ہر قسم کے اندیشوں سے فارغ کر دیں گے ایک علمی قومی ادارہ کی واجبی خدمت کے علاوہ یہ کام ہمارے اس محبوب مطاع سردار کی دلی تسکین کا سامان ہی جس کا دست شفقت اس دور میں ہمارے لیے اللہ تعالےٰ کی ایک بہترین نعمت رہا ہی۔ اور جس کے ساتھ محبت و عقیدت کے جذبات صادقہ سے طول و عرض ہند کے کسی متنفس کا پہلو بھی خالی نہیں۔ آؤ ہم سب مل کر ایک زبردست سعی کریں۔ اور حضرت مسیح الملک قبلہ کے کمزور و نحیف جسم اور مصروف افکار قلب کو اس دکھ اور تکلیف سے فارغ کر دیں، جو جامعہ ملیہ کے عدم استقلال سے ان پر طاری ہے اور ان کی کمزور صحت کو نقصان پہنچا رہی ہی۔ ہمیں امید ہی کہ سارا ملک مولانا شوکت علی کی اس اپیل پر تہ دل سے لبیک کہے گا۔

جامعہ ملیہ کے ماہوار علمی و ادبی رسالہ "جامعہ" کا **تاسیس نمبر** خاص اہتمام کے ساتھ ۲۹ راکتوبر کو نکل رہا ہی جس میں خصوصیت کے ساتھ بلند پایہ اور عمدہ مضامین ہونگے علم و ادب سے ذوق رکھنے والوں کے لیے بہترین موقع ہی کہ وہ اپنے نام اس مہینہ سے درج رجسٹر کرالیں۔ سالانہ چندہ صرف صہ ہر پرچہ کی ضخامت غالباً ۱۲۰ صفحے ہوگی۔

منیجر رسالہ "جامعہ" قرول باغ۔ دہلی

آزادانہ تعارض کیے بغیر نہ چوکتے تھے وہ سترا سی روپیہ ماہوار گھر سے منگاتے تھے اپنی ذات پر پچیس۲۵ تیس۳۰ سے زائد کبھی صرف نہ کرتے تھے باقی رقم اپنی خاندانی روایتی عالی حوصلگی کی بنا پر اسی اللہ کی مخلوق پر صرف کرتے تھے جس نے اُن کو اس قابل بنایا تھا وہ غریب بھائیوں کی بے دریغ خدمت کرتے تھے اور کسی کو دے کر پھر مانگنا عار سمجھتے تھے۔

~~~~~~~~

شاہ مرحوم خدا بخشے بہت سی خوبیوں کے آدمی تھے۔ جامعہ کی مالی حالت کی بنا پر دسہرہ کی تعطیلات میں ایک وفد اپنے ضلع سہارنپور میں لیجانے والے تھے۔ اور اسکے علاوہ ایک وفد محض اپنے عزیزوں اور خاندان کے بزرگوں کے پاس اس غرض سے لیجانیوالے تھے کہ بزم ادب (جس کے وہ نائب صدر تھے) کے کتب خانہ دفتر اور جلسوں کے لیے ہال کیواسطے پانچ چھ ہزار کی رقم فراہم کر کے لائیں۔ اور اسکے لیے وہ اس قدر مستعد تھے کہ روپیہ کی فراہمی اور عمارت کی تکمیل اسی آئیندہ دسمبر تک چاہتے تھے۔ لیکن انسان کا سوچا اگر ہمیشہ پورا ہوتا رہے تو خدا کی قدرت کے کھیل کو کون یاد رکھے!

~~~~~~~~

مرحوم کی علالت کا تار گھر دیا گیا تھا مگر ان کے بھائی شاہ نذر اس وقت پہنچے جبکہ ہم مرحوم کو غسل دینے والے تھے نذر نے تانگہ سے اُترتے ہی دریافت کیا کہ افتخار کیسے ہیں؟ اس کا جواب دینے کی کس کی زبان میں طاقت ہو سکتی تھی منظر نے جو شکل اختیار کی ہوگی اس کا اندازہ ہر دردمند دل آسانی سے کر سکتا ہے۔
اگرچہ ان کا اصرار تھا کہ جنازہ کو وطن لے جائیں لیکن جامعہ والوں نے ان کو اپنے سے دور نہ ہونے دیا اور بالآخر رات کے ۹ بجے ان کو قرولباغ کے قبرستان میں جامعہ کے بالکل متصل سپرد خاک کر دیا گیا۔
مرحوم اخیر وقت تک ہوش میں رہے اور بظاہر اس قدر مطمئن تھے کہ گویا مرنے کا خیال بھی نہیں تھا جبکہ کلمہ پڑھنے کو کہا گیا تو آنکھیں کھولیں اور فوراً ہی بند کر کے رخصت ہوگئے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔
خدا مرحوم کی مغفرت کرے اور انکی ضعیف والدہ اور بھائیوں کو صبر عطا فرمائے مرحوم کی گذشتہ سال ہی شادی ہوئی تھی خدا دلہن کو بھی صبر جمیل عطا فرمائے آمین ثم آمین

"فیاض بایانی پتی"

عربی مدارس کی حالت زار

مولٰنا سید سلیمان صاحب ندوی نے اپنے رسالہ "معارف" (اعظم گڑھ) کے تازہ نمبر میں عربی مدارس کی حالت زار پر جو شذرات تحریر فرمائے ہیں وہ اس قابل ہیں کہ ناظرین "پیام تعلیم" کی خدمت میں بھی پیش کیے جائیں۔ - اڈیٹر

قوم کو خبر ہی کہ وہ تمام عربی مدرسے جو گذشتہ چالیس پچاس سال کے عرصہ میں قائم ہوئے، اور جن سے سیکڑوں اور ہزاروں علماء و فضلا پڑھ پڑھ کر نکلے، وہ یا ہماری غفلت کے ہاتھوں فنا ہو چکے یا وہ اس وقت دم توڑ رہے ہیں، غدر کے بعد سب سے پہلا شہر جس نے عربی علوم و مدارس کی سرپرستی کی وہ کانپور ہے مگر اب اسی کانپور میں جا کر دیکھئے نہ وہ عربی مدرسے ہیں، نہ وہ علما ہیں، نہ وہ طلبا ہیں، ایک عام ویرانی چھائی ہی، کانپور کے بڑے بڑے عربی مدرسے جہاں کبھی طالبان علم کا ہجوم تھا، اب یا وہاں ہر طرف خاموشی ہی، یا چند طالب علم وہاں کہیں چٹائی پر بیٹھے اونگھ رہے ہیں فیض عام کا فیض مدت ہوئی بند ہو چکا۔ دار العلوم (مولانا احمد حسن صاحب کانپوری کا مدرسہ) چند سال سے بے چراغ ہی جامع العلوم اپنی زندگی کے دن پورے کر رہا ہی۔

علی گڑھ کا وہ مدرسہ جہاں مولانا مفتی لطف اللہ صاحب مرحوم درس دیتے تھے، اور جس کے حلقہ سے اس عہد کے سیکڑوں فضلا پیدا ہوئے بے نشان ہو رہا ہی، آرہ کا مدرسۂ احمدیہ جس کو مولانا ابراہیم صاحب آروی نے قائم کیا تھا اور جس نے تمام مدارس عربیہ میں اصلاح کا قدم سب سے پہلے اٹھایا تھا، وہ معدوم ہو چکا، جونپور کا وہ مدرسہ جو مولانا ہدایت اللہ صاحب کے دم کے ساتھ قائم تھا، کثیر آمدنی کے باوجود اس کا عدم و وجود برابر ہے، یہی حال لکھنؤ، بدایوں، بریلی، الہ آباد، بنارس، بہار، اور سہسرام وغیرہ کا ہی۔

اس میں شک نہیں کہ بعض شہروں میں جہاں ایک طرف پرانے مدرسے فنا ہو رہے ہیں، نئے مدرسوں کی بنیادیں بھی پڑ رہی ہیں مگر چند روزوں کے بعد ان کا نتیجہ بھی وہی ہونا ہی، کیونکہ یہ تمام مدرسے جو نئے قائم ہوتے ہیں وہ اس لیے قائم ہوتے ہیں کہ عموماً (الا ماشاء اللہ) چند علماء اور معلمین کو اپنی اوقات بسری کے لیے کسی نہ کسی سامان کی ضرورت ہی، کوئی قومی مذہبی علمی یا قومی جذبہ ان مدارس کے وجود اور بقا کی کفالت نہیں کر رہا ہی، یہ حالت نہایت دردناک اور مایوس کن ہی!

جو مدرسے آج تک کسی نہ کسی حال میں جی رہے ہیں، ان کی زندگی کی وجہ بھی کوئی علمی یا دینی تحریک نہیں ہی، بلکہ یہ ہے کہ ان پر پہلے سے اوقاف ہیں، ان اوقاف پر تصرف کے لیے ضرورت ہے کہ ان کے متولی کسی مدرسہ کا ڈھانچہ قائم رکھیں، اس قسم کے مدارس بکثرت ہیں، اور سہسرام، بہار اور جونپور کا تو ہم کو ذاتی علم ہے، ایسے غیر مخلصانہ اعمال سے علم و دین کی تجدید و ترقی کا خیال محال قطعی ہی، اور اسی کا نتیجہ ہی کہ وہاں اب اس فیض و برکت کی ادنیٰ روح موجود نہیں ہی جو پہلے ان کے دیوار و در سے کبھی نظر آیا کرتی تھی!

مشتہرین کے لیے مژدہ

پیام تعلیم کا "تاسیس نمبر" آیندہ ۲۹؍اکتوبر کو نہایت آب و تاب کے ساتھ نکل رہا ہے اور پانچ ہزار کی تعداد میں شائع ہوگا۔ اشتہار دینے والوں کے لیے یہ ایک نادر موقع ہے۔ نرخنامہ حسب ذیل ہے۔ اشتہارات کے متعلق جملہ مراسلت پتہ ذیل سے کریں۔

	پورا صفحہ	نصف صفحہ	چوتھائی صفحہ
ایک بار	ے ر	صہ ر	ے ر
۳ بار	عـعہ	عـہ	عے ر
۶ بار	للعہ	عسہ	دعہ
۱۲ بار	لعہ	للعہ	سہ
۲۴ بار	مالعہ	معہ	للعہ

منیجر پیام تعلیم - قرول باغ - دھلی

تاریخ الامت

(از حافظ محمد اسلم صاحب استاذ جامعہ)

تاریخ اسلام کا یہ سلسلہ صحیح تاریخی اصول اور تحقیق و تنقید کے ساتھ اردو میں بالکل نئی چیز ہے۔ طرز بیان نہایت سادہ اور زبان بیحد آسان و عام فہم جس کی مقبولیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے جابجا اصل نصاب ہو رہی ہے۔

حصہ اول	سیرۃ الرسول	عہ
" دوم	خلافت راشدہ	عار
" سوم	خلافت بنی امیہ	عہ
" چہارم	خلافت عباسیہ	عار
" پنجم	عباسیہ بغداد	عار

تفسیر القرآن

(از خواجہ عبدالحی صاحب استاذ جامعہ)

قرآن حکیم کی اس سے بہتر تفسیر اب تک اردو میں نہیں تھی خواجہ صاحب کا یہ کارنامہ یقیناً اسی مقبولیت اور قدردانی کا مستحق تھا جو اسے حاصل ہوئی ہے۔

الخلافت الکبریٰ۔	تفسیر سورۂ بقر	للعہ مجلد صہ
الصراط المستقیم۔	" سورۂ انفال و توبہ	عار
بیان	" سورۂ آل عمران	۱۲آر
سبیل الرشاد	" سورۂ حجرات	۱۰ر
عبرت	" سورۂ یوسف	صہ مجلد عہ
برہان	" سورۂ نور	صہ مجلد عہ

تاریخ فلسفۂ اسلام

(از ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی۔ استاذ جامعہ)

ہالینڈ کے مشہور فلسفی اور مستشرق ٹی۔ جے۔ دی بوئر کی گرانقدر تصنیف کا براہ راست جرمن سے سلیس اردو ترجمہ جو ابھی حال میں شائع ہوا ہے مگر نہایت تیزی سے نکل رہا ہے قیمت صرف عار

تاریخ الدولتین

خلافت بنی امیہ و بنی عباس کے حالات پر دلچسپ تبصرہ۔ از علامہ جارج زیدان مترجمہ مولانا نیاز فتحپوری۔ . . . . عہ

مبادی معاشیات

علم المعیشت (اکنامکس) پر مبتدیوں کے لیے نہایت مفید و مستند کتاب از ایڈون کینن مترجمہ ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب ایم۔ اے۔ پی۔ ایچ۔ ڈی

قواعد عربی (کتاب الصرف)

اردو زبان میں عربی صرف پر نہایت مستند و مکمل کتاب ہے از علامہ سورتی استاذ جامعہ عار

تاریخ ہند قدیم

قدیم ہندوستان کی تاریخ کا یہ ایک مختصر لیکن جامع خاکہ ہے اور قابل قدر اور لائق مطالعہ از ایم پانیکار صاحب (ترجمہ اردو) عہ

دیوان غالب (اردو)

مطبوعہ مطبع شرکت کاویانی برلن (جرمنی) اس کی مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ پہلا ایڈیشن صرف دس ماہ کے عرصہ میں ختم ہو گیا دیوان مکمل ہے میرزا مرحوم کا خود نوشت مقدمہ غزلیات قصائد وغیرہ سب ہیں۔ جلد کی نفاست صرف دیکھنے سے متعلق ہے شروع میں غالب کا رنگین ہاف ٹون بلاک فوٹو مستقلاً ایک قابل قدر جرمن ہنرمندی کا نمونہ ہے۔ قیمت للعہ

انتخاب میر۔ افسر الشعرا حضرت میر محمد تقی میر علیہ الرحمۃ کے کلام کا دلکش انتخاب۔ معہ حالات و مقدمہ جس میں میر کی خصوصیات و امتیازات شاعری پر دلچسپ بحث ہے۔ از مولوی عبدالرحمٰن صاحب کی [illegible]

تاریخ نجد

مولانا اسلم صاحب کی تازہ تصنیف قیمت ایک روپیہ عہ

ترکوں کی کہانیاں۔ بچوں کے لیے نہایت اچھی کتاب عہ

ہمارے نبی۔ سرکار دو جہاں صلعم کی سیرۃ پر بچوں کے لیے اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہے قیمت ۸ر رعایتی ۴ر

بدائع سعدی۔ حضرت شیخ کی غزلیات کا نہایت مستند اور پاکیزہ نسخہ مطبوعہ جرمنی۔ قیمت للعہ انگریزی صہ

محشر خیال۔ یہ نادر گلدستہ سجاد علی انصاری مرحوم کے ناقدانہ اور لطیف مضامین کا دلکش مجموعہ ہے جس کے اب صرف چند نسخے باقی ہیں فوراً منگا لیجئے ورنہ پھر عرصہ تک اس کا ملنا ممکن نہ ہوگا۔ نہایت حسین جلد اعلیٰ طباعت۔ نفیس کاغذ خوبصورت کتابت اور قیمت صرف دو روپیہ آٹھ آنہ عار

دیوان شیدا

مسیح الملک عالیجناب حکیم اجمل خاں صاحب مدظلہ کے فارسی اردو کلام کا مجموعہ

حکیم صاحب قبلہ کی دوسری نمایاں خصوصیات سے دنیا واقف ہے لیکن آپ کو ایک کامیاب شاعر کے پیکر میں دیکھنا چاہیں تو یہ نادر گلدستہ طلب کیجئے جو دیوان غالب کی طرح جرمنی میں ویسا ہی حسین و خوبصورت چھپا ہے ویسی ہی حسین جلد ہے اور قیمت صرف عہ

پردۂ غفلت۔ فن ڈراما نویسی کا اعلیٰ نمونہ تعلیم نسواں و پردہ پر محققانہ بحث جسے ملک کے اعلیٰ مذاق علمی طبقہ نے سراہا ہے یہ اردو میں پہلی چیز بتلایا ہے۔ از ڈاکٹر سید عابد حسین صاحب قیمت عہ

ملنے کا پتہ:۔ مکتبہ جامعہ دہلی۔ قرول باغ